رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

سلسلۂ دار المصنفین

نمبر (۴۲)

سلسلۂ سیر الصحابہؓ

سیر الصحابہؓ

جلد ششم

اس میں دور صحابہ کی بہ ترتیب چار اہم ہستیوں یعنی حضرت امام حسنؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے حالات و سوانح، اخلاق و فضائل اور ان کے مذہبی، علمی، اخلاقی اور سیاسی مجاہدات و کارناموں کی تفصیل ہے۔

مرتبہ

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم

در مطبع معارف اعظم گڈھ مطبوع گردید

سنہ ۱۴۰۰ھ
۱۹۸۰ء

طبع سوم

کتبہ سید اقبال احمد

فہرست مضامین

سیر الصحابہؓ

جلد ششم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع اوّل

دارالمصنفین میں سیر الصحابہ کا جو مقدس سلسلہ شروع کیا گیا تھا، اُس کی تقسیم کے اعتبار سے (مہاجرینؓ، انصارؓ، عام صحابہؓ) یہ حصہ اس سلسلہ کی آخری کڑی ہے، چنانچہ اس کی آئندہ دوسری جلد پر یہ سلسلہ تمام ہو جائے گا، اس حصہ میں اُن صحابۂ کرام کے حالات ہیں جو مہاجرین اور انصار کے علاوہ ہیں، جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے یا ہجرت کے بعد پیدا ہوئے ہیں ان میں سے چند صحابہ حضرت حسنؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنی سیاسی اور مذہبی اہمیت کے لحاظ سے بہت سے اکابر صحابہؓ سے کم نہیں ہیں، ان کی خصوصی خلافت وامامت کی وجہ سے اُن کے حالات تفصیل کے طالب تھے، اس لئے انھیں ایک جلد میں علیحدہ جمع کر دینا مناسب ہوا، تاکہ ان کے حالات کے ساتھ اس عہد کی مرتب تاریخ بھی سامنے آجائے، اور اس وجہ سے بھی ایسا کرنا مناسب معلوم ہوا کہ ان کے حالات ایک دوسرے سے وابستہ تھے چنانچہ بہ ترتیب ان کے لئے ایک جلد مخصوص کر دی گئی، اس کے بعد کی دوسری جلد صغار صحابہؓ کے حالات میں ہوگی،

درحقیقت ان بزرگوں کے حالات کا لکھنا بہت اہم اور نازک فرض ہے، کیونکہ ان ہی بزرگوں کے نزاعی امور نے مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں بڑے بڑے سیاسی اور مذہبی اختلافات پیدا کر دیئے ہیں، یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ تاریخی حقائق اور جذبات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچۂ طبع سوم

اس کتاب کا پہلا اڈیشن آج سے انیس سال پہلے ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا؛ اس مدت میں بعض جدید مآخذ سامنے آئے، جن سے نئے معلومات حاصل ہوئے، اس لئے اس اڈیشن میں بعض ترمیمیں اور اضافے بھی ہوئے ہیں، اور گذشتہ مسامحات کی تصحیح بھی کر دی گئی ہے، اور اب یہ اڈیشن پہلے اڈیشنوں سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے۔

معین الدین احمد ندوی

۲۵ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ

مطابق ۲ جولائی ۱۹۵۱ء

دار المصنفین اعظم گڈھ

اس کتاب کا پہلا اڈیشن آج سے انیس سال پہلے ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا، اس مدت میں بعض جدید مآخذ سامنے آئے، جن سے نئے معلومات حاصل ہوئے، اس لئے اس اڈیشن میں بعض ترمیمیں اور اضافے بھی ہوئے ہیں، اور گذشتہ سامحات کی تصحیح بھی کردی گئی ہے، اور اب یہ اڈیشن پہلے اڈیشنوں سے زیادہ جامع اور مکمل ہوگیا ہے۔

معین الدین احمد ندویؒ

۲۵ر رمضان المبارک سنہ ۱۳۷۰ھ

مطابق ۲ر جولائی سنہ ۱۹۵۱ء

دارالمصنفین اعظم گڈھ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد و آلہ
واصحابہ اجمعین

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

نام و نسب حسن نام، ابو محمد کنیت، سید (ابنی ہذا سید) اور ریحانۃ النبی (ریحانتی فی الجنۃ) خطاب، شبیہ رسول لقب، دادہالی شجرۂ طیبہ یہ ہے: ابو محمد حسن بن علیؓ بن ابی طالب بن عبد المطلب قرشی ہاشمی، آپ کی والدہ ماجدہ سیدۃ النساء فاطمہ زہراؓ جگر گوشۂ رسول تھیں، اور آپ کے پدر بزرگوار جناب امیر علی مرتضیٰؓ ابن عم رسول تھے، اس لحاظ سے آپ کی ذات گرامی دوہرے شرف کی حامل تھی۔

پیدائش سنہ ہجری کے تیسرے سال رمضان المبارک کے مہینہ میں معدن نبوت کا یہ گوہر شب چراغ، استغنا و بے نیازی کی اقلیم کا تاجدار، صلح و مسالمت کی پرسکون مملکت کا شہنشاہ، عرش خلافت کا مسند نشین، دوش نبوت کا سوار، فتنہ و فساد کا بیخ کن، سردار دوعالم کی بشارت کا پورا کرنے والا، امت مسلمہ کا محسن اعظم، نور افزائے عالم وجود ہوا۔ آنحضرت صلعم

کو ولادت باسعادت کی خبر ہوئی، آنحضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے، اور فرمایا میرے بچے کو دکھانا، کیا نام رکھا گیا، عرض کیا گیا حرب، فرمایا نہیں، اس کا نام حسنؓ ہے، پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کیا، اور دو مینڈھوں کی قربانی کرکے سر کے بال اتروائے اور ان کے ہموزن چاندی خیرات کی۔[1]

عہد نبوی آنحضرت صلعم کو حضرت حسنؓ کے ساتھ جو غیر معمولی محبت تھی وہ کم خوش قسمتوں کے حصہ میں آئی ہوگی، آپ نے بڑے ناز و نعم سے ان کی پرورش فرمائی، کبھی آغوش شفقت میں لئے ہوئے نکلتے، کبھی دوش مبارک پر سوار کئے ہوئے برآمد ہوتے، ان کی ادنیٰ ادنیٰ تکلیف پر بے قرار ہو جاتے، بغیر حسنؓ کو دیکھے ہوئے نہ رہا جاتا تھا، ان کو دیکھنے کے لئے روزانہ فاطمہ زہراؓ کے گھر تشریف لیجاتے تھے، حضرت حسنؓ اور حسینؓ بھی آپ سے بیحد مانوس ہو گئے تھے، کبھی نماز کی حالت میں پشت مبارک پر چڑھ کے بیٹھ جاتے، کبھی رکوع میں ٹانگوں کے درمیان گھس جاتے، کبھی ریش مبارک سے کھیلتے، غرض طرح طرح کی شوخیاں کرتے، جاں نثار نانا نہایت پیار اور محبت سے ان طفلانہ شوخیوں کو برداشت کرتے اور کبھی تادیباً بھی نہ جھڑکتے، بلکہ ہنس دیا کرتے تھے، ابھی حضرت حسنؓ آٹھ ہی سال کے تھے کہ یہ بابرکت سایہ سر سے اٹھ گیا۔

عہد صدیقی اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ مسند نشین خلافت ہوئے، آپ بھی ذات نبویؐ کے تعلق کی وجہ سے حضرت حسنؓ کے ساتھ بڑی محبت فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ عصر کی نماز پڑھ کر نکلے، حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے، راستہ میں حضرت حسنؓ کھیل رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے اٹھا کر کندھے پر بٹھا لیا، اور فرمانے لگے قسم ہے یہ نبی کے مشابہ ہے علیؓ کے مشابہ نہیں ہے، حضرت علیؓ یہ سن کر ہنسنے لگے۔[2]

---

[1] استیعاب ج اوّل ص ۲۹۱ [2] بخاری کتاب المناقب الحسنؓ و الحسینؓ۔

عہد فاروقی | حضرت عمرؓ نے بھی اپنے زمانہ میں دونوں بھائیوں کے ساتھ ایسا ہی محبت آمیز برتاؤ رکھا، چنانچہ جب انہوں نے اکابر صحابہؓ کے وظائف مقرر کئے تو گو حضرت حسنؓ اس صف میں نہ آتے تھے [illegible] پانچ ہزار ماہانہ مقرر فرمایا۔[1]

عہد عثمانی | حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے زمانہ میں ایسا ہی شفقت آمیز طرزِ عمل رکھا، عہد صدیقی اور فاروقی دور میں حضرت حسنؓ اپنی کمسنی کے باعث کسی کام میں حصہ نہ لے سکتے تھے، حضرت عثمانؓ کے عہد میں پورے جوان ہو چکے تھے، چنانچہ اسی زمانہ سے آپ کی عملی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، اس سلسلہ میں سب سے اول طبرستان کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے، یہ فوج کشی سعید بن العاص کی ماتحتی میں ہوئی تھی۔[2] اس کے بعد جب حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ اٹھا اور شورش زیادہ بڑھی اور باغیوں نے قصرِ خلافت کا محاصرہ کر لیا، تو حسنؓ نے اپنے والد بزرگوار کو یہ مفید مشورہ دیا کہ آپ محاصرہ اٹھنے تک کے لیے مدینہ سے باہر چلے جائیے، کیونکہ اگر آپ کی موجودگی میں عثمانؓ شہید کر دیے گئے، تو لوگ آپ کو مطعون کریں گے اور ان کی شہادت کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے، لیکن باغی حضرت علیؓ کی نقل و حرکت کی برابر نگرانی کر رہے تھے، اس لیے حضرت علیؓ اس مفید مشورہ پر عمل پیرا نہ ہو سکے۔[3]

البتہ حضرت حسنؓ کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے بھیج دیا، چنانچہ انھوں نے اور بعض دوسرے ساتھیوں نے اس خطرہ کی حالت میں نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ حملہ آوروں کی مدافعت کی اور باغیوں کو اندر گھسنے سے روک رکھا، اس مدافعت میں خود بھی بہت زخمی ہوئے، سارا بدن خون سے رنگین ہو گیا، لیکن حفاظت کی یہ تمام تدبیریں ناکام ثابت ہوئیں، اور باغی چھت پر چڑھ کر اندر گھس گئے اور حضرت عثمانؓ کو شہید

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ذکر عطاء عمر بن الخطاب [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۸۴ طبع یورپ [3] ایضاً

کر دیا، حضرت علیؓ کو شہادت کی خبر ہوئی تو آپ نے غصہ میں حضرت حسنؓ کو طمانچہ مار کر تم نے کیسی حفاظت کی کہ باغیوں نے اندر گھس کر عثمانؓ کو شہید کر ڈالا۔[1]

بیعت خلافت کے وقت حضرت علیؓ کو مشورہ | حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب مسند خلافت خالی ہو گئی اور مسلمانوں کی نگاہِ انتخاب حضرت علیؓ پر پڑی اور انھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی تو حضرت حسنؓ نے نہایت عاقبت اندیشی سے والد بزرگوار کو یہ مشورہ دیا کہ جب تک تمام ممالک اسلامیہ کے لوگ آپ سے خلافت کی درخواست نہ کریں اس وقت تک آپ اسے قبول نہ فرمائیے، لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا کہ خلیفہ کا انتخاب صرف مہاجرین و انصار کا حق ہے جب وہ کسی کو خلیفہ تسلیم کر لیں تو پھر تمام ممالک اسلامیہ پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے، بیعت کے لیے تمام دنیا کے مسلمانوں کے مشورہ کی شرط نہیں ہے اور خلافت قبول کر لی۔[2]

جنگ جمل سے حضرت علیؓ کو روکنا | حضرت علیؓ کی بیعت کے بعد جب حضرت عائشہؓ اور زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت عثمانؓ کے قصاص میں ان کے قاتلوں سے بدلہ لینے کے لیے نکلے تو پھر حضرت حسنؓ نے حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مدینہ لوٹ چلیے اور کچھ دنوں کے لیے خانہ نشین ہو جائیے، لیکن حضرت علیؓ کی رائے میں ان حالات میں مدینہ لوٹنا اور خانہ نشین ہو جانا امت کے ساتھ فریب تھا، اور اس سے امت اسلامیہ میں مزید افتراق و انشقاق کا اندیشہ تھا، اس لئے واپس نہ ہوئے۔[3]

جنگ جمل | یہ وہ وقت تھا کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ حضرت علیؓ کے مقابلہ کے لیے نکل چکے تھے، اس لیے حضرت حسنؓ نے بھی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں جب آپ بالکل آمادہ ہو گئے

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۵۹ [2] [illegible] ص ۱۵۵ [3] ایضاً ص ۱۵۶

تو حضرت حسنؓ کو بھی بادل ناخواستہ آپ کی معیت میں نکلنا پڑا، چنانچہ والد بزرگوار کے حکم کے مطابق حضرت عمار بن یاسرؓ کے ہمراہ اہل کوفہ کو ان کی امداد پر آمادہ کرنے کے لیے کوفہ تشریف لے گئے، ان ہی ایام میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ مسلمانوں کو خانہ جنگی اور فتنہ و فساد سے روکنے کے لیے کوفہ آئے ہوئے تھے، اور جامع کوفہ میں تقریر کر رہے تھے کہ "برادران کوفہ! تم لوگ عرب کے اتحاد کی بنیاد بن جاؤ، تاکہ مظلوم اور خوف زدہ تمہارے دامن میں پناہ لیں، اگر فتنہ اٹھے تو وقت پہچان لو، جب فتنہ آتا ہے تو فریب دیتا ہے اور جاتا ہے تو اس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، معلوم نہیں یہ فتنہ کدھر سے آیا ہے اور کس نے اٹھایا ہے، اس لیے تم لوگ اپنی تلواریں نیام میں کر لو، نیزہ کے پھل نکال ڈالو، کمانوں کے چلے کاٹ دو، اور گھروں کے اندرونی حصہ میں بیٹھ جاؤ، لوگو! فتنہ کے زمانہ میں سونے والا بیٹھنے والے سے، بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے، اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔"

حضرت حسنؓ نے مسجد پہنچ کر یہ تقریر سنی تو حضرت ابو موسیٰؓ کو روک دیا، اور فرمایا تم یہاں سے نکل جاؤ اور جہاں جی میں آئے چلے جاؤ، اور خود منبر پر چڑھ کر اہل کوفہ کو حضرت علیؓ کی امداد پر ابھارا، چنانچہ آپ کی دعوت پر نو ہزار آدمی آپ کی تقریر پر حضرت علیؓ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے، حضرت حسنؓ ان سب کو لے کر مقام ذی قار میں حضرت علیؓ سے مل گئے، اور جنگ کے فیصلہ تک برابر ساتھ رہے۔[1]

جمل کے بعد صفین کا قیامت خیز معرکہ ہوا، اس میں بھی آپ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے، اور التوائے جنگ کے بعد جو عہد نامہ مرتب ہوا تھا، اس میں شاہد تھے،

حضرت علیؓ کی شہادت: خلافت کے پانچویں سال ابن ملجم نے حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ کیا، زخم کاری لگا تھا، اس لیے نقل و حرکت سے معذور ہو گئے، چنانچہ جمعہ کی امامت حضرت حسنؓ کو

---

[1] اخبار الطوال و مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۳۶۲۔

نہیں چھوڑا ہے، یہ درہم بھی ایک خادم خریدنے کے لیے جمع کیے تھے۔ اس بیعت اور تقریر کے بعد آپ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔

امیر معاویہؓ کا جارحانہ اقدام

جناب امیرؓ اور امیر معاویہؓ میں بہت قدیم اختلاف چلا آرہا تھا، امیر معاویہؓ انکی حیات ہی میں عالم اسلامی پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے، لیکن جناب امیرؓ کی زندگی میں یہ خواب منت کش تعبیر نہ ہوا، آپ کی وفات کے بعد امیر معاویہؓ کا یہ جذبہ دفعتاً نہایت شدت کے ساتھ ابھر آیا، امیر معاویہؓ کو یہ معلوم تھا کہ حسنؓ صلح پسند ہیں اور جنگ و جدال دو دل سے ناپسند کرتے ہیں، اور واقعہ بھی یہی تھا کہ حضرت حسنؓ کو قتل و خونریزی سے شدید نفرت تھی، اور اسی وجہ سے وہ خلافت لینے پر آمادہ نہ تھے، چنانچہ آپ نے پہلے ہی یہ کہہ دیا تھا کہ اگر اس کی نوبت آئی تو امیر معاویہؓ سے اپنے لیے کچھ مقرر کرا کے خلافت سے دست بردار ہو جاؤں گا۔[1]

امیر معاویہؓ کو ان حالات کا پورا اندازہ تھا، اس لیے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ہی انہوں نے فوجی پیشقدمی شروع کر دی اور پہلے عبد اللہ بن عامر بن کریز کو مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے روانہ کر دیا، یہ انبار ہوتے ہوئے مدائن کی طرف بڑھے۔

حضرت حسنؓ کی مقابلہ کیلیے آمادگی اور روانگی

حضرت حسنؓ اس وقت کوفہ میں تھے، آپ کو عبد اللہ بن عامر کی پیشقدمی کی خبر ہوئی تو آپ بھی مقابلہ کے لیے کوفہ سے مدائن کی طرف بڑھے، ساباط پہنچ کر انکی فوج میں کمزوری اور جنگ سے پہلوتہی کے آثار دیکھے، اس لیے اسی مقام پر رک کر حسب ذیل تقریر کی "میں کسی مسلمان کے لیے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا، اور تمہارے لیے بھی وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، تمہارے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں،

---

[1] ابن سعد جزو سوم ق اول ذکر علیؓ، حاکم نے مستدرک میں بھی اس کو خفیف تغیر کے ساتھ لکھا ہے ج ۳

امید ہے کہ اسے منظور نہ کرو گے، جس اتحاد و یکجہتی کو تم ناپسند کرتے ہو وہ اس تفرقہ اور اختلاف سے کہیں افضل و بہتر ہے، جسے تم چاہتے ہو، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر اشخاص جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں، اور لڑنے سے بزدلی دکھا رہے ہیں، میں تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا" یہ خیالات سن کر لوگ سناٹے میں آگئے، اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، اگرچہ کچھ لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے تھے، تاہم بہت سے پرجوش معتقد لوگ جو آپ کے ساتھ تھے اور امیر معاویہؓ سے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے، انہوں نے جب یہ رنگ دیکھا تو حضرت علیؓ کی طرح حسنؓ کو بھی برا کہنے لگے، اور ان کے خیمہ کی لوٹ مار شروع کر دی، اور جس مصلیٰ پر آپ تشریف فرما تھے، حملہ کرکے اسے چھین لیا، اور پیراہن مبارک کھسوٹ کر گلے سے چادر کھینچ لی، حضرت حسنؓ نے یہ برہمی دیکھی تو گھوڑے پر سوار ہو گئے، اور ربیعہ و ہمدان کو آواز دی، انہوں نے بڑھ کر نرغہ سے چھڑایا، اور آپ سیدھے مدائن روانہ ہو گئے، راستہ میں جراح بن قبیصہ خارجی حملہ کی تاک میں چھپا ہوا تھا، حضرت حسنؓ جیسے ہی اس کے قریب سے ہو کر گذرے اس نے حملہ کرکے زانوئے مبارک زخمی کر دیا، عبد اللہ بن خطل اور عبد اللہ بن ظبیان نے جراح پر جا کر جراح کو پکڑ لیا، اس کا کام تمام کر دیا، اور حضرت حسنؓ مدائن جا کر قصر ابیض میں قیام پذیر ہو گئے، اور زخم بھرنے تک ٹھہرے رہے، شفایاب ہونے کے بعد پھر عبد اللہ بن عامر کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے، اس دوران میں امیر معاویہؓ بھی انبار پہنچ چکے تھے، اور قیس بن عامر کو جو حضرت حسنؓ کی طرف سے یہاں متعین تھے، گھیر لیا تھا، ادھر معاویہؓ نے قیس کا محاصرہ کیا۔ دوسری طرف حضرت حسنؓ اور عبد اللہ بن عامر بالمقابل آگئے، عبد اللہ اس موقع پر یہ چال چلا کہ حضرت حسنؓ کی فوج کو مخاطب کرکے کہا کہ عراقیو! میں خود جنگ کرنا نہیں چاہتا، میری حیثیت صرف معاویہؓ کے

دست بردار ہونے کے بعد حضرت حسنؓ نے قیس بن سعد انصاری کو جو مقدمۃ الجیش کے ساتھ شامیوں کے مقابلہ پر مامور تھے، اس صلح کی اطلاع دی، اور جملہ امور امیر معاویہؓ کے حوالہ کرکے مدائن چلے آنے کا حکم دیا، قیس کو یہ فرمان ملا تو انہوں نے فوج کو پڑھ کر سنایا، اور کہا کہ اس کے بعد ہمارے لئے صرف دو صورتیں ہیں، یا تو بلا امام کے جنگ جاری رکھیں، یا معاویہؓ کی اطاعت قبول کرلیں، [illegible] اور لوگ موجود تھے انھوں نے امیر معاویہؓ کی اطاعت قبول کرلی، اور قیس حضرت حسنؓ کے حکم کے مطابق آپ کے پاس مدائن چلے آئے، ان کے مدائن آنے کے بعد حضرت حسنؓ کوفہ تشریف لے گئے، امیر معاویہؓ یہاں آکر آپ سے ملے، اور دونوں میں صلحنامہ کے شرائط کی زبانی بھی تصدیق و توثیق ہوئی۔[1]

اوپر جو شرطیں اخبار الطوال سے نقل کی گئی ہیں، ان کے علاوہ عام طور پر ایک شرط بہت مشہور ہے کہ امیر معاویہؓ کے بعد حسنؓ خلیفہ ہوں گے، لیکن یہ شرط مروج الذہب مسعودی، اخبار الطوال دینوری، یعقوبی، طبری، اور ابن اثیر وغیرہ کسی میں نہیں ہے، البتہ علامہ ابن عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ علماء کا یہ بیان ہے کہ حسنؓ صرف معاویہؓ کی حیات تک کے لئے ان کے حق میں دست بردار ہوئے تھے لیکن ابن عبد البر کا یہ بیان خود محل نظر ہے، اس لئے کہ جو واقعہ کسی مستند تاریخ میں نہیں ملتا، اس کو علماء کا متفقہ بیان کیسے کہا جاسکتا ہے، ممکن ہے ان کے عہد کے علماء کی یہ رائے رہی ہو، لیکن تاریخوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) اس سے کسی قدر مختلف ہے، اس کی روایت کے مطابق صورت واقعہ یہ ہے کہ جس وقت امام حسنؓ نے اپنے شرائط امیر معاویہ کے سامنے پیش کرنے کے لئے بھیجے تھے اسی دوران میں امیر معاویہ نے بھی ایک سادہ کاغذ پر مہر لگا کر حسنؓ کے پاس بھیجا تھا، کہ اس پر وہ جو شرائط چاہیں تحریر کردیں سب منظور کیا جائیں گی، اس کاغذ کے بھیجنے کے بعد امیر معاویہ کے پاس حسنؓ کے شرائط والا کاغذ پہونچا، امیر معاویہ نے اسکو روک رکھا، حسنؓ کو امیر معاویہ کا مہر کردہ سادہ کاغذ ملا تو انہوں نے اس میں بہت سی ایسی شرطیں جو پہلے والے میں نہ تھیں بڑھا دیں، لیکن امیر معاویہ نے انھیں تسلیم نہیں کیا، اور صرف انھیں شرائط کو مانا جو حسنؓ پہلے بھیج چکے تھے [illegible]

[1] اخبار الطوال ص ۲۳۲ تا استیعاب ذکر حسنؓ۔

اس کی تصدیق نہیں ہوتی، خود طبری نے بھی جو اپنی تاریخ میں ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں
نقل کر دیتا ہے، اس شرط کا کہیں تذکرہ نہیں کیا ہے، اور آئندہ واقعات سے بھی ان کی
تائید نہیں ہوتی، حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد جب امیر معاویہؓ یزید کی بیعت لینے کے لیے مدینہ
گئے، اور ابن زبیرؓ، حسینؓ، اور عبد الرحمن بن ابی بکرؓ وغیرہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا تو
ان بزرگوں نے اس کے خلاف ہر طرح کے دلائل دیئے، ابن زبیرؓ نے کہا کہ یہ طریقہ خلفائے
راشدین کے انتخابی طریقہ کے خلاف ہے، اس لیے ہم اسے منظور نہیں کر سکتے، عبد الرحمن
ابن ابی بکرؓ نے کہا یہ قیصر و کسریٰ کی سنت ہے، لیکن کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ حسنؓ صرف تمہارے
حق میں دست بردار ہوئے تھے، اس لیے یزید ولیعہد نہیں بنایا جا سکتا، ظاہر ہے کہ اگر
ان بزرگوں کو اس قسم کی کسی شرط کا علم ہوتا تو وہ دوسرے دلائل کے ساتھ اسے
بھی یزید کی ولیعہدی کی مخالفت میں پیش کرتے، پھر امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد جب
حضرت حسینؓ یزید کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو آپ نے اپنے دعویٰ کی تائید اور یزید کی مخالفت
میں بہت سی تقریریں کیں، اور ان تقریروں میں یزید کی مخالفت کے اسباب بیان
کیئے، لیکن کسی تقریر میں بھی آپ نے یہ دعویٰ نہیں فرمایا کہ چونکہ میرے بھائی حسنؓ صرف امیر
معاویہؓ کے حق میں دست بردار ہوئے تھے، اور وہ امیر معاویہؓ کی زندگی میں وفات
پا چکے تھے، اس لیے اصول توارث کی رو سے ان کی جانشینی کا حق مجھ یا حسن کی اولاد
کو پہونچتا ہے، حالانکہ یزید کی حکومت کے خلاف دلائل میں یہ بڑی قوی دلیل تھی،
لیکن حضرت حسینؓ نے اس کی طرف اشارہ بھی نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ
ہی سرے سے غلط ہے، باقی رہا یہ سوال کہ پھر بعض ارباب سیر نے اسے کیوں نقل کیا ہے؟
اس کا جواب ان لوگوں کے لیے بہت آسان ہے جو بنی امیہ اور بنی [illegible]

خود ان کی زبان سے اس کو سن لیں، مگر امیر معاویہؓ مزید بحث مناسب نہ سمجھتے تھے اس لئے پہلے اس پر آمادہ نہ ہوئے، مگر جب عمرو بن العاصؓ نے بہت زیادہ اصرار کیا تو انھوں نے حضرت حسنؓ سے درخواست کی کہ وہ برسرعام دست برداری کا اعلان کردیں، امیر معاویہؓ کی اس فرمایش پر حضرت حسنؓ نے مجمع عام میں حسب ذیل تقریر ارشاد فرمائی،

اما بعد، لوگو خدا نے ہمارے اگلوں سے تمہاری ہدایت کی اور پچھلوں سے تمہاری خونریزی کرائی، دانائیوں میں بہترین دانائی تقویٰ اور عجز میں سب سے بڑا عجز بداعمالیاں ہیں، یہ امر (خلافت) جو ہمارے اور معاویہؓ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے، یا وہ اس کے حقدار ہیں، یا ہم دونوں صورتوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے میں اس سے دستبردار ہوتا ہوں پھر معاویہؓ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا "خلافت تمہارے لئے فتنہ اور چند روزہ سرمایہ ہو" یہ سن کر امیر معاویہؓ نے کہا بس کیجئے اس قدر کافی ہے اور عمرو بن العاصؓ سے کہا تم یہی سننا چاہتے تھے،

اس خاتم الشقاق دستبرداری کے بعد حضرت حسنؓ اپنے اہل و عیال کو لیکر مدینہ کو چلے گئے، اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی کہ "میرا بیٹا سید ہے، خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں میں صلح کرائے گا"

باختلاف روایت آپ کی مدت خلافت ساڑھے پانچ مہینہ یا چھ مہینہ سے کچھ زیادہ یا سات مہینہ سے کچھ زیادہ تھی، آپ کی بیعت خلافت کی تاریخ تو معین ہے لیکن دست برداری میں بڑا اختلاف ہے، چنانچہ بعض ربیع الاول ۴۱ھ بعض

اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۴، و استیعاب جلد اول ص ۱۴۴،

ربیع الثانی اور بعض جمادی الاول بتاتے ہیں اسی لئے مدت خلافت میں بھی یہ اختلاف ہو گیا ہے۔

معاویہ اور قیس بن سعد میں صلح حضرت حسن کی دستبرداری سے آپ کے خاص حامیوں اور حضرت علیؓ کے فدائیوں کو سخت دھکا لگا، اس میں شک نہیں کہ حضرت حسنؓ کے کچھ آدمیوں نے جن پر شامیوں کا مخفی جادو چل گیا تھا، کمزوری دکھائی تھی، لیکن ان کے علاوہ ہزاروں فدائیان علی سر کٹانے اور جان دینے کے لئے آمادہ تھے، خود قیس ابن سعد جو حضرت حسنؓ کے مقدمۃ الجیش کے کماندار تھے، حضرت حسنؓ کے حکم پر معاویہؓ کا مقابلہ چھوڑ کر مدائن تو چلے آئے تھے، لیکن دستبرداری کے بعد کسی طرح معاویہؓ کی خلافت تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے، اور ان سے مقابلہ کرنے کے لئے ہمہ تن آمادہ تھے، اور اپنی ہم خیال جماعت سے جنگ کے لئے بیعت بھی لے لی تھی، لیکن آخر میں امیر معاویہؓ نے ان کے تمام مطالبات مان کر صلح کر لی۔[1]

وفات حضرت حسن دستبرداری کے بعد آخر لمحہ حیات تک اپنے جد بزرگوار کے جوار میں اطمینان و سکون کی زندگی بسر کرتے رہے، سنہ ۴۹ھ میں آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے کسی وجہ سے زہر دیدیا، سم قاتل تھا، قلب و جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرنے لگے، جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور زندگی سے مایوس ہو گئے تو حسینؓ کو بلا کر ان سے حالت بیان کی، انہوں نے زہر دینے والے کا نام پوچھا، فرمایا نام پوچھ کر کیا کرو گے، عرض کیا قتل کروں گا، فرمایا اگر میرا خیال صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ لینے والا ہے، اور اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی بے گناہ پکڑا جائے، یہ کہہ کر مشتبہ زہر دینے والے کا نام بتانے سے انکار کر دیا [illegible] کے پہلو میں دفن

[1] ابن سعد [illegible]

آمادہ تھا، اور قریب تھا کہ پھر ایک مرتبہ زمین کی زمین مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بنجائے
کہ اتنے میں مشہور صحابی حضرت ابوہریرہؓ پہونچ گئے، اور چلائے کہ یہ کیا ظلم ہے کہ ابن
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے نانا کے پہلو میں دفن کرنے سے روکا جاتا ہے،
پھر حسینؓ سے کہا کہ اس کے لیے کشت وخون سے کیا فائدہ، حسنؓ کی وصیت بھول گئے
کہ اگر خونریزی کا خطرہ ہو تو عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا، اس برمحل
یاددہانی پر حسینؓ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، اور بنی امیہ اور بنی ہاشم میں جنگ ہوتے
ہوتے رہ گئی، اس کے بعد سعید بن العاص حاکم مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور
لاش مبارک جنت البقیع میں حضرت فاطمہ زہراؓ کے پہلو میں سپرد خاک کی گئی،

حضرت حسنؓ کا روضۂ نبویؐ چھوڑ کر بقیع کے گورغریباں میں دفن کیا جانا بھی آپ کے
روحانی تصرف کا نتیجہ تھا، کہ جس پیکر صلح وآشتی نے زندگی میں مسلمانوں کے خون کی قیمت
پر دنیاوی جاہ وحشم حاصل کرنا پسند نہ کیا، اور خونریزی سے بچنے کے لیے سلطنت وحکومت
جیسی چیز کو ٹھکرا کر غربت اور عزلت نشینی کی زندگی اختیار کی، اس کے جسد خاکی نے مرنے
کے بعد بھی یہ کرشمہ دکھایا کہ روضۂ نبوی کے مقابلہ میں بقیع کے گورغریباں میں دفن ہوا
لیکن حرم نبوی میں مسلمانوں کا خون نہ گرنے دیا، اور نہ اس قیمت پر جد امجد کے پہلو
میں جگہ ملنی بہت آسان تھی،

مدینہ میں ماتم حضرت حسنؓ کی رحلت معمولی واقعہ نہ تھا، بلکہ علم وعدالت کا ماتم تھا، حلم و
عفو کا ماتم تھا، صبر وتحمل کا ماتم تھا، استغنا وبے نیازی کا ماتم تھا، خاندان نبوت کے چشم وچراغ
کا ماتم تھا، اس لیے آپ کی وفات سے مدینہ میں گھر گھر صف ماتم بچھ گئی، بازار بند ہوگئے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) اصلیت نہیں ہے، ۱ استیعاب ج ۱ اول ص ۱۴۵، ۲ اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۵،

گلیوں میں سناٹا چھا گیا، بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینہ تک سوگ منایا، حضرت ابوہریرہؓ مسجد میں زار و فغاں کرتے تھے، اور پکار پکار کر کہتے تھے کہ لوگو آج خوب رو لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب دنیا سے اٹھ گیا۔[1]

جنازہ میں انسانوں کا اتنا ہجوم تھا کہ اس سے پہلے مدینہ میں کم دیکھنے میں آیا تھا، ثعلبہ ابن ابی مالک جو مٹی میں شریک تھے، راوی ہیں کہ جنت البقیع میں جنازہ میں اتنا اژدحام تھا کہ اگر سوئی ایسی مہین چیز بھی پھینکی جاتی تو کثرتِ اژدحام سے زمین پر نہ گرتی۔[2]

حلیہ حضرت حسنؓ صورۃً اور سیرۃً دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھے، خصوصاً صورت میں بالکل ہم شبیہ تھے۔

ازدواج کی کثرت آپ نے نہایت کثرت کے ساتھ شادیاں کیں اور اسی کثرت کے ساتھ طلاقیں دیں، طلاقوں کی کثرت کی وجہ سے لوگ آپ کو مطلاق کہنے لگے تھے، بعض روایتوں سے آپ کی ازدواج کی تعداد نوے تک پہونچ جاتی ہے، لیکن یہ روایتیں مبالغہ آمیز ہیں، تاہم اس قدر مسلّم ہے کہ عام رواج سے زیادہ شادیاں کیں اور طلاقیں دیں، اس کثرتِ ازدواج و طلاق کو دیکھ کر حضرت علیؓ نے کوفہ میں اعلان کر دیا تھا کہ انھیں کوئی اپنی لڑکی نہ دے، لیکن عام مسلمانوں میں خانوادۂ نبوی سے رشتہ پیدا کرنے کا شوق اتنا غالب تھا کہ حضرت علیؓ کی اس مخالفت کا کوئی اثر نہ ہوا، اور ایک ہمدانی نے برملا کہا کہ ہم ضرور لڑکی دیں گے، زیادہ سے زیادہ یہی نہ ہوگا کہ جو عورت انھیں پسند ہوگی، رکھیں گے ورنہ طلاق دیدیں گے۔[3]

بیویوں سے برتاؤ لیکن طلاقوں کی اس کثرت کے باوجود جس قدر عورتیں آپ کے حبالۂ نکاح میں رہتی تھیں، ان سے بڑی محبت اور ان کی بڑی قدر افزائی فرماتے تھے،

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۰۰ [2] تہذیب الکمال ص ۸۶ [3] تاریخ الخلفاء سیوطی بحوالہ

کی تقریر زور بیان اور شکوہ الفاظ کا ہیکل ہوگی حکیم و فلسفی کا خطبہ رموز و اسرار کا فرقہ ہوتا ہی، عابد و زاہد کا وعظ پند و موعظت کی کتاب ہوگی، اس طریقہ سے انسان کی خلقی افتاد طبع کی مناسبت سے اس کے خطبات کی خصوصیات بدلتی رہتی ہیں حضرت حسنؓ فطرۃً نہایت متحمل مزاج صلح جو، نرم خو اور دنیا سے کنارہ کش بزرگ تھے، اس لیے آپ کا خطبہ پند و موعظت متانت و سنجیدگی اور تاثیر اور ترقیق کا مرقع ہوتا تھا، لیکن اسی کے ساتھ فصاحت و بلاغت کا جوہر بھی پایا جاتا تھا، حضرت علیؓ کی وفات کے بعد آپ نے متعدد خطبے دیے ہیں ان میں سے ایک یہاں نمونۃً پیش کیا جاتا ہے اس سے آپ کی خطابت کا پورا اندازہ ہوگا،

قال بعد حمد الله عز وجل انا و الله ما يثنينا عن اهل الشام شك و لا ندم وانما كنا نقاتل اهل الشام بالسلامة والصبر فشيبت السلامة بالعداوة والصبر بالجزع وكنتم في منتدبكم الى صفين ودينكم امام دنياكم فاصبحتم اليوم ودنياكم امام دينكم الا وانا لكم كما كنا ولستم لنا كما كنتم الا وقد اصبحتم بين قتيلين قتيل بصفين تبكون له وقتيل بالنهروان تطلبون بثاره فاما الباقي فخاذل واما الباكي فثائر الا وان معاوية دعانا الی

حمد الٰہی کے بعد آپ نے یہ تقریر کی کہ ہم کسی شک وشبہ یا شرم و ندامت کی وجہ سے شامیوں کے مقابلہ سے نہیں لوٹ آئے، بلکہ اس کا سبب تھا کہ پہلے ہم شامیوں سے صاف دلی اور صبر کے ساتھ جنگ کرتے تھے لیکن اب وہ حالت باقی نہیں رہی صاف دلی نے عداوت کی اور صبر نے بے قراری اور بے صبری کی شکل اختیار کر لی، صفین میں جب تم نکلے تھے تو تمہارا دین تمہاری دنیا کے آگے تھا اور اب حالت برعکس ہے، ہم اب بھی تمہارے لیے ایسے ہی ہیں جیسے پہلے [illegible] تمہاری یہ حالت ہے کہ تم دو مقتولوں کی آڑ میں [illegible] ہو، ایک صفین کے مقتول کے لیے تم روتے ہو اور نہروان کے ایک مقتول کا خونبہا تم چاہتے ہو، باقی

لہ اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۳،

مسلمانوں کے دوسرے فرقوں میں صلح کرائے گا۔[1]

شیعیانِ علیؓ اس صلح کو جس نظر سے دیکھتے تھے، اور اس کے بارہ میں انکے جو جذبات تھے، ان کا اندازہ ان خطابات سے ہوسکتا ہے، جن سے وہ اس سردار خلد بریں کو مخاطب کرتے تھے، "مذل المومنین" مسلمانوں کو رسوا کرنے والے، "مسود وجوہ المسلمین"، مسلمانوں کو روسیاہ کرنے والے "عار المومنین" ننگ مسلمین، یہ وہ خطابات تھے، جن سے حضرت حسنؓ کو خطاب کیا جاتا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ صلح اور دستبرداری کو کس درجہ ناپسند کرتے تھے،

واقعہ یہ ہے کہ حضرت حسنؓ ایسے امن پسند، صلح جو، نرم خو تھے کہ انھوں نے اوّل یوم ہی سے ارادہ کرلیا تھا کہ اگر بلا کسی خونریزی کے انھیں ان کی جگہ مل گئی تو لے لیں گے، ورنہ اس کے لیے مسلمانوں کا خون نہ بہائیں گے۔ طبری کا بیان ہے کہ حسنؓ کے ساتھ چالیس ہزار آدمی تھے، لیکن آپ جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ آپ کا خیال تھا کہ امیر معاویہؓ سے کچھ مقرر کرا کے دستبردار ہو جائیں۔[2]

چنانچہ جس وقت آپ نے عراقیوں سے بیعت لی تھی اسی وقت اس عزم کو اشارۃً ظاہر فرما دیا تھا، زہری لکھتے ہیں کہ امام حسنؓ نے اہل عراق سے بیعت لیتے وقت یہ شرط کرلی تھی، کہ تم کو پورے طور سے میری اطاعت کرنی ہوگی، یعنی جس سے میں لڑوں گا اس سے لڑنا ہوگا اور جس سے صلح کروں گا، اس سے صلح کرنی پڑے گی، اس شرط سے عراقی اسی وقت کھٹک گئے تھے کہ آپ آیندہ جنگ و جدال ختم کردیں گے، چنانچہ اسی وقت ان لوگوں نے آپس میں کہا تھا کہ یہ ہمارے کون کے آدمی نہیں، اور لڑنا نہیں چاہتے، اس کے چند روز بعد آپ کو زخمی کر دیا گیا۔[3]

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات نووی ج ۱ ص ۱۵۹ [2] طبری ج ص ، [3] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۲۰۔

حضرت حسنؓ نے اپنے گھر والوں پر بھی یہ خیال ظاہر فرما دیا تھا، ابن جعفر کا بیان ہے کہ صلح کے قبل میں ایک دن حسنؓ کے پاس بیٹھا تھا، جب چلنے کے ارادہ سے اٹھا تو انھوں نے میرا دامن کھینچ کر بٹھا لیا، اور کہا میں نے ایک رائے قائم کی ہے، امید ہے کہ تم بھی اس سے اتفاق کرو گے، ابن جعفر نے پوچھا کونسی رائے ہے؟ فرمایا، میں خلافت سے دستبردار ہو کر مدینہ جانا چاہتا ہوں، کیونکہ فتنہ برابر بڑھتا جاتا ہے، خون کی ندیاں بہہ چکی ہیں، عزیز کو عزیز کا پاس نہیں ہے، قطع رحم کی گرم بازاری ہے، راستے خطرناک ہو رہے ہیں، سرحدیں بے کار ہو گئی ہیں، ابن جعفر نے جواب دیا، خدا آپ کو امت محمدیؐ کی خیر خواہی کے صلہ میں جزائے خیر دے، اس کے بعد آپ نے حسینؓ کے سامنے یہ رائے ظاہر کی، انھوں نے کہا کہ خدارا علیؓ کو قبر میں جھٹلا کر معاویہ کی سچائی کا اعتراف نہ کیجئے، آپ نے یہ سن کر حسینؓ کو ڈانٹا کہ تم شروع سے آخر تک برابر میری ہر رائے کی مخالفت کرتے چلے آرہے ہو، خدا کی قسم میں طے کر چکا ہوں کہ تم کو فاطمہؓ کے گھر میں بند کر کے اپنا ارادہ پورا کروں گا، حسینؓ نے بھائی کا لہجہ درشت دیکھا تو عرض کیا، آپ علیؓ کی اولاد اکبر اور میرے خلیفہ ہیں، جو رائے آپ کی ہوگی وہی میری ہوگی، جیسا مناسب فرمائیے کیجئے، اس کے بعد آپ نے دستبرداری کا اعلان کیا،[1]

ان واقعات سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ خلافت سے دستبرداری میں فوج کی کمزوری وغیرہ کا چنداں سوال نہ تھا، بلکہ چونکہ آپ کو اس کا یقین ہو گیا تھا کہ بغیر ہزاروں مسلمانوں کے خاک و خون میں تڑپے ہوئے کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا اور جنگ جمل سے لیکر برابر مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہتی چلی آرہی ہیں اس لیے آپ نے اسے روکنے کے لیے خلافت کو خیرباد کہہ کر مدینہ کی عزلت نشینی اختیار فرمائی، فجزاہ اللہ عن المسلمین خیرا الجزاء،

---

[1] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۲۱، ۲۲۲،

اصلاحِ عقائد مذہب کی بنیاد صحت عقائد پر ہے، اس میں فتور پیدا ہونے سے مذہب کی پوری عمارت متزلزل ہو جاتی ہے، حضرت حسنؓ کو عقیدہ کی درستی اور اس کی اصلاح کا ہمیشہ خیال رہا، اس بارہ میں آپ نہایت سختی سے کام لیتے تھے، شیعیان علیؓ میں ایک جماعت کا عقیدہ تھا کہ حضرت علیؓ نے عام انسانوں کی طرح وفات نہیں پائی، اور وہ قیامت سے پہلے ہی زندہ ہو جائیں گے، حضرت حسنؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا، یہ لوگ جھوٹے ہیں، خدا کی قسم ایسے لوگ کبھی شیعہ نہیں ہو سکتے، اگر ہم کو یقین ہوتا کہ آپ عنقریب ظاہر ہوں گے تو نہ ان کی میراث تقسیم کرتے، نہ ان کی عورتوں کا عقد ثانی کرتے۔[1]

عبادت عبادت الٰہی آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا، اور وقت کا بڑا حصہ آپ اس میں صرف فرماتے تھے۔

امیر معاویہؓ نے ایک شخص سے آپ کے حالات دریافت کیے، اس نے بتایا کہ فجر کی نماز کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک مصلیٰ پر بیٹھے رہتے ہیں پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں، اور آنے جانے والوں سے ملتے ہیں، دن چڑھے چاشت پڑھ کر امہات المومنین کے پاس سلام کرنے کو جاتے ہیں، پھر گھر ہو کر مسجد چلے آتے ہیں۔[2]

مکہ کے زمانۂ قیام میں معمول تھا کہ عصر کی نماز خانہ کعبہ میں باجماعت ادا کرتے تھے، نماز کے بعد طواف میں مشغول ہو جاتے، ابو سعید راوی ہیں کہ حسنؓ و حسینؓ نے امام کے ساتھ نماز پڑھی پھر حجر اسود کو بوسہ دے کر طواف کے سات پھیرے کیے، اور دو رکعت نماز پڑھی، لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ دونوں خانوادۂ نبویؐ کے چشم و چراغ ہیں، تو مشتاقانِ جمال چاروں طرف سے پروانہ وار ٹوٹ پڑے، اور بھیڑ کی وجہ سے راستہ رک گیا، حضرت حسینؓ اس

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ علیؓ بن حسینؓ [2] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۰۹

ہجوم میں گھر گئے، حضرت حسنؓ نے ایک رکابی کی مدد سے انھیں ہجوم سے چھڑایا، ایک تختی پر سورۂ کہف لکھوائی تھی، روزانہ سوتے وقت اسے تلاوت فرماتے، اور بیویوں کے پاس ساتھ لے جاتے[۱]۔

ہر طرح کی سواریاں رکھتے ہوئے پاپیادہ حج کرتے تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ امام حسنؓ نے متعدد حج پاپیادہ کئے، فرماتے تھے کہ مجھے خدا سے حجاب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ملوں اور اس کے گھر پاپیادہ نہ گیا ہوں[۲]۔

صدقات وخیرات | صدقہ وخیرات اور فیاضی وسیر چشمی آپ کا خاندانی وصف تھا، لیکن جس فیاضی سے آپ خدا کی راہ میں اپنی دولت اور مال ومتاع لٹاتے تھے، اس کی مثالیں کم ملیں گی، تین مرتبہ اپنے کل مال کا آدھا حصہ خدا کی راہ میں دیدیا، اس تنصیف میں اتنی شدت کی کہ دو جوتوں میں ایک جوتہ بھی خیرات کردیا[۳]، ایک مرتبہ ایک شخص بیٹھا ہوا دس ہزار درہم کے لیے دعا کر رہا تھا، آپ نے سن لیا، گھر جاکر اس کے پاس دس ہزار نقد بھجوا دیئے[۴]، آپ کی اس فیاضی سے دوست ودشمن یکساں فائدہ اٹھاتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص مدینہ آیا، یہ حضرت علیؓ کا دشمن تھا، اس کے پاس زاد راہ اور سواری نہ تھی، اس لیے مدینہ والوں سے سوال کیا، کسی نے کہا یہاں حسنؓ سے بڑھ کر کوئی فیاض نہیں، ان کے پاس جاؤ، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے سواری اور زاد راہ دونوں کا انتظام کردیا، لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے ایسے شخص کے ساتھ کیوں سلوک کیا جو آپ اور آپ کے والد بزرگوار دونوں سے بغض رکھتا تھا، فرمایا، کیا اپنی آبرو نہ بچاؤں[۵]۔

---

[۱] یہ واقعات ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۳ تا ۲۱۴ سے ماخوذ ہیں۔ [۲] تہذیب الاسماء نووی ج ۱ ص ۱۵۸

[۳] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۳ [۴] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۴ [۵] ایضاً

لیکن آپ کی دولت سے وہی لوگ متمتع ہوتے تھے جو درحقیقت اس کے مستحق ہوتے، ایک مرتبہ آپ نے ایک بڑی رقم فقراء اور مساکین کے لیے جمع کی، حضرت علیؓ نے اسکی تقسیم کا اعلان کر دیا، لوگ سمجھے کہ یہ اعلان صلائے عام ہے، اس لیے جوق در جوق جمع ہونے لگے، آدمیوں کی یہ بھیڑ دیکھ کر حضرت حسنؓ نے اعلان کیا کہ یہ رقم صرف فقراء و مساکین کے لیے ہے، اس اعلان پر تقریباً آدھے آدمی چھٹ گئے، اور سب سے پہلے اشعث بن قیس نے حصہ پایا،[1]

آپ نہ صرف خود فیاض تھے، بلکہ دوسروں کی فیاضی دیکھ کر خوش ہوتے تھے، ایک مرتبہ مدینہ کے کسی کھجور کے باغ کی طرف گذرے، دیکھا کہ ایک حبشی غلام ایک روٹی لیے، ایک لقمہ خود کھاتا ہے، اور دوسرا کتے کو دیتا ہے، اسی طریقہ سے آدھی روٹی کتے کو کھلا دی، آپ نے غلام سے پوچھا کتے کو دتکار کیوں نہیں دیا، اس نے کہا میری آنکھوں کو اس کی آنکھوں سے حجاب معلوم ہوتا تھا، پھر پوچھا تم کون ہو، اس نے کہا ابان بن عثمان کا غلام ہوں، پوچھا باغ کس کا ہے؟ معلوم ہوا ان ہی کا ہے، فرمایا اچھا جب تک میں لوٹ نہ آؤں تم کہیں نہ جانا، یہ کہہ کر اسی وقت ابان کے پاس گئے، اور باغ اور غلام دونوں خرید کر واپس آئے، اور غلام سے کہا میں نے تم کو خرید لیا، وہ تعظیماً کھڑا ہو گیا، اور عرض کی مولائی خدا رسول، اور آقا کی خدمت گذاری کے لیے حاضر ہوں، جو حکم ہے، آپ نے فرمایا میں نے باغ بھی خرید لیا، تم خدا کی راہ میں آزاد ہو، اور باغ تم کو ہبہ کرتا ہوں، غلام پر اس کا یہ اثر پڑا کہ اس نے کہا، آپ نے مجھے جسکی راہ میں آزاد فرمایا ہے، اس کی راہ میں میں یہ باغ دیتا ہوں،[2]

اس قسم کے واقعات بہت سے ہیں، آپ کی فیاضی مشہور تھی، مدینہ میں جو حاجتمند آتا تھا، لوگ اس کو آپ ہی کے در دولت کا پتہ دیتے تھے،

---

[1] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۴ [2] ایضاً

خوش خلقی اس فیاضی کے ساتھ آپ حد درجہ خوش خلق بھی تھے، اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کی حاجت پوری فرماتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص حضرت حسینؓ کے پاس اپنی کوئی ضرورت لے کر گیا، آپ معتکف تھے، اس لیے معذرت کر دی، یہاں سے جواب پاکر وہ حضرت حسنؓ کے پاس آیا، آپ بھی معتکف تھے، مگر اعتکاف سے نکل کر اس کی حاجت پوری کر دی، لوگوں نے کہا حسینؓ نے تو اس شخص سے اعتکاف کا عذر کیا تھا، فرمایا، خدا کی راہ میں کسی بھائی کی حاجت پوری کر دینا میرے نزدیک ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے[۱]۔

ایک دن آپ طواف کر رہے تھے، اسی حالت میں ایک شخص نے آپ کو اپنی کسی ضرورت کے لیے ساتھ لے جانا چاہا، آپ طواف چھوڑ کر اس کے ساتھ ہو گئے، اور جب اس کی ضرورت پوری کر کے واپس ہوئے تو کسی حاسد نے اعتراض کیا کہ آپ طواف چھوڑ کر اس کے ساتھ چلے گئے؟ فرمایا آنحضرت صلعم کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے جاتا ہے اور اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو جانے والے کو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے، اور اگر نہیں پوری ہوتی تو بھی ایک عمرہ کا، ایسی صورت میں کس طرح نہ جاتا میں نے طواف کے بجائے پورے ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب حاصل کیا، اور پھر واپس ہو کر طواف بھی پورا کیا[۲]۔

ضبط و تحمل آنحضرت صلعم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ "حسنؓ کو میرا حلم اور میری صورت ملی ہے" حضرت حسنؓ کی ذات اس ارشاد گرامی کی مجسم تصدیق تھی، دستبرداری کے حالات میں اوپر گذر چکا ہے کہ ناآشنائے حقیقت آپ کو کن کن نازیبا کلمات سے خطاب کرتے تھے، کوئی "مذلل المومنین"، کوئی "مسود وجوہ المومنین"، کوئی "عار المومنین" کہتا، لیکن اس پیکر حلم کی

---

[۱] ابن عساکر ج ۴ تذکرہ حسینؓ۔ [۲] ایضاً

جبین پر شکن تک نہ پڑتی اور نہایت نرمی سے جواب دیتا کہ "میں ایسا نہیں ہوں، البتہ ملک کی طمع میں مسلمانوں کی خونریزی نہیں پسند کی"

مروان جمعہ کے دن منبر پر چڑھ کر برسرِ عام حضرت علیؓ پر سب وشتم کرتا تھا حضرت حسنؓ اس کی گستاخیوں کو اپنے کانوں سے سنتے اور خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ دیتے، ایک مرتبہ اس نے ایک شخص کی زبانی نہایت فحش باتیں کہلا بھیجیں، آپ نے سن کر صرف اسقدر جواب دیا کہ اس سے کہہ دینا کہ خدا کی قسم میں تم کو گالی دیکر تم پر سے دشنام دہی کا داغ نہ مٹاؤں گا، ایک دن ہم تم دونوں خدا کے حضور میں حاضر ہوں گے، اگر تم سچے ہو تو خدا تمھیں تمھاری سچائی کا بدلہ دیگا، اور اگر جھوٹے ہو تو وہ بڑا منتقم ہے[۱] ایک مرتبہ حضرت حسینؓ اور مروان میں کچھ گفتگو ہو رہی تھی مروان نے رد در رو نہایت درشت کلمات استعمال کیے، لیکن آپ سن کر خاموشی سے پی گئے[۲]

اس غیر معمولی ضبط وتحمل کا مروان جیسے شقی اور سنگدل پر بھی اثر تھا، چنانچہ آپکی وفات کے بعد آپ کے جنازہ پر روتا تھا، حضرت حسینؓ نے کہا، اب کیوں روتے ہو، تم نے ان کے ساتھ کیا کیا نہ کیا، اس نے پہاڑ کی طرف اشارہ کرکے کہا میں نے جو کچھ کیا وہ اس سے زیادہ حلیم وبرد بار کے ساتھ کیا[۳]

آپ کی زبان کبھی کسی تلخ اور فحش کلمہ سے آلودہ نہیں ہوئی، انتہائی غصہ کی حالت میں بھی وہ "رغم انفہ" یعنی تیری ناک خاک آلود ہو، سے زیادہ نہ کہتے تھے، جو عربی زبان میں بہت معمولی بات ہے، امیر معاویہؓ کا بیان ہے کہ حسنؓ کی سب سے زیادہ سخت کلامی کا نمونہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان میں اور عمرو بن عثمانؓ میں ایک زمین کے بارے میں جھگڑا ہو گیا،

---

[۱] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۸۹ [۲] ایضاً [۳] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۶،

انھوں نے ایک مفاہمت کی صورت پیش کی، مگر عمرو اس پر رضا مند نہ ہوئے، ان کے انکار پر حسن رضؓ کو غصہ آگیا، اور انھوں نے جھلاکر کہا "لیس لہ عندنا الا مار غف انفہ"[1]

کتاب الفضائل | یوں تو حضرت حسنین علیہما السلام کی ذات گرامی مجمع الفضائل تھی، لیکن آنحضرت صلعم کی غیر معمولی محبت وشفقت آپ کی کتاب فضیلت کا نمایاں باب ہے، کتب احادیث وسیر کے ابواب الفضائل ان دونوں کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں، ان میں سے کچھ فضائل نقل کیے جاتے ہیں، چونکہ آنحضرت صلعم کو دونوں بھائیوں کے ساتھ یکساں محبت تھی، اس لیے بعض امتیازی اور انفرادی فضائل کے علاوہ عموماً اور بیشتر دونوں کے فضائل اس طرح مشترک ہیں کہ ان دونوں کا جدا کرکے لکھنا مشکل ہے، اس لیے دونوں کے فضائل لکھ دیے جاتے ہیں،

آنحضرت صلعم کو اپنے تمام اہل بیت میں حضرت حسنین رضؓ سے بہت زیادہ محبت تھی، حضرت انس رضؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم فرماتے تھے، کہ اہل بیت میں مجھ کو حسن رضؓ وحسین رضؓ سب سے زیادہ محبوب ہیں[2]

آپ خدا سے بھی اپنے ان محبوبوں کے ساتھ محبت کرنے کی دعا فرماتے تھے، حضرت ابوہریرہ رضؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ قینقاع کے بازار سے لوٹا تو آپ فاطمہ رضؓ کے گھر تشریف لے گئے، اور پوچھا بچے کہاں ہیں؟ تھوڑی دیر میں دونوں دوڑتے ہوئے آئے اور رسول اللہ صلعم سے چمٹ گئے، آپ نے فرمایا خدایا میں ان کو محبوب رکھتا ہوں، اس لیے تو بھی انھیں محبوب رکھ، اور ان کے محبوب رکھنے والوں کو بھی محبوب رکھ[3]

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۶۹ [2] ترمذی فضائل حسن رضؓ وحسین رضؓ [3] مسلم کتاب الفضائل باب فضائل الحسن والحسین

دوسری روایت میں ان کا بیان ہے کہ اس شخص (حسن رض) کو اس وقت سے میں محبوب رکھتا ہوں جب سے میں نے ان کو رسول اللہ صلعم کی گود میں دیکھا، یہ ریشِ مبارک میں انگلیاں ڈال رہے تھے، اور رسول اللہ صلعم اپنی زبان ان کے منہ میں دیکر فرماتے تھے کہ خدایا میں اس کو محبوب رکھتا ہوں، اس لیے تو بھی محبوب رکھ[1]

حسن رض کو دوش مبارک پر سوار کرکے خدا سے دعا فرماتے تھے کہ خداوندا میں اس کو محبوب رکھتا ہوں، اس لیے تو بھی محبوب رکھ[2]

عبادت کے موقع پر بھی حسن رض و حسین رض کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکتے تھے، ابوہریدہ رض روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دے رہے تھے کہ اتنے میں حسن رض و حسین رض سرخ قمیص پہنے ہوئے خراماں خراماں آتے ہوئے دکھائی دیے، انھیں دیکھ کر رسول اللہ صلعم منبر سے اتر آئے، اور دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا لیا، اور فرمایا خدا نے سچ کہا ہے کہ تمھارا مال اور تمھاری اولاد فتنہ ہیں، ان دونوں بچوں کو خراماں خراماں آتے ہوئے دیکھ کر میں ضبط نہ کر سکا اور خطبہ توڑ کر ان کو اٹھا لیا[3]

حسن رض و حسین رض نماز پڑھنے کی حالت میں آپ کے ساتھ طفلانہ شوخیاں کرتے تھے، لیکن آپ نہ انھیں روکتے تھے اور نہ ان کی شوخیوں پر خفا ہوتے تھے، بلکہ ان کی طفلانہ اداؤں کو پورا کرنے میں امداد دیتے تھے، آنحضرت صلعم نماز پڑھتے وقت رکوع میں جاتے تو حسن رض و حسین رض دونوں ٹانگوں کے اندر گھس جاتے، آپ ان دونوں کے نکلنے کے لیے ٹانگیں پھیلا کر راستہ بنا دیتے،[4] آپ سجدہ میں ہوتے تو دونوں جست کرکے پشت مبارک پر بیٹھ جاتے، آپ اس وقت تک سجدہ سے سر نہ اٹھاتے، جب تک دونوں خود سے نہ اتر جاتے[5]

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ فضائل حسین رض [2] ترمذی فضائل حسن و حسین رض [3] ایضاً [4] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۹۶
[5] اصابہ ج ۲ تذکرہ حسن رض،

دوش مبارک پر سوار کرکے کھلانے کے لیے نکلتے، ایک مرتبہ آپ حسنؓ کو کندھے پر لیکر نکلے، ایک شخص نے دیکھ کر کہا، میاں صاحبزادے کیا اچھی سواری ہے، آنحضرت صلعم نے فرمایا سوار بھی تو کتنا اچھا ہے[1]۔

کبھی کبھی دونوں کو چادر میں چھپائے ہوئے باہر تشریف لاتے، اسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شب کو میں رسول اللہ صلعم کے پاس ایک ضرورت سے گیا، آپ کوئی چیز چادر میں چھپائے ہوئے تشریف لائے، میں اپنی ضرورت پوری کرچکا، تو پوچھا آپ چادر میں کیا چھپائے ہیں؟ آپ نے چادر ہٹادی تو اس میں سے حسنؓ و حسینؓ برآمد ہوئے، آپ نے فرمایا یہ دونوں میرے بچے اور میری لڑکی کے لڑکے ہیں، خدایا میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں۔ اس لیے تو بھی محبوب رکھ، اور ان کے محبوب رکھنے والوں کو بھی محبوب رکھ[2]۔

نبوت کی حیثیت کو چھوڑ کر جہاں تک رسول اللہ صلعم کی بشری حیثیت کا تعلق ہے، حسنؓ و حسینؓ کی ذات گویا ذاتِ محمدیؐ کا جزو تھی، یعلیٰ بن مرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ حسینؓ مجھ سے ہیں اور میں حسینؓ سے ہوں، جو شخص حسینؓ کو دوست رکھتا ہے خدا اس کو دوست رکھتا ہے، حسینؓ اسباط کے ایک سبط ہیں[3]۔

حسنؓ و حسینؓ کو آپ اپنے جنت کے گل خنداں فرماتے تھے، ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ حسنؓ و حسینؓ میرے جنت کے دو پھول ہیں[4]۔

حسنؓ و حسینؓ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں، حذیفہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ مغرب اور عشا کی نماز پڑھی، عشا کی نماز کے بعد آنحضرت صلعم تشریف

---

[1] ترمذی مناقب الحسن والحسین [2] ایضاً [3] ایضاً [4] بخاری کتاب المناقب، باب مناقب الحسن والحسینؓ

لے چلے، میں بھی پیچھے ہولیا، میری آواز سن کر آپ نے فرمایا، کون؟ حذیفہ! میں نے عرض کیا، جی، فرمایا خدا تمھاری اور تمھاری ماں کی مغفرت کرے، تمھاری کوئی ضرورت ہے؟ دیکھو ابھی یہ فرشتہ نازل ہوا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہ آیا تھا، اس کو خدا نے اجازت دی ہے کہ وہ مجھے سلام کہے، اور مجھے بشارت دے کہ فاطمہؓ جنت کی عورتوں کی اور حسنؓ و حسینؓ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں[۱]۔

انفرادی فضائل ان مشترک فضائل کے علاوہ حضرت حسنؓ کے کچھ امتیازی فضائل الگ ہیں جو انھیں حضرت حسینؓ سے ممتاز کرتے ہیں، ان فضائل میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے ان کے متعلق پیشین گوئی فرمائی تھی کہ "میرا یہ بیٹا سید ہے، خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا[۲]" امیر معاویہؓ سے صلح کے وقت حضرت حسنؓ نے اس پیشین گوئی کی عملی تصدیق فرمائی، ایک موقع پر فرمایا کہ "حسنؓ کو میرا حلم عطا ہوا ہے"۔

---

[۱] ترمذی مناقب الحسن والحسین [۲] مستدرک حاکم ج ۳ فضائل حسنؓ

حضرت امیر معاویہؓ

نام ونسب معاویہؓ نام، ابو عبد الرحمن کنیت، والد کا نام ابوسفیان تھا، سلسلہ نسب یہ ہے: معاویہ بن صخر (ابوسفیان) بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی اموی، ماں کا نام ہندہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف ابن قصی قرشیہ امویہ اس طرح معاویہؓ کا شجرہ پانچویں پشت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

خاندانی حالات اور اسلام ان کا خاندان بنو امیہ زمانہ جاہلیت سے قریش میں معزز و ممتاز چلا آتا تھا، ان کے والد ابوسفیان قریش کے قومی نظام میں عقاب یعنی علمبرداری کے عہدہ پر ممتاز تھے، ابوسفیان آغاز بعثت سے فتح مکہ تک اسلام کے سخت دشمن رہے، اور آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کی ایذا رسانی اور اسلام کی بیخ کنی میں کوئی امکانی کوشش باقی نہیں رکھی، اس زمانہ میں اسلام کے خلاف جس قدر تحریکیں ہوئیں ان سب میں علانیہ یا در پردہ ان کا ہاتھ ضرور ہوتا تھا، فتح مکہ کے دن ابوسفیان اور معاویہ دونوں مشرف باسلام ہوئے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہؓ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے لیکن باپ کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا، لیکن یہ روایت مسلمہ روایات کے بالکل خلاف ہے، اور اس کی تائید میں اور کوئی شہادت نہیں ملتی، اس لیے ناقابلِ اعتبار ہے، تاہم اس قدر یقینی ہے کہ ابوسفیان کی بہ نسبت

اس دشمنی کے باوجود معاویہؓ کو مسلمانوں سے کوئی خاص عناد نہ تھا، چنانچہ ان کے اسلام لانے سے پہلے بدر اور احد وغیرہ بڑے بڑے معرکے ہوئے، مگر ان میں سے کسی میں مشرکین کے ساتھ معاویہؓ کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا۔

غزوات ان کے مشرف باسلام ہونے کی خوشی میں آنحضرت صلعم نے انہیں مبارکباد دی، قبول اسلام کے بعد معاویہؓ حنین اور طائف کے غزوات میں شریک ہوئے، حنین کے مال غنیمت میں سے آنحضرت صلعم نے ان کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا عطا فرمایا تھا[1]، اسی زمانہ میں معاویہؓ کے خاندانی وقار کے لحاظ سے ان کو کتابت وحی کا جلیل القدر منصب ملا[2]۔

فتوحات شام میں معاویہؓ کی خدمت امیر معاویہؓ بالکل آخر میں اسلام لائے تھے، اس لیے آنحضرت صلعم کی زندگی میں ان کو کوئی نمایاں کارنامہ دکھانے کا موقع نہ مل سکا، آغاز حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت سے ہوتا ہے، شام کی فوج کشی میں امیر معاویہؓ کے بھائی یزید ایک دستہ کے افسر تھے، اردن کی فتح کے سلسلہ میں جب حضرت ابوعبیدہؓ سپہ سالار فوج نے عمرو بن العاصؓ کو اس کے ساحلی علاقہ پر مامور کیا اور ان کے مقابلہ کے لیے رومیوں کا انبوہ کثیر جمع ہوا، اور قیساریہ سے مددی فوجیں آگئیں تو عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ سے مزید امداد طلب کی، اس وقت انہوں نے یزید بن ابی سفیان کو روانہ کیا، اس امدادی دستہ کے مقدمۃ الجیش کی کمان معاویہؓ کے ہاتھ میں تھی، اس مہم میں انہوں نے کارہائے نمایاں دکھائے[3]، اس کے بعد اس سلسلہ کی تمام لڑائیوں میں برابر شریک ہوتے رہے، چنانچہ مرج صفر کے میدان میں جب عمرو بن العاصؓ کے بھتیجے خالدؓ شہید ہوئے تو ان کی

---

[1] ابن سعد جزو ۷ ق ۲ ص ۱۲۸ و تہذیب۔ [2] نووی ج ۱ ص ۱۰۲ [3] [illegible] فتوح البلدان بلاذری [illegible]

تلوار معاویہؓ کے قبضہ میں آئی[1]

دمشق کی تسخیر کے بعد جب یزید صیدا، عرقہ، جبیل اور بیروت وغیرہ کے ساحلی علاقہ کی طرف بڑھے، تو حضرت معاویہؓ اس پیشقدمی میں مقدمۃ الجیش کی رہبری کر رہے تھے، اور عرقہ تمام تران ہی کی کوششوں سے فتح ہوا اس کے بعد جب حضرت عمرؓ کے آخر عہد خلافت میں رومیوں نے شام کے بعض مقامات واپس لے لیے، تو معاویہؓ نے ان کو زیر کرکے دوبارہ زیر نگیں کیا[2]

مذکورۂ بالا مقامات کی تسخیر کے بعد یزید نے باقی ماندہ علاقہ پر امیر معاویہؓ کو متعین کر دیا، انھوں نے نہایت آسانی کے ساتھ تمام قلعے تسخیر کیے، اور زیادہ کشت و خون کی نوبت نہیں آنے پائی، کہیں کہیں خفیف سی جھڑپ ہو جاتی تھی، قیساریہ کی مہم حضرت عمرؓ نے خاص ان کے سپرد کی تھی، انھوں نے اسے بھی نہایت کامیابی کے ساتھ سر کیا، جب یہ قیساریہ پہنچے تو رومی کماندار ان کے سامنے آیا، دونوں میں سخت معرکہ ہوا، امیر معاویہؓ نے اسے پسپا کر دیا اور رومی شکست کھا کر شہر میں داخل ہو گئے، معاویہؓ نے قیساریہ کا محاصرہ کر لیا، رومی برابر نکل کے مقابلہ کرتے تھے، مگر ہر مرتبہ شکست کھا کر شہر میں لوٹ جاتے تھے، ایک دن آخری جنگ کے لیے بڑے جوش و خروش سے نکلے، اور ایک خونریز جنگ کے بعد بہت فاش شکست کھائی، اس معرکہ میں اسی ہزار رومی کام آئے، اور میدان امیر معاویہؓ کے ہاتھ رہا[3]

غرض معاویہؓ قریب قریب تمام معرکہ آرائیوں میں بہت ممتاز حیثیت سے شریک رہے، مگر ان کی تفصیل بہت طویل ہے،

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۶ [2] ایضاً ص ۱۳۳ [3] طبری ص ۲۳۹

سنہ ۱۸ھ میں جب امیر معاویہؓ کے بھائی یزید کا انتقال ہو گیا، تو حضرت عمرؓ ان کی ناوقت وفات سے سخت متاثر ہوئے، اور ان کی جگہ معاویہؓ کو دمشق کا عامل بنایا، اور ایک ہزار ماہانہ تنخواہ مقرر کی[1]، حضرت عمرؓ معاویہؓ کے اوصاف کی وجہ سے ان کی بڑی قدر فرماتے تھے، اور ان کے تدبیر و سیاست اور علوئے حوصلہ کی وجہ سے ان کو "کسرائے عرب" کے لقب سے یاد کرتے تھے[2] امیر معاویہؓ ۴ سال تک فاروقی عہد میں دمشق کے حکمراں رہے،

عہد عثمانی

سنہ ۲۳ھ میں جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہو گیا، اور حضرت عثمانؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو انھوں نے امیر معاویہؓ کی تجربہ کاری کی وجہ سے انھیں پورے شام کا والی بنا دیا، شام کی ولایت کے زمانہ میں انھوں نے رومیوں کے مقابلہ میں بڑی زبردست فتوحات حاصل کیں، گو حضرت عمرؓ کے عہد میں قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے تختے الٹ چکے تھے، تاہم اس وقت تک کوئی بحری حملہ نہ ہوا تھا، اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے بحری حملوں کا آغاز کیا، اور بحری قوت کو اتنی ترقی دی کہ اسلامی بحری بیڑا اس عہد کے بہترین بیڑوں میں شمار ہوتا تھا،

طرابلس الشام کی فتح

حضرت عثمانؓ نے ان کو شام کی انتظامی حکمرانی کے ساتھ جنگی اختیارات بھی دیدیے تھے، اس سے فتوحات اسلامی کو بہت فائدہ پہنچا، سرحدی رومی اکثر مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بعض سواحل پر قابض ہو گئے تھے، ان کی ریشہ دوانیوں کے سدباب کے لیے معاویہؓ نے سفیان بن مجیب الازدی کو طرابلس الشام کی فتح پر مامور کیا، انھوں نے اس سے چند میل کی مسافت پر پہلے ایک قلعہ تعمیر کیا، اور اس کا نام حصن سفیان رکھا، اور اس کو فوجی مرکز بنا کر رومیوں کے تمام بحری

---

[1] استیعاب ج ۱ ص ۲۶۰ [2] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۹۴،

اور بری ناکے بند کرکے طرابلس الشام کا محاصرہ کرلیا، رومی قلعہ بند ہوگئے، و خفیہ طور پر شہنشاہِ روم کو خط لکھا کہ ہماری امداد کے لیے فوجیں بھیجی جائیں، تاکہ ہم مسلمانوں کا مقابلہ کرسکیں، اور اگر فوجیں نہیں آسکتیں تو کم از کم کچھ کشتیاں ہی بھجوادی جائیں کہ اس حصار سے ہم کو نجات ملے، سفیان دن کو رومی قلعہ کی نگرانی کرتے تھے، اور رات کو اپنی فوج لے کر اپنے قلعہ میں چلے آتے تھے، اس لیے رومی ایک شب کو موقع پاکر نکل گئے، صبح کو مسلمان قلعہ کے پاس پہنچے تو اس کو بالکل خالی پایا، اور بلا مزاحمت قبضہ کرلیا، اس قلعہ کے قبضہ میں آجانے سے آئے دن کی بغاوتوں کا خطرہ جاتا رہا[1]۔

عموریہ پر فوج کشی اور بعض فتوحات شام کی سرحد پر عموریہ ایک پرانا شہر تھا جہاں رومیوں کے قلعے تھے، اس لیے ان کے تاخت سے شام کو محفوظ رکھنے کے لیے عموریہ کا لینا ضروری تھا، چنانچہ ۲۵ھ میں امیر معاویہؓ اس کی طرف بڑھے، راستہ میں انطاکیہ سے لیکر طرطوس تک کے تمام قلعے خالی ملے، امیر معاویہؓ نے ان سب میں شام، جزیرہ اور قنسرین سے آدمی لاکر بسائے اور ان کو آباد کرکے لوٹ آئے، اس کے ایک یا دو سال بعد یزید بن حر عبسی کو مامور کیا، انھوں نے رومیوں کے بہت سے قلعے مسمار کردیے، مگر عموریہ فتح نہ ہوا، اور اس پر فوج کشی کا سلسلہ برابر جاری رہا[2]۔

شمشاط کی فتح امیر معاویہؓ کے ان کارناموں کے صلہ میں حضرت عثمانؓ نے جزیرہ بھی ان ہی کے ماتحت کردیا، جزیرہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوچکا تھا، لیکن اس کے بعض سرحدی مقامات ملطیہ وغیرہ رومیوں کے قبضہ میں تھے، ان میں ایک مقام شمشاط بھی تھا، حضرت عثمانؓ نے ان کو شمشاط کی طرف بڑھنے کا حکم دیا، انھوں نے یہ خدمت حبیب بن مسلمہ فہری اور

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۳ [2] ایضاً ص ۱۷۰ و ابن اثیر ج ۳ ص ۷۶ مطبوعہ یورپ،

صفوان بن معطل کے سپرد کی، ان دونوں نے نہایت آسانی کے ساتھ شمشاط پر قبضہ کر لیا اور صفوان آخر عمر تک یہاں کے حاکم رہے، اور یہیں وفات بھی پائی، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ خود بھی اس مہم میں شریک تھے[1]

ملطیہ کی فتح: ملطیہ بھی ایک سرحدی مقام اور دونوں حکومتوں کے درمیان حد فاصل تھا اس لیے بحر روم میں تاخت کے لئے اس حد فاصل کو توڑنا ضروری تھا، ایک مرتبہ حبیب ابن مسلمہ فہری اس کو فتح کر چکے تھے، مگر رومیوں نے پھر اس پر قبضہ کر لیا تھا، امیر معاویہؓ نے دوبارہ حبیب کو اس کی تسخیر پر مامور کیا، انھوں نے اس کو فتح کر کے یہاں مسلمان آباد کیے، اور آیندہ جب امیر معاویہؓ ارض روم میں پیش قدمی کے ارادہ سے نکلے تو یہاں شام اور جزیرہ کے باشندوں کی چھاؤنی قائم کی، مگر بعد میں یہ مقام اس حالت پر قائم نہ رہ سکا[2]

قبرص کی فتح: بحر ابیض متوسط میں ساحل شام سے تھوڑی مسافت پر قبرص (سائپرس) نہایت سرسبز و شاداب جزیرہ ہے، اس کا رقبہ ۳۰۲۷ مربع میل ہے، یہ جزیرہ اپنی سرسبزی و شادابی، اور محفوظ مقامات کے لحاظ سے اپنے قرب وجوار میں بہت مشہور تھا، خصوصاً روئی بڑی پیداوار ہوتی تھی، اس لئے عہد فاروقی ہی سے اس پر امیر معاویہؓ کی نظر تھی، اور اس پر حملہ کے لیے انھوں نے حضرت عمرؓ سے بحری جنگ کے لیے اجازت بھی مانگی تھی، لیکن حضرت عمرؓ مسلمانوں کو بحری خطرات میں ڈالنا پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ عمرو بن العاصؓ سے بحری سفر کے حالات پوچھ بھیجے، انھوں نے تمام خطرات سے آگاہ کر دیا، اس لئے معاویہؓ کو اجازت نہ ملی، لیکن ان کا دل برابر بحری حملہ کے لیے بیتاب رہا، چنانچہ حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہونے کے بعد ان سے بھی اجازت طلب کی، پہلے انھوں نے بھی اجازت نہ دی، مگر

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۹۲، [2] ایضاً ص ۱۹۳

امیر معاویہؓ کا اصرار برابر قائم رہا، اور انھون نے بحری جنگ کی آسانیان حضرت عثمانؓ کے ذہن نشین کرکے انھیں خطرات کی جانب سے اطمینان دلا دیا، اس وقت انھون نے اس شرط پر اجازت دیدی کہ اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے جائیں، اور کسی مسلمان کو اس کی شرکت پر مجبور نہ کریں، جو شخص بطیب خاطر شریک ہونا چاہے، صرف اس کو لیا جائے، کسی پر شرکت کے لیے جبر نہ کیا جائے۔[1]

امیر معاویہؓ نے یہ تمام شرطین منظور کر لین، اور ۲۸ھ مین نہایت اہتمام کے ساتھ پہلی مرتبہ اسلامی بیڑہ بحر روم مین اترا، اور امیر معاویہؓ عبداللہ بن ابی سرح کو ساتھ لے کر قبرص پہونچے، قبرص والے نہایت نرم خو تھے، جنگ و جدال سے گھبراتے تھے، اس لیے بغیر مقابلہ کے سات ہزار دینار سالانہ پر شرائط ذیل کے ساتھ صلح کر لی (۱) سات ہزار دینار سالانہ خراج مسلمانون کو دین گے، اور اسی قدر رومیون کو دیا کرین گے مسلمانون کو اس مین کوئی اعتراض نہ ہوگا (۲) اگر قبرص پر کوئی دشمن حملہ آور ہو تو مسلمان مدافعت کے ذمہ دار نہ ہون گے (۳) اگر مسلمان رومیون پر حملہ کرنا چاہین تو قبرص والے ان کو اپنے جزیرے کے اندر سے گذرنے دین گے

لیکن اس صلح کے چار برس بعد ۳۲ھ میں جزیرہ والوں نے مسلمانون کے خلاف جنگی جہازون سے رومیون کی مدد کی اس لئے ۳۳ھ مین پھر امیر معاویہؓ پانسو ۵۰۰ جہازون کے عظیم الشان بیڑے کے ساتھ بحری حملہ کرکے قبرص کو فتح کر لیا، مگر روایات اسلامی کو قائم رکھتے ہوئے، اہل قبرص کی عہد شکنی کا کوئی انتقام نہین لیا، اور صلح کے سابق نرم شرائط قائم رکھے، لیکن چونکہ اہل قبرص ایک مرتبہ غداری کرکے اپنا اعتبار

---

[1] یہ آخری خبر طبری ص ۲۸۲۴ مین ہے،

کھو چکے تھے، اس لئے اس مرتبہ امیر معاویہؓ نے تبرص میں ۱۲ ہزار مسلمانوں کی ایک نوآبادی قائم کردی، بعلبک کے بہت سے باشندے بھی نقل مکان کرکے چلے آئے، ان مسلمانوں نے یہاں مساجد تعمیر کین اور ایک شہر بسایا۔[1]

افریقہ کی جنگ | افریقہ یعنی تونس، الجزائر اور مراکش قیصر کے زیر حکومت تھے، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں یہاں بکثرت فتوحات ہوئی تھیں، اور قیصر کے بہت سے مقبوضات اس کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے، اس لئے وہ جوش انتقام سے لبریز ہو رہا تھا، چنانچہ اس نے مسلمانوں سے انتقام اور ملک کو واپس لینے کے لئے بڑی زبردست تیاریاں کین، علامہ ابن اثیر کے بیان کے مطابق قیصر نے اس سے پہلے کبھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اتنا اہتمام نہ کیا تھا، جنگی جہازون کی تعداد چھ سو تھی۔[2] امیر معاویہؓ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح فاتح افریقہ مدافعت کے لئے بڑھے، جب دونون بیڑے بالمقابل آئے تو اتفاق سے اسلامی بیڑے کے خلاف ہوا کے نہایت تیز و تند طوفان چلنے لگے، اس لئے طرفین نے ایک شب کے لئے صلح کرلی، اور دونون اپنے اپنے مذہب کے مطابق رات بھر عبادت اور دعا، میں مصروف رہے، صبح ہوتے ہوتے رومی ہمہ تن تیار تھے، اور دونون بیڑے آپس میں مل چکے تھے، اس لئے رومیون نے فوراً حملہ کردیا، مسلمانون نے بھی برابر کا جواب دیا، سطح سمندر پر تلوارین چلنے لگین، اور اس قدر گھمسان کی جنگ ہوئی کہ سمندر کا پانی خون کی کثرت سے سرخ ہوگیا۔ رزمگاہ سے لیکر ساحل تک خون کی موجین اچھلتی تھین۔ آدمی کٹ کٹ کر سمندر مین گرتے تھے اور پانی انھین اچھال اچھال کر اوپر پھینکتا تھا،[3] یہ ہولناک منظر بڑی دیر تک قائم رہا، طرفین نہایت پامردی سے ایک دوسرے کا

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۶۰ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۹۱ [3] طبری ص ۲۸۶

مقابلہ کرتے رہے، لیکن آخر میں مسلمانوں کے عزم و ثبات اور جان بازی نے رومیوں کے پاؤں اکھاڑ دیے، اور قسطنطین نے جہاز کا لنگر اٹھا دیا۔[1]

۳۲ھ میں امیر معاویہؓ بحر روم کو عبور کرتے ہوئے تنگنائے قسطنطنیہ تک پہنچ گئے، اور ۳۳ھ میں ملطیہ کے قریب حصن المراۃ پر حملہ کیا، غرض امیر معاویہؓ اپنے زمانۂ امارت بھر رومیوں کا نہایت کامیاب مقابلہ کرتے رہے، تا آنکہ حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش شروع ہوئی اور دورِ فتن کا آغاز ہو گیا۔

دورِ فتن کا آغاز حضرت عثمانؓ اور اکابر صحابہؓ نے اپنی تمام کوششیں اس فتنہ کو فرو کرنے میں صرف کر دیں، لیکن منافقین اور خلافت اسلامیہ کے دشمنوں کی وجہ سے یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی، اور معاملات اور زیادہ پیچیدہ ہوتے گئے، اس وقت امیر معاویہؓ شام میں تھے حضرت عثمانؓ نے ان کو بلا بھیجا، یہ آئے، لیکن اس وقت شر و فتن کے شعلے قابو سے باہر ہو چکے تھے، اس لیے لوٹ گئے، اور حضرت عثمانؓ کی شہادت تک برابر شام ہی میں رہے، اس واقعۂ ہائلہ کے بعد جنگ جمل ہوئی، مگر امیر معاویہؓ نے اس میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

حضرت علیؓ کی خلافت اور امیر معاویہؓ کی مخالفت حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے، اس وقت امیر معاویہؓ بدستور شام میں تھے، جب امیر نے خلیفہ ہوتے ہی ایک سرے سے تمام عثمانی عاملوں کو معزول کر دیا، اس سلسلہ میں معاویہؓ بھی معزول ہو گئے، اور ان کی جگہ سہل بن حنیف کا تقرر ہوا، لیکن وہ آسانی سے شام کی حکومت چھوڑنے والے نہ تھے، اس لیے شام کی سرحد تبوک پر ان کے سواروں نے سہل بن حنیف کو روک کر واپس کر دیا، اس وقت حضرت علیؓ کو ان کی مخالفت کا علم ہوا۔[2]

۱؎ طبری، ص ۲۸۸۷ ۲؎ بلاذری ص ۱۵۱

حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جو اپنی تدبیر و سیاست کی وجہ سے مغیرۃ الرائے کہلاتے تھے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کو مشورہ دیا کہ اگر آپ اپنی خلافت کو استوار کرنا چاہتے ہیں تو معاویہؓ کو بھی معزول نہ کیجئے، اور ان کو ان کے عہدہ پر قائم رکھئے اور طلحہؓ اور زبیرؓ کو کوفہ اور بصرہ کا والی بنائیے، پورا تسلط ہو جانے کے بعد جو مناسب سمجھئے گا اس پر عمل کیجئے گا، آپ نے جواب دیا کہ طلحہ و زبیرؓ کے بارہ میں تو غور کروں گا لیکن معاویہؓ جب تک اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے اس وقت تک ان کو نہ کہیں کا حاکم بناؤں گا اور نہ ان سے کسی قسم کی مدد لوں گا، اس جواب سے مغیرہ مایوس اور شکستہ خاطر ہوکر امیر معاویہؓ سے مل گئے۔[1]

امیر معاویہؓ کے ادعائے خلافت کے اسباب

گو امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے، لیکن وہ نہایت مدبر اور ہوشمند تھے، اور اپنے اور حضرت علیؓ کے رتبہ کا فرق پورے طور پر سمجھتے تھے، اس لئے ان کے مقابلہ میں وہ اپنی خلافت کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ان کی حکومت پسندی اپنی معزولی بھی گوارا نہیں کر سکتی تھی، اگر حضرت علیؓ ان کو بدستور ان کے عہدہ پر قائم رہنے دیتے تو غالباً کوئی ناگوار صورت پیش نہ آتی، مگر معاویہؓ کی معزولی نے ان کو جناب امیرؑ کا مخالف بنا دیا، جہاں تک واقعات سے اندازہ ہوتا ہے، اس وقت تک امیر معاویہؓ کے دل میں خلافت کے دعویٰ کا کوئی خیال نہ پیدا ہوا تھا، بلکہ وہ حضرت علیؓ کی خلافت سے صرف اپنے عہدہ کی بحالی چاہتے تھے، لیکن حضرت علیؓ اس کے لیے بالکل آمادہ نہ تھے، امیر معاویہؓ کی خوش قسمتی سے حضرت عثمانؓ کے قاتل یا کم از کم وہ لوگ جن پر حضرت عثمانؓ کے شہید کرنے کا قوی شبہ تھا، حضرت علیؓ کی لاعلمی میں (کیونکہ اس وقت کوئی قاتل معین نہ تھا) آپ کے ساتھ ہو گئے۔

---

[1] استیعاب ج، ص ۲۵۹۔

اس وقت بحیثیت خلیفہ کے قاتلین عثمانؓ کا پتہ چلانا اور ان سے قصاص لینا، حضرت علیؓ کا فرض تھا، لیکن مسندِ خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ ایسے جھگڑوں میں مبتلا ہوگئے، کہ قاتلین کا پتہ چلانا کیا معنی نظامِ خلافت کا سنبھالنا مشکل تھا، اور قاتلوں کی تلاش کے لیے سکون و اطمینان کی ضرورت تھی، لیکن عوام اس معذوری کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اور وہ صرف حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص چاہتے تھے، اس لیے امیر معاویہؓ کو ان کے خلاف پروپگنڈے کا پورا موقع مل گیا۔

خلیفۂ مظلوم کے بیدردی کے ساتھ شہید کیے جانے اور قاتلین کے کھلے بندوں پھرنے کا واقعہ ایسا تھا کہ حضرت علیؓ کے مخالفین کیا بہت سے غیر جانبدار مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تھے، چنانچہ مصر کے ایک مقام خرنبا میں ایک جماعت حضرت علیؓ کے خلاف ہوگئی، اور جب قیس بن سعد نے ان سے حضرت علیؓ کی بیعت لینے کی کوشش کی تو ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے تاثر کی وجہ سے بیعت نہیں کی، اور اس کے قصاص کا مطالبہ کیا۔[1]

اس کے علاوہ امیر معاویہؓ کو کچھ لوگ ایسے مل گئے جنھوں نے ان کو حضرت علیؓ کے خلاف ابھارنا شروع کیا، کہ تم کو علیؓ کے خلاف اٹھنا چاہیے، کیونکہ جو قوت تم کو حاصل ہے، وہ علیؓ کو نصیب نہیں، تمھارے ساتھ ایسی فرمانبردار جماعت ہے کہ جب تم خاموش ہوتے ہو تو وہ بھی کچھ نہیں بولتی، اور جب تم کچھ کہنا چاہتے ہو تو وہ اس کو خاموشی کے ساتھ سنتی ہے، اور جو حکم دیتے ہو اس کو بے چون و چرا مان لیتی ہے، اور علیؓ کے ساتھ جو گروہ ہے وہ اس کے برعکس ہے، اس لئے تمھاری تھوڑی جماعت بھی ان کی بڑی جماعت پر

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۲۲۔

مجاری ہے[1]

غرض ان موقع اوران تائیدوں نے امیر معاویہؓ کو حضرت علیؓ کا پورا مخالف بنا دیا، لیکن حضرت علیؓ جیسے شخص کا مقابلہ ان کے لیے آسان نہ تھا، وہ اس کی دشواریوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے، اس کے لیے دہاۃ عرب کو ساتھ ملانے کی ضرورت تھی، اس وقت عرب میں معاویہؓ کے علاوہ مغیرہؓ بن شعبہ اور عمرو بن العاصؓ صاحب تدبیر و سیاست مانے جاتے تھے، یہ اس وقت فلسطین میں تھے، امیر معاویہؓ نے انھیں بلا کر اپنی مشکلات بیان کیں کہ محمد بن حنفیہ قید خانہ توڑ کر نکل گئے ہیں، قیصر روم الگ حملہ پر آمادہ ہے، اور سب سے اہم معاملہ یہ ہے کہ علیؓ نے بیعت کا مطالبہ کیا ہے، اور انکار کی صورت میں جنگ پر آمادہ ہیں، انھوں نے مشورہ دیا کہ محمد ابن حنفیہ کا تعاقب کرو، اگر مل جائیں تو فبہا ورنہ کوئی حرج نہیں، قیصر روم کے قیدی چھوڑ کر اس سے مصالحت کر لو، علیؓ کا معاملہ البتہ بہت اہم ہے، مسلمان کبھی تم کو ان کے برابر نہیں سمجھ سکتے، معاویہؓ نے کہا وہ عثمانؓ کے قتل میں معاون تھے، امتِ اسلامیہ میں پھوٹ ڈال کر فتنہ پیدا کیا، عمرو بن العاصؓ نے کہا، لیکن تمھیں سبقتِ اسلام اور قرابتِ نبوی کا شرف حاصل نہیں ہے، اور میں خواہ مخواہ تمھاری کامیابی کے لیے کیوں مدد کروں؟ معاویہؓ نے کہا تم کیا چاہتے ہو؟ عمرو بن العاص بولے "مصر"، امیر معاویہؓ نے کہا "مصر تو کسی طرح عراق سے کم نہیں"، عمرو بن العاصؓ نے کہا میں مصر کا مطالبہ اس وقت سے جب تم علیؓ کو مغلوب کر چکو گے، اور تمام دنیائے اسلام تمھارے زیر نگین ہو گی، امیر معاویہؓ کو ان کی خدمات کی بڑی ضرورت تھی، اس لیے اس گفتگو کے دوسرے دن مصر دینے کا تحریری وعدہ کر کے عمرو بن العاصؓ کو بلا لیا[2]

---

[1] اخبار الطوال ۱۶۵، [2] یعقوبی ج ۲، ۲۱۷

حضرت علیؓ کے خلاف دعوت عمرو بن العاصؓ کے مل جانے سے معاویہؓ کا بازو بہت قوی ہوگیا۔ انھوں نے ان کو مشورہ دیا کہ پہلے عمائد شام کو یہ یقین دلا کر کہ عثمانؓ کے قتل میں علیؓ کا ہاتھ شامل ہے، ان کو ان کی مخالفت پر آمادہ کرو اور سب سے پہلے شرحبیل بن سمط کندی کو جو شام کے سرپنچ بڑے بااثر آدمی ہیں، اپنا ہم خیال بناؤ، چنانچہ امیر معاویہؓ نے اس مشورہ کے مطابق عمائد شام کے دلوں میں یہ بات جمادی کہ عثمانؓ کے خون بے گناہی میں علیؓ کا ہاتھ بھی شامل ہے، اور شرحبیل بن سمط نے شام کا دورہ کرکے لوگوں کو حضرت علیؓ کے خلاف ابھارنا شروع کر دیا۔[1]

ادھر خود امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے خون آلود پیراہن اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کرکے سارے شام میں آگ لگادی، لوگ آتے تھے، اور یہ الم ناک منظر دیکھ کر زار زار روتے تھے، شامیوں نے قسم کھائی کہ جب تک وہ قاتلین عثمانؓ کو قتل نہ کرلیں گے، اس وقت تک نہ بستر پر لیٹیں گے اور نہ بیویوں کو چھوئیں گے۔[2]

مصالحت کے لیے صحابہؓ کی کوشش محتاط صحابہ اس خانہ جنگی کی تیاریاں دیکھ کر کف افسوس ملتے تھے، مشہور صحابی حضرت ابو درداءؓ اور حضرت ابو امامہؓ باہلی سے مسلمانوں کی یہ بدبختی نہ دیکھی گئی، چنانچہ دونوں بزرگوں نے امیر معاویہؓ کے پاس جاکر ان سے کہا کہ علیؓ تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں، تم پھر کیوں ان سے لڑتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا، عثمانؓ کے قصاص کے لیے، ان لوگوں نے کہا، کیا ان کو علیؓ نے قتل کیا ہے؟ کہا اگر قتل نہیں کیا ہے تو قاتلین کو پناہ دی ہے، اگر وہ ان کو ہمارے حوالہ کر دیں تو ہم سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۶۸، ۱۶۹ [2] طبری ج ۷ ص ۳۲۵

بیعت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ مطالبہ سنکر یہ دونوں بزرگ حضرت علیؓ کے پاس گئے
اور ان سے صورتِ حال بیان کی، امیر معاویہؓ کا یہ مطالبہ سنکر حضرت علیؓ کی فوج سے بیس
ہزار آدمی نکل آئے، اور نعرہ لگایا کہ "ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں" حضرت ابو درداؓ اور حضرت ابو
امامہؓ نے یہ رنگ دیکھا تو مایوس ہوکر ساحلی علاقہ کیطرف نکل گئے، اور پھر کسی قسم کی کوشش نہیں کی۔[۱]

جنگ صفین | اس سلسلہ میں امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان خط وکتابت بھی ہوئی،
مگر کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا، اور طرفین کی فوجیں میدانِ جنگ میں آگئیں، اس خوں ریز
جنگ کا سلسلہ مدتوں جاری رہا۔

لیلۃ الہریر[۲] کی قیامت خیز صبح کو جس میں ہزاروں بچے یتیم ہزاروں عورتیں بیوہ
ہوگئیں امیر معاویہؓ اور علی مرتضیٰؓ اپنی پوری قوت کیساتھ میدان میں نکلے، اور دونوں قوتیں
اس شدت کیساتھ ٹکرائیں کہ صفین کا میدان کشتوں کی کثرت سے بھر گیا، لاشوں پہ لاشیں گرتی
تھیں، ہاتھ پاؤں اور سر کٹ کٹ کر خزاں رسیدہ پتوں کی طرح اڑتے تھے، خون تھا کہ امنڈا امنڈ کے
برستا تھا، اور مسلمانوں کی ۳۰ سالہ قوت اس طرح آپسمیں ٹکرا کر پاش پاش ہو رہی تھی،

اس خون ریز اور ہولناک معرکہ کے بعد جنگ دوسرے دن کے لیے ملتوی ہوگئی، اور
طرفین نے اپنے اپنے مقتولین دفنائے، اس جنگ میں شامی فوج کا پایہ اتنا کمزور ہوگیا تھا کہ
آئندہ میدان میں اس کے ٹھہرنے کی کوئی امید باقی نہ تھی، رومی علیحدہ امیر معاویہؓ پر حملہ
کرنے پر آمادہ تھے، اس لیے انھوں نے عمرو بن العاصؓ سے مشورہ کیا، انھوں نے کہا میں نے
اس دن کیلئے پہلے ہی سے ایک تدبیر سوچ رکھی تھی، جو کسی طرح پٹ نہیں پڑ سکتی ہے،

---

[۱] اخبار الطوال ص ۱۸۱ ہم نے مختصراً جستہ جستہ واقعات نقل کیے ہیں، کیونکہ ان واقعات کی تطویل اور
تسلسل بیان سے کوئی فائدہ نہیں [۲] جنگ صفین کے سلسلے کے ایک خونریز معرکہ کا نام،

وہ یہ کہ لوگ میدان جنگ میں قرآن کے حکم بنانے کا اعلان کریں، اس تدبیر سے عراقیوں میں اس نے رد و قبول دونوں حالتوں میں تفرقہ پڑ جائے گا، چنانچہ دوسرے دن جب شامی فوج میدان میں آئی تو اس شان سے کہ دمشق کا مصحف اعظم پانچ نیزوں پر آگے آگے تھا اور اس کے پیچھے سیکڑوں قرآن نیزوں پر آویزاں تھے، اور شامی "ہم قرآن کو حکم بناتے ہیں" کے نعرے لگا رہے تھے، عمرو بن العاص رض کی یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی، اس سے عراقیوں میں پھوٹ پڑ گئی، انھوں نے کہا کہ ہم کو قرآن کا فیصلہ ماننا چاہیے حضرت علی رض اور بعض دور بیں و عاقبت اندیش لوگ ان کو سمجھاتے رہے کہ یہ سب فریب ہے، لیکن عراقیوں نے ایک نہ سنی اور برابر یہی اصرار کرتے تھے کہ ہم کو قرآن کا فیصلہ ماننا چاہیے، طبری کی ایک روایت کے مطابق تو ان کا اصرار اتنا بڑھ گیا تھا کہ انھوں نے حضرت علی رض کو دھمکی دی کہ اگر قرآن کا فیصلہ مسترد کیا گیا، تو تمھارا بھی وہی حشر ہوگا جو عثمان رض کا ہو چکا ہے،[1]

تحکیم | غرض عراقیوں کی اس ضد اور ناسمجھی پر حضرت علی رض کو چار و ناچار یہ فریب آمیز فیصلہ ماننا پڑا، اور طرفین نے بڑی رد و قدح کے بعد عمرو بن العاص رض اور ابو موسیٰ اشعری رض کو حکم بنایا کہ یہ دونوں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے رو سے جو فیصلہ کر دیں وہ فریقین کیلئے واجب التسلیم ہوگا. چنانچہ دونوں نے صلاح و مشورہ کے بعد امیر معاویہ رض اور حضرت علی رض دونوں کے معزول کرنے کا فیصلہ کیا، اور مجمع عام میں اس کو سنانے کا یہ فیصلہ کیا

پہلے حضرت ابو موسیٰ اشعری رض نے کھڑے ہو کر کہا کہ "برادران اسلام! ہم دونوں بڑے غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ امت محمدی کے اتحاد اور اس کی اصلاح کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ علی رض اور معاویہ رض دونوں کو معزول کر کے عام مسلمانوں کو از سر نو خلیفہ کے

---

[1] طبری ۳۳۳۰،

انتخاب کا حق دیدیا جائے، اس لئے میں دونوں کو معزول کر کے آپ لوگوں کو اختیار دیتا ہوں کہ از سر نو جسے چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کریں۔"

ان کے بعد عمرو بن العاصؓ کھڑے ہوئے اور ان الفاظ میں اپنا فیصلہ سنایا کہ "صاحبو! آپ لوگوں نے ابو موسیٰؓ کا فیصلہ سن لیا، انھوں نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا، میں بھی علیؓ کو معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں، کیونکہ وہ عثمانؓ کے ولی اور ان کے خون کے حقدار ہیں، اس لئے وہ ان کی نیابت کے زیادہ مستحق ہیں،"

اس فیصلے سے مجمع میں سناٹا چھا گیا، شریح بن ہانی نے عمرو بن العاصؓ کو مارنے کے لئے کوڑا اٹھایا، اور قریب تھا کہ ایک مرتبہ پھر تلواریں میان سے نکل آئیں، اور دومۃ الجندل کا میدان صفین کا نمونہ بن جائے، مگر ابو موسیٰؓ مکہ روانہ ہو گئے، اور لوگوں نے معاملہ کو رفع دفع کر دیا۔[۱]

خارجیوں کا ظہور: ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ ایسا تھا جس کو حضرت علیؓ کسی طرح قبول نہ کر سکتے تھے، اسلئے آپ نے پھر معاویہؓ سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں، لیکن اسی درمیان میں ان سے بھی بڑا خارجیوں کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا، یہ لوگ کہتے تھے کہ مذہبی معاملات میں کسی انسان کو حکم بنانا کفر ہے، اس لئے معاویہؓ اور علیؓ دونوں نعوذ باللہ کافر ہیں، اور جو لوگ اس عقیدے کے منکر ہوں وہ بھی کافر ہیں، رفتہ رفتہ اس جماعت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا، اور اس کی قوت اتنی بڑھی کہ حضرت علیؓ کے حدود حکومت میں لوٹ مار شروع کر دی، اسلئے حضرت علیؓ فی الحال معاویہؓ کے مقابلہ کا خیال ملتوی کر کے ان کی سرکوبی کے لئے نہروان کی طرف بڑھے، اور اس سلسلہ میں ان میں اور خارجیوں میں بڑے بڑے معرکے ہوئے لیکن ان سے

۱؎ اخبار الطوال ۲۱۲ تا ۲۱۴،

ہم کو تعلق نہیں، اس لیے ان کا حال قلم انداز کیا جاتا ہے،

نہروان سے حضرت علیؓ کی واپسی اور شیعیان علیؓ کی جنگ سے پہلو تہی

خوارج کا فتنہ فرو کرنے کے بعد جب حضرت علیؓ نہروان سے واپس ہوئے تو پھر فوج کو امیر معاویہؓ کے مقابلہ کے لئے تیاری کا حکم دیا، ان لوگوں نے عذر کیا کہ امیر المومنین ہمارے ترکش خالی ہو گئے تلواریں کھٹلی ہو گئیں، اور نیزوں کی انیاں ٹوٹ گئیں اور بہت سے لوگ واپس جا چکے، اسلئے ہم کو وطن پہونچ کر از سر نو تیاری کا موقع دیا جائے، تاکہ ہم پھر سے اپنی قوت مجتمع کر کے دشمن کے مقابلہ کے لائق ہو سکیں، اس عذر پر حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر مقام نخیلہ میں قیام کیا، یہاں پہونچنے کے بعد مقابلہ کی تیاریوں کے بجائے آپ کے ساتھی آہستہ آہستہ فوج سے نکل کر اپنے اپنے گھروں کا راستہ لینے لگے، اور آپ کے ساتھ صرف مخصوص جماعت باقی رہ گئی، اس لئے آپ نے فی الحال معاویہؓ سے مقابلہ کا خیال ترک کر دیا[1]

حضرت علیؓ کی ایک سیاسی فروگذاشت

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مصری بالکل غیر جانبدار ہو گئے تھے، اور امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کسی کی اطاعت قبول نہ کی تھی، چنانچہ جنگ صفین میں انھوں نے دونوں میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیا تھا، جنگ صفین کے بعد حضرت قیس بن سعد انصاری نے جو یہاں کے حاکم اور حضرت علیؓ کے ہوا خواہ تھے، نہایت ہوشیاری اور خوبصورتی کے ساتھ مصر سے حضرت علیؓ کی بیعت لے لی تھی، صرف خربتا کے باشندوں نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے بہت متاثر تھے، بیعت نہ کی تھی، حضرت قیسؓ نے مصلحتِ وقت کے لحاظ سے ان پر جبر بھی نہیں کیا، بلکہ کہلا دیا کہ تم کو انکار ہے تو ہم مجبور بھی نہیں کرتے، اس نرمی و ملاطفت کا یہ نتیجہ ہوا کہ خربتا والوں نے خروج

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۹۲، ۲۹۳،

دینے میں کوئی تامل نہیں کیا،

قیس حضرت علیؓ کے مقابلہ میں امیر معاویہؓ کے قدیم مخالف تھے، چنانچہ جنگ صفین کے قبل جب انھوں نے اور مدبرین کو ملانا چاہا تو قیس کو بھی خط لکھا تھا، کہ اگر قاتلین عثمانؓ کا ساتھ چھوڑ کر میرے ساتھ آجاؤ، تو عراق کی حکومت تمہارے لئے مخصوص کردی جائے گی، اور حجاز کی حکومت پر تمہیں اختیار ہوگا، اپنے جس عزیز کو چاہو مقرر کرنا، اس کے علاوہ تمہارے اور جو مطالبات ہوں گے وہ بھی پورے کئے جائیں گے، اگر تمہیں یہ باتیں منظور ہوں تو جواب دو، قیس بہت عاقبت اندیش آدمی تھے، اس لئے صاف جواب دینے کے بجائے گول جواب دیا کہ یہ معاملہ بہت اہم ہے، اس لئے ابھی جواب نہیں دے سکتا، امیر معاویہؓ کو یہ خط ملا تو وہ ان کی نیت سمجھ گئے، چنانچہ دوبارہ خط لکھا کہ تم اس گول جواب سے مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو، میرا جیسا شخص تمہارے فریب میں نہیں آسکتا، قیس کو یہ تحریر ملی، تو بہت برہم ہوئے، اور کھل کر اپنے دلی خیالات لکھ بھیجے کہ تمہاری عقل پر مجھ کو حیرت ہے، تم مجھ کو ایک حق گو، حق پرست، مستحق خلافت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار کا ساتھ چھوڑ کر ایک کاذب، گمراہ، گمراہ زادہ کی حمایت کی دعوت دیتے ہو"

اس تحریر کے بعد جب امیر معاویہؓ کو ان سے بالکل مایوسی ہوگئی تو انھوں نے قیس کو زک دینے کے لیے اپنے حامیوں سے کہنا شروع کیا کہ قیس کو برا نہ کہو وہ ہمارے ہمدرد ہیں، اور ہمارے پاس برابر ان کے خفیہ خطوط آتے رہتے ہیں، دیکھو ہمارے ہم خیال خربتا والوں کے ساتھ ان کا [illegible] وظیفے برابر جاری ہیں، اس عام شہرت دینے کے ساتھ ہی قیس کی جانب سے ایک فرضی خط بھی جس میں حضرت عثمانؓ کے قصاص پر پسندیدگی کا اظہار تھا، پڑھ کر سنا دیا،

محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر کے کانوں میں اس کی خبر پہونچی تو انہوں نے حضرت علیؓ کو اسکی اطلاع دی حضرت علیؓ کے جاسوسوں نے بھی اس کی تصدیق کردی، اتفاق سے اسی زمانہ میں حضرت علیؓ کے پاس قیس کا ایک خط آیا کہ خربتا والے بیعت نہیں کرتے ہیں، مگر میں ان پر سختی کرنا مناسب نہیں سمجھتا، حضرت علیؓ کے طرفداروں کو قیس کی جانب سے جو مشتبہ ہوگیا تھا، وہ اس خط سے اور زیادہ قوی ہوگیا، چنانچہ محمد بن جعفر نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ فوراً ان مفسدوں (اہل خربتا) کی سرکوبی کا فرمان جاری کیجئے، ان کی توجہ دلانے پر آپ نے اسی وقت قیس کے نام حکم جاری کردیا، قیس نے جواب لکھا کہ آپ ایسے لوگوں کو چھیڑنے کا کیوں حکم دیتے ہیں، جو کسی طرف عملی حصہ نہیں لے رہے ہیں، اگر آپکی طرف سے ذرا بھی سختی ہوئی تو یہ سب برگشتہ ہوجائیں گے، میرا مشورہ قبول کیجئے اور ان کو سردست ان کی حالت پر چھوڑ دیجئے، لیکن حضرت علیؓ نے ان کا مشورہ ناقابل قبول سمجھا، اور محمد بن جعفر کے اصرار سے محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کرکے بھیج دیا،[1]

مصر میں حضرت علیؓ کی مخالفت گو یہ حکم قیس کی مرضی کے بالکل خلاف تھا، اور اس سے ان کی بڑی سبکی ہوئی تھی، تاہم وہ حضرت علیؓ کے سچے خیر خواہ تھے، اس لیے بے چون وچرا مصر محمد بن ابی بکر کے حوالہ کردیا، اور تمام نشیب وفراز سمجھا کر اپنی پالیسی واضح کردی، لیکن وہ کمسن اور ناتجربہ کار تھے، جوانی کا جوش تھا، آتے ہی خربتا والوں پر فوج کشی کردی، یہ لوگ بڑے شجاع اور بہادر تھے، اس لیے ابن ابی بکر کو فاش شکست ہوئی، اس سخت گیر پالیسی سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ پہلے صرف ایک قریہ کے لوگ حضرت علیؓ

---

[1] دیکھو ابن اثیر ج ۳ ص ۲۲۱ حالات ولایت قیس بن سعد،

کے مخالف تھے، محمد بن ابی بکر نے اپنے طرزِ عمل سے اوروں کو بھی مخالف بنا کر امیر معاویہؓ کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیدیا، چنانچہ معاویہؓ بن خدیج کندی نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے متاثر تھے، مصر میں آپ کے قصاص کی دعوت شروع کر دی، اس طرح مصر کی فضا مسموم ہو گئی[1]، حضرت علیؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اشتر نخعی کو لکھا کہ تم مصر جا کر اس کا نظام سنبھالو، یہ حکم ملتے ہی اشتر روانہ ہو گئے، مگر کہا جاتا ہے کہ امیر معاویہؓ کے اشارے سے راستہ ہی میں ان کا کام تمام کر دیا گیا۔

مصر پر امیر معاویہؓ کا قبضہ | اشتر کی موت کے بعد امیر معاویہؓ نے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کندی سے مصر کی فوج کشی کے متعلق خط و کتابت کی، انھوں نے امداد کے لیے پوری آمادگی ظاہر کی، اور لکھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو فوراً آؤ ہم سب تمھارے منتظر ہیں، انشاء اللہ تم کو ضرور کامیابی ہوگی، اس جواب کے بعد امیر معاویہؓ نے اپنے مشیروں کے مشورہ سے عمرو بن العاصؓ کو ۶ ہزار فوج دے کر مصر روانہ کر دیا، یہاں عثمانی گروہ پہلے سے موجود تھا، اس نے مصر کے باہر اس فوج کا استقبال کیا، عمرو بن العاصؓ نے حملہ کرنے سے قبل محمد بن ابی بکر کو لکھا کہ مصر والے تمھارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں، تم میرے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے، اس لیے میں دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ میرے مقابلہ سے باز آؤ، اور مصر خالی کر دو، میں خواہ مخواہ تمھارے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کرنا نہیں چاہتا۔ محمد بن ابی بکر نے یہ خط حضرت علیؓ کے پاس بھیج دیا، وہاں سے مقابلہ کا حکم آیا، چنانچہ محمد بن ابی بکر مقابلہ کے لیے بڑھے، مصر کے مشہور بہادر کنانہ بن بشر مقدمۃ الجیش کی کمان کر رہے تھے، انھوں نے عمرو بن العاصؓ کا نہایت پرزور مقابلہ کیا، جب حریف

---

[1] طبری ص ۳۳۹۲،

کردیتے تھے، میدان صاف ہوجاتا تھا، عمرو بن العاص رضؓ نے یہ رنگ دیکھا، تو معاویہ بن خدیج سکونی کو اشارہ کیا، انھوں نے کنانہ کو گھیر لیا، اور شامیوں نے ہر طرف سے ٹوٹ کر قتل کردیا، ان کے گرتے ہی مصریوں کے پاؤں اکھڑ گئے، محمد بن ابی بکر شکست کے آثار دیکھ کر روپوش ہوچکے تھے، معاویہ بن خدیج نے ان کو ڈھونڈھ نکالا، اور وہ نہایت بے دردی سے قتل کردیے گئے، ان کے قتل کے بعد مصر پر معاویہ رضؓ کا قبضہ ہوگیا[1]۔

حضرت علی رضؓ کی مقبوضات پر معاویہ رضؓ کی پیش قدمیاں

سنہ ۳۸ھ میں مصر پر قبضہ ہوا سنہ ۳۹ھ میں امیر معاویہ رضؓ نے حضرت علی رضؓ کے دوسرے مقبوضہ مقامات کی طرف پیش قدمی شروع کردی، ان میں سے بعض مقامات پر کامیابی ہوئی، اور بعض میں ناکامی، طبری اور ابن اثیر نے ان کے تفصیلی حالات لکھے ہیں، ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

سب سے اول امیر معاویہ رضؓ کے عامل نعمان بن بشیر نے ایک شخص کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر روانہ کیا، مالک بن کعب حضرت علی رضؓ کی جانب سے یہاں کے حاکم تھے، انھوں نے نعمان کو شکست دی، اس کے بعد سفیان بن عوف ۶ ہزار کی جمعیت کے ساتھ بڑھے، اور انبار و مدائن پر حملہ کرنے کے لئے ہیت پر تاخت کرتے ہوئے انبار پہونچے، اور یہاں کے حفاظتی دستہ کے افسر اشرس بن حسان کو قتل کرکے کل مال و متاع لوٹ لیا، حضرت علی رضؓ کو خبر ہوئی تو آپ خود نکلے، اور سعید بن قیس کو حملہ آوروں کے تعاقب میں روانہ کیا، مگر شامی نکل چکے تھے، پھر عبداللہ بن مسعدہ فزاری تیماء کے اہل بادیہ، حجاز، مکہ اور مدینہ کے باشندوں سے صدقہ وصول کرنے کے لیے بڑھے، حضرت علی رضؓ کی جانب سے مسیب بن نجبہ ان کے مقابلہ کو بڑھے،

---

[1] طبری ج ۶ واقعات سنہ ۳۸ھ ملخصاً،

تیمار میں دونوں کا مقابلہ ہوا، عبداللہ بن مسعدہ زخمی ہوکر قلعہ بند ہو گئے، مسیب نے قلعہ گھیر کر قلعہ میں آگ لگا دی، لیکن پھر ان کے امان طلب کرنے کے بعد بجھوا دی اور شامی لوٹ گئے

اس کے بعد ضحاک بن قیس تین ہزار سپاہ لے کر واقصہ کے نشیبی علاقہ میں حضرت علیؓ کے باجگذار دہقانیوں پر تاخت کرتے ہوئے تعلبیہ پہنچے، اور یہاں کے عاملی دستہ کو لوٹ کر قطقطانہ کا رخ کیا، اور عمرو بن عمیش سے جو فوجی سواروں کے ساتھ حج کو جارہے تھے، مزاحم ہوئے اور ان کا سامان لوٹ کر روک دیا، حضرت علیؓ کو خبر ہوئی تو انھوں نے حجر بن عدی کو مقابلہ کے لیے بھیجا، تدمر میں ان دونوں کا مقابلہ ہوا اور شامی لوٹ گئے۔

پھر ۳۹ھ میں امیر معاویہؓ نے یزید بن شجرہ رہاوی کو مکہ میں اپنی بیعت لینے اور وہاں سے علوی عمال کو نکالنے کے لیے امیر الحج بنا کر بھیجا، اس وقت قثم بن عباس یہاں کے عامل تھے، ان کو خبر ہوئی تو اہل مکہ کو یزید کے مقابلہ کے لیے ابھارا، لیکن شیبہ بن عثمان کے سوا کوئی آمادہ نہ ہوا، اس لیے قثم نے حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع دی، اور خود مکہ چھوڑ کر کسی گھاٹی میں چلے جانے کا قصد کیا، لیکن حضرت ابو سعید خدریؓ نے روک دیا، اسی درمیان میں ریان بن ضمرہ امدادی فوج لے کر پہنچ گئے، ادھر شامیوں نے اعلان کر دیا کہ ہم حرم کے امن و امان میں خلل انداز ہونا نہیں چاہتے، ہم یہاں صرف اسی شخص کے مقابلہ میں تلوار اٹھائیں گے، جو ہم سے کسی قسم کا تعرض کرے گا، اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے درخواست کی کہ ہم حرم میں تفریق ناپسند کرتے ہیں، اس لیے آپ کسی ایسے شخص کو امیر الحج مقرر کر دیجئے، جس پر طرفین متفق ہوں، ان کی درخواست پر ابو سعیدؓ نے قثم کو ہٹا دیا، اور شیبہ بن عثمان نے امارت حج کے فرائض انجام دیے، شامی فوج حج کرکے لوٹ گئی، اس کے لوٹنے کے بعد دار الخلافہ سے دوسری عراقی فوج مکہ پہنچی، اس نے

شامیوں کا تعاقب کیا، اور وادی القریٰ تک آگے چند شامیوں کو پکڑ لیا، لیکن کچھ عراقی
امیر معاویہؓ کے یہاں محبوس تھے، اس لیے طرفین نے قیدیوں کا تبادلہ کر لیا،

اسی سنہ میں امیر معاویہؓ نے عبدالرحمن بن قباث بن اشیم کو جزیرہ روانہ کیا یہاں
کے حاکم شبیب بن عامر نے فوراً نصیبین سے کمیل بن زیاد کو اطلاع دی، یہ ۶۰۰ سوار لیکر
مقابلہ کو نکلے، اور عبدالرحمن کو فاش شکست دی، اسی درمیان میں شبیب خود بھی پہنچ گئے،
مگر شامی واپس جا چکے تھے، شبیب نے بعلبک تک ان کا تعاقب کیا، امیر معاویہؓ نے دوبارہ
حبیب بن مسلمہ فہری کو ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا، مگر حبیب کے آتے آتے شبیب واپس
ہو چکے تھے۔

اسی سنہ میں زہیر بن مکحول، امیر شام کی جانب سے صدقات وصول کرنے کے لیے
آئے، حضرت علیؓ نے کلب اور بکر بن وائل سے صدقہ وصول کرنے کے لیے جعفر بن عبداللہ
کو بھیجا تھا، سماوہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا اس معرکہ میں جعفر مارے گئے،

دومۃ الجندل کے باشندے اب تک غیر جانبدار تھے، اس لیے امیر معاویہؓ نے
مسلم بن عقبہ مری کو ان سے بیعت لینے کے لیے بھیجا، حضرت علیؓ کو خبر ہوئی تو انھوں نے
اپنی بیعت کے لیے مالک بن کعب ہمدانی کو بھیجا، انھوں نے آتے ہی مسلم پر حملہ کر دیا اور
ایک سال مسلسل مقابلہ کرکے ان کو شکست دی، شکست دینے کے بعد دومۃ الجندل
والوں سے بیعت لینی چاہی، لیکن انھوں نے جواب دیا کہ جب تک کسی ایک امام پر
اتفاق نہ ہو جائے گا، اس وقت تک ہم کسی کی بیعت نہ کریں گے، ان کے اس جواب
پر مالک نے زیادہ اصرار نہ کیا، اور لوٹ گئے۔

ابھی تک حجاز مقدس جس کی حکومت سے خلافت کا فیصلہ ہوتا تھا جناب امیرؓ کے

قبضہ میں تھا، سنہ ۴۰ھ میں امیر معاویہؓ نے مشہور جفاکار بسر بن ابی ارطاۃ کو حجاز و یمن کی بیعت لینے پر مامور کیا، حضرت ابو ایوبؓ انصاری حضرت علیؓ کی جانب سے مدینہ کے حاکم تھے، انھوں نے شامیوں کا رخ مدینہ کی طرف دیکھا تو حرم نبویؐ کی حرمت کے خیال سے مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے گئے، مدینہ پہنچنے کے بعد بسر نے منبر پر چڑھ کر اعلان کیا کہ ہمارے شیخ عثمان کہاں ہیں؟ خدا کی قسم اگر میں معاویہؓ سے عہد نہ کر چکا ہوتا، تو مدینہ میں ایک جوان بھی زندہ نہ چھوڑتا، جبتک تم لوگ جابر بن عبداللہ کو میرے حوالہ نہ کروگے اس وقت تک تم پر امن و امان کے دروازے بند رہیں گے، جابر بن عبداللہ نے یہ اعلان سنا تو چھپ کر حضرت ام سلمہؓ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ اگر امیر معاویہؓ کی بیعت کرتا ہوں تو گمراہی کی بیعت ہے اور اگر نہیں کرتا تو جان جاتی ہے، حضرت ام سلمہؓ نے بیعت کر لینے کا مشورہ دیا، اور ان کے مشورہ پر انھوں نے بیعت کر لی، بسر نے اہل مدینہ کے دلوں میں خوف پیدا کرنے کے لیے بعض گھروں کو ڈھا دیا، یہاں سے فارغ ہونے کے بعد مکہ پہنچا، یہاں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اس کے ظلم و جور سے بہت گھبرائے، لیکن اس نے اطمینان دلا دیا کہ میں کسی صحابی کو قتل نہ کروں گا۔

مکہ کے معاملات درست کرنے کے بعد یہاں سے یمن کی طرف بڑھا، یہاں کے عامل عبیداللہ بن عباس کو خبر ہوئی تو وہ عبداللہ بن عبدالمدان کو اپنا قائم مقام بنا کر کوفہ چلے گئے، بسر نے یمن پہنچ کر پہلے عبداللہ کا کام تمام کیا، پھر تمام شیعیان علیؓ کے قتل عام کا حکم دیا، عبیداللہ بن عباس کے دو شیر خوار بچے بھی یمن میں تھے، لیکن بسر کے ظلم و جور سے یہ معصوم بھی زندہ نہ بچے، یمن میں سکہ بٹھانے کے بعد یہ ستم شعار سنگدل شام لوٹ گیا، حضرت علیؓ کو اس کی ستم آرائیوں کی اطلاع ملی تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود

کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا، اس وقت بسر نجران میں تھا، اس لیے یہ دونوں سیدھے نجران آئے، بسر نکل کے بھاگا، اور جاریہ اور وہب نے انتقام میں بہت سے عثمانیوں کو قتل کرا کے ان کے گھروں میں آگ لگوا دی، اور بسر کا تعاقب کرتے ہوئے مکہ پہنچے، اور یہاں کے باشندوں سے حضرت علیؓ کی بیعت لیکر پھر مدینہ جاکر بیعت لی۔[1]

اس سلسلِ خانہ جنگی سے گھبرا کر حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے ۴۰ھ میں صلح کرلی، اس صلح کی رو سے شام کا علاقہ امیر معاویہؓ کو ملا اور عراق حضرت علیؓ کے حصہ میں رہا، اور یہ شرط قرار پائی کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے علاقہ میں دست اندازی نہ کریگا۔[2]

امیر معاویہؓ پر قاتلانہ حملہ ان پیہم خانہ جنگیوں اور کشت و خون سے مسلمانوں کی ایک جماعت کو خیال پیدا ہوا کہ امت اسلامیہ کی خونریزی اور اس کے افتراق و پراگندگی کی ساری ذمہ داری معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ اور علیؓ کے سر ہے، اس لیے اگر تینوں کا قصہ پاک کر دیا جائے تو مسلمانوں کو اس مصیبت عظمیٰ سے نجات مل جائے گی، چنانچہ برک بن عبداللہ، ابن ملجم اور عمرو ابن بکر نے علی الترتیب تینوں اشخاص کے قتل کرنے کا بیڑا اٹھایا، اور ایک ہی شب میں اپنے اپنے شکار پر خفیہ حملہ آور ہوئے، ابن ملجم نے حضرت علیؓ کو شہید کر دیا، عمرو بن بکر عمرو ابن العاصؓ پر حملہ آور ہوا، اس دن ان کے بجائے دوسرا شخص نماز پڑھانے کے لیے نکلا تھا، ان کے دھوکے میں وہ مارا گیا، اور عمرو بن العاصؓ بچ گئے، برک بن عبداللہ نے امیر معاویہؓ پر حملہ کیا اور وہ زخمی ہوئے، حاجب و دربان ساتھ تھے، قاتل فوراً گرفتار کر کے اسی وقت قتل کر دیا گیا، اور امیر معاویہؓ علاج سے شفایاب ہو گئے، اسی دن سے

---

[1] یہ تمام واقعات مجملاً طبری و ابن اثیر ۳۸ھ تا ۴۰ھ سے ماخوذ ہیں۔

[2] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۲۴،

انھوں نے اپنی حفاظت کے لیے مسجد میں مقصورہ[1] بنوایا۔ اور رات میں حفاظت کے لیے ایک دستہ مقرر کیا۔

حضرت حسنؓ کا استخلاف حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ خلیفہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ جو واقعات پیش آئے، اور جس طرح آپ امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے اُس کے تفصیلی حالات اوپر گذر چکے ہیں،

اس صلح کے بعد امیر معاویہؓ سارے عالم اسلامی کے مسلمہ خلیفہ ہو گئے، لیکن ابھی انکے دوسرے حریف خارجی جابجا شورش برپا کئے ہوئے تھے، اس لئے امیر معاویہؓ نے امام حسنؓ سے مصالحت کے بعد ان کی طرف توجہ کی، اور عرصہ تک ان کا قلع قمع کرتے رہے۔ ان لڑائیوں کی تفصیل لاحاصل ہے، اس لیے انھیں قلم انداز کیا جاتا ہے،

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت سے حضرت حسنؓ کی دستبرداری تک باہم خانہ جنگیوں کی وجہ سے نظام خلافت درہم برہم ہو گیا تھا، ملک کے مختلف حصوں میں جابجا شورشیں برپا ہو رہی تھیں، اس لیے امیر معاویہؓ نے خارجیوں کی سرکوبی کے ساتھ امن و امان کے قیام کی طرف توجہ کی، اس سلسلہ میں سرحدی علاقوں میں بہت سی جدید فتوحات بھی ہوئیں۔

ہراۃ وغیرہ کی بغاوت ۴۱ھ میں بلخ، ہراۃ، بوشنج اور باذغیس میں بغاوت رونما ہوئی، مشرقی ممالک کے والی عبد اللہ بن عامر نے ان بغاوتوں کے تدارک کے لیے قیس بن ہثیم کو خراسان کی ولایت پر مامور کیا۔ چنانچہ یہ خراسان سے بلخ پہنچے، اور یہاں کے باشندوں

---

[1] وہ چھوٹا سا قبہ نما حجرہ جس میں نماز کے وقت خلفاء بیٹھا کرتے تھے، اس کی ابتدا امیر معاویہؓ نے کی، ان کے بعد دوسرے خلفاء نے بھی حفاظت کے خیال سے اس کو قائم رکھا۔

سے اطاعت قبول کرا کے مشہور آتشکدہ نوبہار کو مسمار کر دیا، ان کے بعد عبداللہ بن حازم نے ہراۃ، بوشنج اور باذغیس والوں کو مطیع بنا لیا[1]

کابل کی بغاوت کابل اور اس کا ملحقہ علاقہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتح ہو چکا تھا، ۴۳ھ میں یہاں کے باشندوں نے بغاوت برپا کی، عبداللہ بن عامر نے عبدالرحمن بن سمرہ کو سجستان کا حاکم بنا کر بغاوت کے فرد کرنے پر مامور کیا، چنانچہ یہ سجستان سے چل کر باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے کابل پہنچے، اور کابل کا محاصرہ کر کے آتش باری کے ذریعہ شہر پناہ کی دیواریں شق کر دیں، عباد بن حصین رات بھر شگاف کی نگرانی کرتے رہے کہ دشمن اس کو پُر نہ کر دیں، صبح کو شہر والوں نے میدان میں نکل کر مقابلہ کیا، مگر شکست کھائی، اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے، یہ ابن اثیر کا بیان ہے، یعقوبی کے بیان کے مطابق شہر پناہ کے دربان نے رشوت لیکر دروازہ کھول دیا تھا[2]

زران اور غزنہ کی فتوحات کابل کی بغاوت فرد کرنے کے بعد مسلمانوں نے بست کو فتح کیا، پھر زران کی طرف بڑھے، یہاں کے باشندوں نے ان کا رخ دیکھ کر پہلے سے شہر خالی کر دیا تھا، اس لیے یہاں جنگ کی نوبت نہیں آئی، اور زران سے طخارستان کی طرف بڑھے یہاں کے باشندوں نے بھی سپر ڈالدی، زران کے بعد رخج کا رخ کیا اور یہاں کے باشندوں کو ایک سخت معرکہ کے بعد فاش شکست دے کر پھر غزنہ کی طرف چلے، غزنویوں نے پورا مقابلہ کیا، مگر ناکام رہے، اور سجستان سے لیکر غزنہ تک پورا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گیا[3]

غور کی بغاوت ۴۷ھ میں غور میں غور کے باشندوں نے مرتد ہو کر بغاوت برپا کر دی؛ ان

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۵۰ [2] ایضاً ص ۳۶۶ و یعقوبی ج ۲ ص ۲۵۸ [3] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۶۶

بغاوت کو حکم بن عمرو غفاری نے فرو کر کے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔[1]

کوہستانی خراسان کی فتوحات سنہ ۵۴ھ میں عبید اللہ بن زیاد خراسان کا والی بنایا گیا۔ اس وقت اس کی عمر کل ۲۵ سال کی تھی، لیکن اس نوعمری کے باوجود خراسان کے دشوار گذار کوہستانی علاقہ کو اونٹ کے ذریعہ عبور کر کے رامنی، نسف اور بیکند پر اسلامی پرچم لہرایا۔ اس جنگ میں ترکوں کی ملکہ ساتھ تھی، اس کی ایک جوتی چھوٹ گئی تھی جو مسلمانوں کے ہاتھ لگی، اس کی قیمت کا اندازہ دو لاکھ درہم تھا۔[2]

ترکستان کی فتوحات عبید اللہ کے بعد سعید بن عثمان کا تقرر ہوا۔ یہ فوج لے کر جیحون کو عبور کر کے قبق خاتون کی طرف بڑھے، ایک مرتبہ اس کو مسلمانوں کی طاقت کا تجربہ ہو چکا تھا اس لیے اس مرتبہ صلح کر لی، لیکن ترک، سغد، کش اور نسف کے باشندے ایک لاکھ بیس ہزار کی تعداد میں مقابلہ کے لیے نکلے، بخارا میں دونوں کا مقابلہ ہوا، اس وقت قبق خاتون کو صلح کر لینے پر ندامت ہوئی اور اس نے معاہدہ توڑ دیا، مگر ایک ترکی غلام ان لوگوں کا ساتھ چھوڑ کر اپنی جماعت لے کر چلا گیا، اس کے چلے جانے سے باقی لوگوں میں بددلی اور کمزوری پیدا ہو گئی، قبق خاتون نے ان ہی لوگوں کے بل پر صلح توڑ دی تھی، اس لیے ان کی پراگندگی کے بعد پھر صلح کر لی، اور سعید بخارا میں داخل ہو گئے، بخارا کے بعد سعید سمرقند کی طرف بڑھے، اس مہم میں قبق خاتون نے مسلمانوں کی امداد کی، سمرقند پہنچ کر سعید نے باب سمرقند پر فوجیں ٹھہرائیں اور قسم کھائی کہ جب تک اس کو فتح نہ کر لیں گے اس وقت تک یہاں سے نہ ٹلیں گے، تیسرے دن تک اہل سمرقند کا مقابلہ کرتے رہے۔ تیر اندازی کا مقابلہ تھا، تیسرے دن اس شدت

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۸۰ [2] ایضاً ص ۳۹۴ و طبری ص ۱۶۹ بلاذری کا بیان اس سے مختلف ہے،

سے جنگ ہوئی کہ سعید بن عثمان اور مہلب بن ابی صفرہ کی ایک آنکھ تیر کے صدمہ سے ضائع ہو گئی، سمرقند والے بھی بہت زخمی ہوئے، لیکن شہر سے باہر نہ نکلے، اسی درمیان میں ایک شخص نے آکر اس محل کا راستہ بتا دیا جس میں شہزادے اور عمائد شہر قیام پذیر تھے، مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کر لیا، جب اہل شہر کو یقین ہو گیا کہ شہر مسلمانوں کے قبضہ سے نہیں بچ سکتا، اور اس صورت میں زیادہ کشت وخون ہوگا، تو انھوں نے ان شرائط پر صلح کر لی کہ اہل سمرقند سات لاکھ درہم سالانہ خراج دیں گے، اور نقضِ عہد کے خطرہ کے انسداد کے لیے مسلمان عمائد سمرقند کے چند لڑکے بطورِ ضمانت لیں گے، اور ایک مرتبہ سمرقند کے ایک دروازہ سے داخل ہو کر دوسرے دروازہ سے نکل جائیں گے، اس صلح کے بعد ترمذ کی طرف بڑھے، لیکن یہاں کے باشندوں نے بلا مقابلہ صلح کر لی۔[1]

سندھ کی فتوحات حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں سندھ پر حملہ ہو چکا تھا، سنہ ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ ملتان اور کابل کے درمیان بنہ اور اہواز کی طرف بڑھے اور دشمنوں سے مقابلہ کیا، پھر قیقان (کوکن) کا رخ کیا، یہاں ترک شہسواروں سے مقابلہ ہوا، ان سب کو مسلمانوں نے قتل کر دیا، اس کے بعد عبداللہ بن عامر نے عبداللہ بن سوار عبدی کو یہاں کے اسلامی مقبوضات اور ہندوستان کی سرحد کا حاکم مقرر کیا، انھوں نے قیقان پر حملہ کر کے مال غنیمت حاصل کیا، ان میں مشہور قیقانی گھوڑے بھی تھے، عبداللہ بن سوار یہ تحائف لے کر امیر معاویہؓ کے پاس گئے، اور کچھ دن قیام کر کے پھر قیقان آئے، لیکن ترکوں نے ان کو شہید کر دیا، اس کے بعد سنان بن سلمہ ہذلی ان کی جگہ مقرر ہوئے انھوں نے مکران فتح کیا، اور قیام کر کے یہیں نظامِ حکومت قائم کیا، ان کے بعد

---

[1] بلاذری ص ۴۱۷، طبری کا بیان اس سے مختلف ہے۔

راشد بن عمرو ازدی حاکم ہوئے، انھوں نے مکران ہوتے ہوئے پھر قیقان پر حملہ کیا اور فتحیاب ہونے کے بعد مید پر حملہ آور ہوئے، اس حملہ میں یہ کام آگئے، ان کے قتل ہونے کے بعد سنان بن سلمہ ان کے قائم مقام ہوئے، یہ یہاں دو سال تک مقیم رہے، سنان کے بعد عباد بن زیاد سجستان کے راستہ سے ہندوستان کی سرحد کی طرف بڑھے اور سنارود سے رود کے کنارہ ہند مند ہوتے ہوئے کش پہنچے، اور پھر رود کو پار کر کے قندھار پر حملہ کیا، قندھاریوں نے مقابلہ کیا، بہت سے مسلمانوں کی قربانی کے بعد قندھار فتح ہو گیا، قندھار کی فتح کے بعد زیاد نے منذر بن جارود کو سرحد کا حاکم مقرر کیا، انھوں نے بوقان اور قیقان پر حملہ کر کے سارے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں، قصدار کو سنان فتح کر چکے تھے، لیکن اہل قصدار باغی ہو گئے تھے، اس لیے منذر نے دوبارہ اس کو فتح کیا، ان کے بعد حری بن حری باہلی حاکم ہوئے، انھوں نے بڑی بڑی معرکہ آرائیوں کے بعد بہت سی آبادیاں تسخیر کیں اور سندھ کے بڑے علاقہ پر اسلامی پھریرا لہرا گیا[۱]

رومیوں سے معرکہ آرائیاں امیر معاویہؓ کے عہد میں مغربی قوموں سے بھی نبرد آزمائیاں ہوئیں، اور شہنشاہ روم کے بہت سے ایشیائی اور یورپی مقبوضات پر اسلامی علم نصب ہوا، امیر معاویہؓ کی مستقل خلافت کے بعد سب سے پہلے ۴۲ھ میں رومیوں سے مقابلہ ہوا، رومیوں نے فاش شکست کھائی، اور ان کے بطریقوں کی بڑی تعداد کام آئی[۲]

بحری لڑائیاں پھر ۴۴ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے صاحبزادے عبد الرحمن نے رومیوں سے متعدد کامیاب معرکہ آرائیاں کیں، اور بسر بن ابی ارطاۃ بحر روم میں اسلامی بیڑے دوڑاتا رہا، پھر ۴۹ھ میں مالک بن ہبیرہ رومیوں سے نبرد آزما ہوئے اور فضالہ بن

---

[۱] بلاذری ص ۴۳۹ و ۴۴۰۔ [۲] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۵۲،

عبید نے خرہ فتح کرکے بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا، پھر یزید بن شجرہ رہاوی نے بحری تاخت کی، ۴۷ھ میں عقبہ بن عامر مصری فوج کے ساتھ بحری مہموں میں مشغول رہے، لیکن ان مہموں کی حیثیت فاتحانہ نہ تھی، بلکہ زیادہ تر رومیوں کو دھمکانا اور آیندہ مستقل حملوں کے لیے مناسب مواقع کی تلاش اور اپنی مدافعت مقصود تھی،

قسطنطنیہ پر حملہ امیر معاویہؓ اور رومیوں کی لڑائیوں میں قسطنطنیہ پر حملہ تاریخی اہمیت رکھتا ہے، اس زمانہ میں قسطنطنیہ کل مشرقی یورپ کا مرکز تھا، اس پر ضرب پڑنے سے پورے مشرقی یورپ پر اثر پڑتا تھا، امیر معاویہؓ کو بحری بیڑوں کا بڑا شوق تھا، ان کے اسی شوق کی بدولت ان کے عہد میں بحر روم اسلامی بیڑوں کا جولانگاہ بن گیا تھا، امیر معاویہؓ یہ چاہتے تھے کہ بحر روم کے تمام جزائر پر قبضہ کرکے بحر روم کے اس حصہ کو جو اناطولیہ، شام اور مصر سے گھرا ہوا ہے، بالکل محفوظ کردیں، تاکہ افریقہ اور ایشیا کے وہ مقبوضات جو بحر روم کے ساحلی علاقہ پر ہیں، رومیوں کے حملہ سے محفوظ ہوجائیں،

اس سلسلے میں انھوں نے ۴۹ھ میں بڑے سازوسامان کے ساتھ ایک لشکر جرار سفیان بن عوفؓ کی ماتحتی میں قسطنطنیہ روانہ کیا، اس میں حضرت ابو ایوبؓ انصاری، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ جیسے اکابر صحابہ شامل تھے، تاکہ آنحضرت صلعم کی اس بشارت کے مطابق کہ کیا اچھی وہ فوج ہوگی اور کیا اچھا وہ امیر ہوگا جو ہرقل کے شہر پر حملہ آور ہوگا، قسطنطنیہ کے حملہ میں شرکت کی سعادت حاصل کرسکیں، غرض یہ بیڑا بحر روم کی موجوں سے کھیلتا ہوا باسفورس میں داخل ہوا، قسطنطنیہ رومیوں کا بڑا اہم مرکز تھا، اس لیے ان لوگوں نے پوری مدافعت کی اور مسلمانوں سے بڑی زبردست جنگ ہوئی، عبدالعزیز بن زرارہ کلبی کا جوشِ شہادت اتنا بڑھا ہوا تھا، کہ وہ رجز پڑھتے جاتے تھے اور

لہ طبری کے بیان کے مطابق یزید بن معاویہؓ اس فوج کا امیر تھا، ج، ص ۸۶۔

شہادت کی تمنا میں آگے بڑھے جاتے تھے لیکن ناکام رہتے تھے، جب انھوں نے دیکھا کہ یہ سعادتِ عظمیٰ رہی جاتی ہے، تو بے دھڑک اپنے قریب کی رومی صف میں گھستے چلے گئے اور رومیوں نے نیزوں سے چھید کر شہید کر دیا[1] حضرت ابو ایوب رضؓ انصاری نے بھی اس مہم میں وفات پائی، وفات سے پہلے یزید نے پوچھا کہ کوئی وصیت ہو تو ارشاد ہو اس کی تعمیل کی جائے، فرمایا، دشمن کی سرزمین سے جہاں تک لے جاسکو لیجا کر دفن کرنا، چنانچہ اس وصیت پر عمل کیا گیا، اور میزبانِ رسولؐ کی لاش رات کو شعل کی روشنی میں قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے لیجا کر دفن کی گئی[2] صبح کو رومیوں نے پوچھا تم لوگ رات کو کیا کر رہے تھے؟ مسلمانوں نے جواب دیا کہ اپنے نبیؐ کے ایک بڑے ساتھی کو دفن کر رہے تھے، لیکن یہ یاد رکھو کہ اگر تم نے قبر کھود دی تو عرب میں کبھی ناقوس نہ بج سکے گا[3] قسطنطنیہ میں آج تک آپ کا مزار مبارک زیارت گاہِ خلائق ہے، "ترجمانِ حقیقت" نے اسی تاریخی حقیقت کو ان اشعار میں بیان کیا ہے۔

تربتِ ایوب انصاریؓ سے آتی ہے صدا

اے مسلمان ملتِ اسلام کا دل ہے یہ شہر

سیکڑوں صدیوں کے کشت و خون کا حاصل ہے یہ

امیر معاویہؓ کے زمانہ میں کوئی سال رومیوں کے ساتھ نبرد آزمائی سے خالی نہیں گیا، ہر موسم گرما میں جب موسم اعتدال پر ہوتا تھا مسلمان کبھی ایشیا اور کبھی یورپ میں ان سے مقابلہ کرتے تھے، ان کے عہد میں بحرِ روم کے متعدد جزیرے اسلام کے زیرِ نگیں ہوئے،

رودس کی فتح | اس سلسلہ میں سب سے اول ۵۳ھ میں جنادہ بن ابی امیہ نے رودس پر حملہ

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۸۱ [2] استیعاب ج ۲ ص ۲۳۸ [3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۳ و ۲۴

کیا، روڈس بحر روم میں اناطولیہ کے قریب جنوب مغرب میں نہایت سرسبز و شاداب جزیرہ ہے، زیتون، انگور اور ہر قسم کے پھل یہاں بکثرت ہوتے تھے، جنادہ بن ابی امیہ نے ۵۳ھ میں اس کو فتح کیا اور امیر معاویہؓ نے یہاں بہت سے مسلمان آباد کیے[1]

ارواڈ کی فتح پھر ۵۴ھ میں ایک دوسرے جزیرہ ارواڈ کو جو قسطنطنیہ کے قریب ہے فتح کیا، امیر معاویہؓ نے یہاں بھی مسلمانوں کی نوآبادی قائم کی، ارواڈ کی فتح میں جنادہ کے ساتھ مجاہد کی کوششیں بھی شریک تھیں، اسی زمانہ میں صقلیہ پر بھی حملہ ہوا، لیکن فتح نہ ہو سکا اور عباسیوں نے یہاں علم نصب کیا۔[2]

یزید کی ولیعہدی مغیرہ بن شعبہ امیر معاویہؓ کے بڑے ہمدرد و بہی خواہ تھے، انھوں نے ان کے سامنے یزید کی ولیعہدی کی تجویز پیش کی، امیر معاویہؓ نے اس قیصری اور کسریٰ بدعت کو بہت پسند کیا، لیکن اسے عملی جامہ پہنانے میں چند در چند مذہبی اور پولٹیکل دقتیں حائل تھیں، اسلام کا نظام شوریٰ پر ہے، خلفاء اکابر مہاجرین و انصار کے مشورہ سے منتخب ہوتے تھے، اس لیے مسلمان موروثی بادشاہت سے بالکل نا آشنا تھے، گو اس زمانہ میں اکابر صحابہ کی بڑی جماعت اٹھ چکی تھی، تاہم بعض جانشینانِ بساطِ نبوت موجود تھے، اس لیے قطع نظر توارث کی بدعت کے، صلاحیت اور اہلیت کے اعتبار سے بھی ان صحابہ کے ہوتے ہوئے خلافت کے لیے یزید کا نام کسی طرح نہیں لیا جا سکتا تھا، اور گو عہد رسالت کے بعد اور نظام خلافت کی برہمی کی وجہ سے مسلمانوں کا مذہبی جذبہ کسی حد تک سرد پڑ چکا تھا تاہم ابھی خلافت راشدہ کے نظام کو دیکھنے والے موجود تھے، اور عجمی شاہ پرستی ان میں پیدا نہ ہوئی تھی، اور اتنے کھلے ہوئے خطا و صواب میں حق باطل کی تمیز باقی تھی، کہ یزید کا نام خلافت

---

[1] بلاذری ص ۲۴۴ [2] معجم البلدان ذکر ارواڈ، [؟] ایضاً

کے لیے پیش کیا جاتا، اور مسلمان اس کو آسانی سے قبول کر لیتے، اس لیے امیر معاویہؓ کو پہلے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں تامل ہوا، لیکن کچھ یزید کی محبت اور کچھ اپنے نزدیک مسلمانوں کو خانہ جنگی سے بچانے اور ان کی مرکزیت کو مستحکم کرنے کے خیال سے تمام پہلوؤں اور دشواریوں کو نظر انداز کر کے یزید کی ولیعہدی کا فیصلہ کر لیا، اس وقت مذہبی اور پولٹیکل حیثیت سے مسلمانوں کے تین مرکز تھے، جن کی رضامندی پر انتخاب خلیفہ کا دارومدار تھا، مذہبی حیثیت سے حجاز اور پولٹیکل حیثیت سے کوفہ اور بصرہ، امیر معاویہؓ نے ولیعہدی کے فیصلہ کے بعد ان تینوں مقاموں میں یزید کی ولیعہدی کی بیعت کی ذمہ داری علی الترتیب مروان بن حکم، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن ابی سفیان کے سپرد کی، مغیرہ اور زیاد نے حسن تدبیر سے کوفہ اور بصرہ کو درست کر لیا، اور یہاں کے عمائد کے وفود نے امیر معاویہؓ کے پاس جا کر یزید کی ولیعہدی تسلیم کر لی، قلب اسلام حجاز تھا، اگرچہ اس وقت یہاں بھی عہد رسالت کی بہار ختم اور مذہبی روح مضمحل ہو چکی تھی، اکابر صحابہ اٹھ چکے تھے، جو باقیات الصالحات رہ گئے تھے وہ بھی گمنام گوشوں میں پڑے تھے، لیکن ان بزرگوں کی اولادیں جنھیں خود بھی شرف صحبت حاصل تھا، موجود تھے، اور ان میں حق گوئی اور صداقت کا جوہر پورے طور پر موجود تھا، ان میں عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت حسینؓ اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نمایاں حیثیت رکھتے تھے، خصوصاً اول الذکر تینوں بزرگ اپنے اسلاف کرام کا نمونہ تھے، اس لیے جب مروان نے ان کے سامنے یزید کی ولیعہدی کا مسئلہ پیش کیا اور کہا کہ امیر المومنین معاویہؓ چاہتے تھے کہ ابوبکرؓ وعمرؓ کی طرح اپنے لڑکے یزید کو خلافت کے لیے نامزد کر جائیں، تو عبدالرحمنؓ نے برملا ٹوکا کہ یہ ابوبکرؓ وعمرؓ کی سنت نہیں بلکہ کسریٰ وقیصر کی سنت ہے، ان دونوں میں سے کسی نے بھی اپنے لڑکے کو ولیعہد نہیں بنایا، بلکہ اپنے خاندان تک کو

اس سے دور رکھا[1]، ان کے بعد اور تینوں بزرگوں نے بھی اس سے اختلاف کیا مروان نے یہ رنگ دیکھا تو امیر معاویہؓ کو اس کی اطلاع دی، چنانچہ یہ خود آئے اور مکہ مدینہ والوں سے بیعت کا مطالبہ کیا، اس بارہ میں کہ امیر معاویہؓ نے بیعت کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا تھا، مورخین کے بیانات مختلف ہیں، طبری کی روایت ہے کہ ان کے آنے کے بعد ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابن عباسؓ، ابن ابی بکرؓ اور حسینؓ کے علاوہ سبھوں نے بیعت کرلی، بیعت عام کے بعد پھر انھوں نے فرداً فرداً سب سے نہایت نرمی و ملاطفت کے ساتھ کہا کہ تم پانچوں کے سوا سب نے بیعت کرلی ہے، اور تمھاری قیادت میں یہ چھوٹی جماعت مخالفت کررہی ہے، ان کے اس اعتراض پر ان لوگوں نے جواب دیا کہ اگر عامۂ مسلمین بیعت کرلیں گے تو ہمیں بھی کوئی عذر نہ ہوگا، اس جواب پر امیر معاویہؓ نے پھر ان لوگوں سے کوئی اصرار نہیں کیا، البتہ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سے سخت گفتگو ہوگئی[2]۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ جب امیر معاویہؓ نے ان لوگوں کو بلا بھیجا تو انھوں نے امیر معاویہؓ سے گفتگو کرنے کے لیے ابن زبیرؓ کو اپنا نمایندہ بنایا، معاویہؓ نے ان سے کہا کہ میرا جو طرز عمل تم لوگوں کے ساتھ ہے، اور جس قدر تمھارے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں اور تمھاری جتنی باتیں برداشت کرتا ہوں، وہ سب تم کو معلوم ہیں، یزید تمھارا بھائی اور ابن عم ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اس کو صرف خلیفہ کا لقب دیدو، باقی عمال کا عزل و نصب، خراج کی تحصیل وصول اور اس کا صرف تم لوگوں کے اختیار میں ہوگا، اور وہ اس میں مطلق مزاحمت نہ کریگا اس پر ابن زبیرؓ نے کہا کہ آنحضرت صلعم سے لے کر عمرؓ تک جو جو طریقے انتخاب خلیفہ کے تھے، ان میں جو بھی آپ اختیار کریں، اس کے قبول کرنے کے لیے ہم تیار ہیں،

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۹۵ [2] طبری ص ۱۷۷

باقی ان کے علاوہ اور کوئی جدید طریقہ نہیں قبول کر سکتے، امیر معاویہؓ نے یہ جواب سنا تو ان سب کو دھمکا کر بیعت لے لی، اور ان کو عام مسلمانوں کے سامنے لاکر کہا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے سربر آوردہ اشخاص ہیں، انھوں نے بیعت کرلی ہے، اس لیے اب تم لوگوں کو بھی توقف نہ کرنا چاہیئے، امیر معاویہؓ کے اس کہنے پر یہ لوگ خاموش رہے، اس لیے عوام نے بھی بیعت کرلی[1] غرض کسی نہ کسی طرح ۵۶ھ میں امیر معاویہؓ نے یزید کی بیعت لے کر نظام خلافت کا خاتمہ کر دیا،

امیر معاویہؓ کی آخری تقریر اور علالت ۵۹ھ میں امیر معاویہؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، عرصہ سے ان کے قویٰ مضمحل ہو چکے تھے، طاقت جسمانی جواب دے چکی تھی اسلیے مرض الموت سے پہلے وہ اکثر موت کے منتظر رہا کرتے تھے، چنانچہ بیماری سے کچھ دنوں پہلے انھوں نے حسب ذیل تقریر کی تھی،

"لوگو میں اس کھیتی کی طرح ہوں جو کٹنے کے لیے تیار ہو، میں نے تم لوگوں پر اتنی طویل مدت تک حکومت کی کہ میں بھی اس سے تھک گیا، اور غالباً تم لوگ بھی تھک گئے ہوگے، اب مجھے تم سے جدا ہونے کی تمنا ہے، اور غالباً تم کو بھی یہی آرزو ہوگی، میرے بعد آنے والا مجھ سے بہتر نہ ہوگا، جیسا کہ میں اپنے پیشرو سے بہتر نہیں ہوں، کہا جاتا ہے کہ جو شخص خدا سے ملنے کی تمنا کرتا ہے، خدا بھی اس سے ملنے کا متمنی رہتا ہے، اس لیے خدایا! اب مجھ کو تجھ سے ملنے کی آرزو ہے، تو بھی آغوش پھیلانے اور ملاقات میں برکت عطا فرما، اس تقریر کے چند ہی دنوں کے بعد بیمار پڑ گئے[2]،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۲۲، اس موقع پر ہم نے ابن زبیرؓ اور معاویہؓ کی گفتگو کا خلاصہ لکھا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ تفصیلی گفتگو ابن زبیرؓ کے حالات میں لکھی جائے گی، ابن اثیر نے یہ واقعہ ۵۶ھ میں لکھا ہے، جو صحیح نہیں، اس لیے کہ مغیرہ بن شعبہ کا انتقال بالاتفاق ۵۰ھ میں ہو چکا تھا۔ [2] ابن اثیر ج ۴ ص ۲،

اس وقت عمر کی اٹھتر[۸] منزلیں طے کر چکے تھے، وقت آخر ہو چکا تھا، اس لیے علاج و معالجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوا، روز بروز حالت گرتی گئی، اسی حالت میں ایک دن حمام کیا، جسم زار پر نظر پڑی تو بے اختیار آنسو نکل آئے اور یہ شعر زبان پر جاری ہو گیا،

اری اللیالی اسرعت فی نقضی　　　اخذن بعضی وترکن بعضی

لیکن اس وقت بھی حاکمانہ تیور نہ بدلے، اور آن بان میں فرق نہ آنے دیا، چنانچہ جب مرض زیادہ بڑھا، اور لوگوں میں اس کا چرچا ہونے لگا، تو ایک دن تیل اور سرمہ وغیرہ لگا کر سنبھل کے بیٹھے اور لوگوں کو طلب کیا، سب حاضر ہوئے اور کھڑے کھڑے مل کر واپس گئے، لوگ اس آن بان میں دیکھ کر کہنے لگے کہ معاویہؓ تو بالکل صحیح اور تندرست ہیں۔

یزید کو وصیت حالت جب زیادہ نازک ہوئی، تو یزید کو بلا کر کہا[۱]، کہ جان پدر! میں نے تمہاری راہ کے تمام کانٹے ہٹا کر تمہارے لیے راستہ صاف کر دیا ہے، اور دشمنوں کو زیر کر کے سارے عرب کی گردنیں جھکا دی ہیں، اور تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے جمع نہ کیا ہوگا، اب میں تم کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ اہل حجاز کا ہمیشہ لحاظ رکھنا، کہ وہ تمہاری اصل و بنیاد ہیں، اس لیے جو حجازی تمہارے پاس آئے اس سے حسن سلوک سے پیش آنا اور اس کی پوری عزت کرنا اور احسان کرنا اور جو نہ آئے اس کی خبر گیری کرتے رہنا، عراق والوں کی ہر خواہش پوری کرنا، حتی کہ اگر وہ روزانہ عاملوں کی تبدیلی کا مطالبہ کریں تو بھی اس کو پورا کرنا کیونکہ عاملوں کا تبادلہ تلوار کے بے نیام ہونے سے زیادہ بہتر ہے، شامیوں کو اپنا مشیر کار بنانا، اور ان کا خیال ہر حال میں ملحوظ رکھنا،

---

[۱] اس وصیت کے متعلق مورخین کے بیان میں اختلاف ہے، بعض لکھتے ہیں کہ معاویہؓ نے خود یزید کو بلا کر وصیت کی تھی اور بعضوں کے نزدیک یزید اس وقت موجود نہ تھا، اس لیے اپنے ندیم خاص ضحاک بن قیس فہری کو لکھوا کر دی تھی کہ وہ ان کے بعد یزید کے حوالہ کر دے۔

اور جب تمھارا کوئی دشمن تمھارے مقابلہ میں کھڑا ہو تو ان سے مدد لینا، لیکن کامیابی کے بعد ان کو فوراً واپس بلا لینا، کیونکہ اگر یہ لوگ وہاں زیادہ مقیم رہ گئے تو ان کے اخلاق بدل جائیں گے، سب سے اہم معاملہ خلافت کا ہے، اس میں حسین رضہ بن علی رضہ، عبداللہ بن عمر رضہ، عبدالرحمن رضہ بن ابی بکر رضہ اور عبداللہ بن زبیر رضہ کے علاوہ اور کوئی تمھارا حریف نہیں ہے، لیکن عبداللہ بن عمر رضہ سے کوئی خطرہ نہیں، انھیں زہد و عبادت کے علاوہ اور کسی چیز سے واسطہ نہیں، جب اور تمام مسلمین کی بیعت کے بعد ان کو بھی کوئی عذر نہ ہوگا، عبدالرحمن ابن ابی بکر رضہ میں کوئی ذاتی ہمت اور حوصلہ نہیں ہے، جو ان کے ساتھی کریں گے اس کے وہ بھی پیرو ہو جائیں گے۔ البتہ حسین رضہ کی جانب سے خطرہ ہے، ان کو عراق والے تمھارے مقابلہ میں لاکر چھوڑیں گے، اس لیے جب وہ تمھارے مقابلہ میں آئیں اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگذر سے کام لینا، کیونکہ وہ قرابت دار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ہیں۔ البتہ جو شخص لومڑی کی طرح کاوا دیکر شیر کی طرح حملہ آور ہوگا وہ عبداللہ بن زبیر رضہ ہیں، اس لیے اگر وہ صلح کریں تو صلح کر لینا، ورنہ موقع اور قابو پانے کے بعد ان کو ہرگز نہ چھوڑنا، ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا[1]

اپنے متعلق وصیتیں اس وصیت کے بعد اہل خاندان کو وصیت کی کہ خدا کا خوف کرتے رہیں کیونکہ خدا خوف کرنے والوں کو مصائب سے بچاتا ہے، جو خدا سے نہیں ڈرتا اس کا کوئی مددگار نہیں، پھر اپنے آدھے مال بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیا[2] اور تجہیز وتکفین کے متعلق ہدایت کی کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کرتہ مرحمت فرمایا تھا، وہ اسی دن کے لیے محفوظ رکھا ہے، اور آپ کے ناخن اور موئے مبارک شیشہ میں

---

[1] یہ وصیت طبری اور الفخری کے بیان کا خلاصہ ہے، دیکھو طبری ج ۷ ص ۱۹۶ و ۱۹۷، فخری ص ۱۰۲، [2] طبقات ج

محفوظ ہیں، مجھے اس کرتہ میں کفنانا اور ناخن اور موئے مبارک کو آنکھوں اور منہ کے اندر رکھ دینا شاید خدا اسی کے طفیل میں اور اسکی برکت سے میری مغفرت فرما دے۔[1]

وفات | ان وصیتوں کے بعد عرب کے اس مدبر اعظم نے رجب ۶۰ھ میں جان جاں آفرین کے سپرد کی، وفات کے بعد ضحاک بن قیس ہاتھوں میں کفن لیے ہوئے باہر آئے، اور لوگوں کو ان الفاظ میں ان کی وفات کی خبر دی، لوگو! معاویہؓ عرب کی لکڑی اور اس کی دھار تھے، خدا نے ان کے ذریعہ سے فتنہ فرد کیا، شہروں کو فتح کرایا اور لوگوں پر انھیں حکمران بنایا، آج وہ اس دنیا سے اٹھ گئے، یہ دیکھو ان کا کفن ہے، اسی میں ہم انھیں لپیٹ کر قبر میں دفن کریں گے، اور ان کا فیصلہ ان کے اعمال پر چھوڑیں گے، جو شخص جنازہ میں شرکت کرنا چاہتا ہے وہ آئے،[2] اس اعلان کے بعد تجہیز و تکفین عمل میں آئی، ضحاک نے نماز جنازہ پڑھائی، اور معاویہؓ دمشق کی زمین میں سپرد خاک کئے گئے، مدت حکومت ۱۹ سال تین مہینہ،

حلیہ | حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، رنگ گورا سفید، داڑھی میں مہندی کا خضاب کرتے تھے،

ازواج و اولاد | امیر معاویہؓ کے متعدد بیویاں تھیں ایک میسون بنت بجدل، ان کے بطن سے یزید اور ایک بچی امتہ رب المشارق تھی، دوسری بیوی فاختہ بنت قرظہ تھیں، جن کے بطن سے عبد الرحمن اور عبد اللہ تھے، معلوم ہوتا ہے کہ عبد الرحمن ان کی زندگی میں مر چکے تھے، عبد اللہ نہایت بے وقوف اور بزدل آدمی تھا، اس لیے وہ نمایاں طور پر کہیں نہیں نظر آتا، ان کے علاوہ نائلہ اور کتوہ تھیں، لیکن نائلہ کو طلاق دیدی تھی،

کارنامہائے زندگی | امیر معاویہؓ کو جو چیز دوسرے اموی خلفاء سے ممتاز کرتی ہے وہ انکی

---

[1] استیعاب ج اول ۲۶۲ [2] طبری ج ۷، ص ۲۰۲

بے نظیر تدبیر و سیاست اور قوتِ نظم تھی، امیر معاویہؓ اموی سلسلہ کے سب سے پہلے بادشاہ تھے اور ان ہی کے ہاتھوں بنو امیہ کی بنیاد پڑی تھی، اس لیے عام اصول کے اعتبار سے ان کا دورِ حکومت بالکل ابتدائی، سادہ اور غیر مکمل ہونا چاہیے تھا، لیکن اس آغاز کے باوجود وہ ترقی یافتہ حکومت کا ایک مکمل اور جامع نمونہ تھا، ان کے بعد کے آنے والے خلفاء کا دور بعض انفرادی اوصاف و خصوصیات میں تو ان کے دور سے ممتاز ہے، لیکن مجموعی حیثیت سے ان سے کوئی نہ بڑھ سکا، امیر معاویہؓ تاریخ اسلام کے سب سے پہلے شخصی فرمانروا تھے، اس لیے ان کے عہد میں خلافت راشدہ کا طریق جہانبانی تلاش کرنا بیسود ہے، اس لیے ہم کو آئندہ سطور میں صرف "من حیث اول ملوک الاسلام" ان کے دور حکومت پر نظر ڈالنی ہے کہ ایک دنیاوی بادشاہ کی حیثیت سے ان کا دور کیسا تھا؟ ان کی مطلق العنانی محدود تھی یا غیر محدود؟ ان کا نظام حکومت مکمل تھا یا ناقص؟ ان کا عہد دور فتن تھا یا دور امن و سکون؟ ان کے زمانہ میں اسلام کو تقویت پہنچی یا ضعف؟ ان کے عہد میں رعایا تباہ حال رہی یا مرفہ الحال؟ غرض ان کی "بادشاہت" کی کمزوری اور حکومت پسندی کے پہلو کو نظر انداز کرنے کے بعد ایک دنیاوی حکمران کی حیثیت سے ان کے عہد کی کامیابی اور ناکامیابی پر تبصرہ مقصود ہے، اور آئندہ سطور میں اسی حیثیت سے ان کے عہد حکومت پر کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

امیر معاویہؓ کے مشیر کار امیر معاویہؓ گو شخصیت پسند فرمانروا تھے، تاہم اُن میں ایسی خود سری اور خود رائی نہ تھی جو ان کو اس عہد کے ارباب فکر و تدبر کے صلاح و مشورہ سے روکتی، وہ اس راز سے خوب واقف تھے کہ اتنے بڑے ملک کا نظام تنہا ایک شخص کی رائے سے قائم نہیں رہ سکتا، گو کوئی باقاعدہ مجلس شوریٰ نہ تھی، تاہم اس عہد کے بہترین دماغ

اور مشاہیر مدبرین عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ اور زیاد بن ابو سفیانؓ وغیرہ ان کے خاص شریک رہتے تھے، اور کوئی اہم معاملہ بغیر ان لوگوں کے مشورہ کے انجام نہ پاتا تھا، جس کے بعض واقعات اوپر گذر چکے ہیں،

ملک کی تقسیم صوبوں میں

ان کے زمانہ میں دولت اسلامیہ مختلف صوبوں میں تقسیم تھی، جن پر علحدہ علحدہ گورنر ہوتے تھے، اور بعض بڑے بڑے صوبے مثلاً خراسان اور افریقہ متعدد چھوٹے صوبوں پر تقسیم تھے، خراسان کے ماتحت کچھ حصہ ترکستان کا اور کابل اور سندھ تک کا علاقہ تھا، اسی طرح افریقہ میں تونس، مراکش، الجزائر وغیرہ سب داخل تھے، ان پر ایک گورنر جنرل ہوتا تھا، جو اپنی جانب سے ان ملکوں کے مختلف حصوں پر علحدہ علحدہ گورنر مقرر کرتا تھا،

حکام کے انتخاب میں اوصاف کا لحاظ

ایک منتظم اور عدل پرور حکومت کے لیے سب سے اہم شئے لائق اور قابل عہدہ داروں کا انتخاب ہے، امیر معاویہؓ کے عہد میں تمام ذمہ دار عہدے ان ہی لوگوں کے سپرد کیے جاتے تھے جو پورے طور پر اس کے اہل ہوتے تھے، زیاد گورنر عراق خاص اصول کے ماتحت حکام کا انتخاب کرتا تھا،

محافظ سرحد، افسر پولیس، قاضی اور صائفہ کے عہدوں کے لیے معمر اور تجربہ کار اشخاص منتخب ہوتے تھے، پولیس کے لیے چست چالاک اور رعب داب کے اشخاص منتخب ہوتے تھے، صاحب الحرس (محافظ دستہ کا افسر) کے لیے پاکباز اور پختہ کار آدمی چنے جاتے تھے، اور اس کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا کہ اس کا دامن عوام کی طعنہ زنی اور عیب چینی سے پاک ہو، کاتب کا عہدہ نہایت مہتم بالشان ہے، اس کی ادنیٰ لغزش قلم اور تسامح سے نظام حکومت میں خلل پڑ جاتا ہے، اس لیے اس کے انتخاب میں خاص طور پر

احتیاط کی محتاج تھی، اور اس کے لیے وہی شخص منتخب ہوتا تھا، جس کی نگاہ دوربیں اور دقیقہ رس ہو، اسی کے ساتھ عملی حیثیت سے اپنے کام میں چست اور مستعد ہو، جو روز کا کام روز پورا کرے، اس میں کسی قسم کی خامی نہ ہو، جو کام کرے وہ نہایت منضبط، ٹھوس اور مستحکم ہو، ان اوصاف کے ساتھ وہ حکومت کا خیر اندیش بھی ہو، حاجب کا عہدہ خلفائے راشدینؓ کے عہد میں نہ تھا، سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے اس کو قائم کیا، چونکہ اس کو ہر وقت حکمران کی پیشی میں رہنا پڑتا تھا، اس لیے وہی شخص حاجب بنایا جاتا تھا، جو حجابت سے پہلے سلاطین کی دوسری خدمات انجام دے چکا ہو، اور اس کے ساتھ ذہین اور فہیم بھی ہو، کیونکہ اس کو ہر وقت حکمران کے چشم و ابرو کے اشارہ پر کام کرنا پڑتا ہے[1]

عمال کی نگرانی اور انسے کامل واقفیت

حکام کے انتخاب میں احتیاط کے ساتھ اتنا ہی اہم مرحلہ انکے افعال و اعمال کی نگرانی اور ان کے طرز حکومت سے خبرداری ہے، زیاد کا یہ قول تھا کہ والی کو اپنے ہوئے عملہ سے خود عملہ والوں سے زیادہ باخبر رہنا چاہیے، وہ اس اصول پر پورے طور سے عمل پیرا تھا، وہ تمام عمال پر نہایت گہری نظر رکھتا تھا، ایک مرتبہ ایک شخص نے امتحاناً پوچھا کہ آپ مجھ کو جانتے ہیں، اس نے کہا تنہا تم ہی کو نہیں بلکہ تمھاری سات پشت کو جانتا ہوں، اور جو لباس تم پہنتے ہو، اسے بھی بتا سکتا ہوں، اگر تم میں سے کوئی شخص کسی سے چادر مستعار لے کر پہنے تو اسے پہچان کر بتا دونگا،[2] عمال کے محاسبہ کا ذکر آئندہ آئے گا،

صیغۂ فوج

ملک کی حفاظت اور قیام امن کے لیے فوجی قوت سب سے اہم چیز ہے، فوج کا نظام حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ میں نہایت مکمل ہو چکا تھا، پھر حضرت عثمانؓ نے

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۷۹، ۲۸۰، [2] یہ تمام تفصیلات یعقوبی ج ۲ ص ۲۷۹، ۲۸۰ سے ماخوذ ہیں،

اس کو اور زیادہ ترقی دی، جب امیر معاویہؓ کا زمانہ آیا تو اس میں بہت کم ترمیم کی ضرورت تھی، تاہم جس حد تک ترقی کی گنجائش تھی، امیر معاویہؓ نے اس کو ترقی دے کر کمال تک پہنچا دیا، چنانچہ انھوں نے اپنے عہد حکومت میں تمام اہم مرکزوں پر فوجی قلعے اور چھاؤنیاں قائم کیں،

قلعوں کی تعمیر اس سلسلے میں سب سے پہلے اپنے مستقر شام میں متعدد قلعے بنوائے، اور بعض ویران قلعے آباد کیے، ساحل شام پر رومیوں کا ایک قلعہ جبلہ تھا، یہ شام کی فتح کے زمانہ میں اجڑ گیا تھا، امیر معاویہؓ نے اس کو دوبارہ آباد کرایا، اور انطرطوس، مرقیہ اور بلنیاس کے قلعے بنوا کر آباد کیے[1] روڈس کی فتح کے زمانہ میں یہاں ایک قلعہ تعمیر کرایا تھا، قلعہ سات برس تک روڈس کا فوجی مرکز رہا، پھر یزید کے زمانہ میں اجڑا[2]، مدینہ میں خاص اہل مدینہ کے لیے ایک قلعہ بنوایا تھا جس کا نام قصر خل تھا[3]،

ان قلعوں کے علاوہ امیر معاویہؓ نے فوجی ضرورت کے لیے مستقل شہر آباد کر کے یہاں بڑی بڑی چھاؤنیاں قائم کیں، چنانچہ مرعش اور قیروان اسی ضرورت کے لیے بسائے گئے تھے، ان کے حالات شہروں کی آبادی کے ذکر میں آئیں گے،

بحری فوج میں ترقی امیر معاویہؓ کے عہد میں جس فوجی شعبہ میں نمایاں ترقی ہوئی وہ بحری محکمہ ہے، جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بڑی فتوحات کی وسعت کے باوجود کوئی بحری حملہ نہ ہوا تھا، اور امیر معاویہؓ کے اصرار پر بھی آپ نے مسلمانوں کی حفاظت جان کے خیال سے انھیں سمندر میں نہ اترنے دیا تھا، لیکن امیر معاویہؓ پر سمندر کی موجوں سے کھیلنے کا شوق اتنا غالب تھا، کہ حضرت عثمانؓ سے باصرار اجازت لے لی، اور چند دن

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۴۰ [2] ایضاً ص ۲۴۵ [3] ایضاً ۱۶۰

کے اندر بحری فوج کو اتنی ترقی دی کہ اسلامی بیڑے کو اس عہد کے مشہور رومی بیڑوں سے بڑھا دیا، اور ۳۳ھ میں پانچسو جنگی جہازوں کے ساتھ قبرس پر حملہ کیا جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے[۱]

جہاز سازی کے کارخانے امیر معاویہ رضہ جیسا عظیم الشان بیڑا رکھنا چاہتے تھے، اس کے لیے جہاز سازی کے کارخانوں کی سخت ضرورت تھی، چنانچہ انھوں نے اپنے عہد میں اس کے متعدد کارخانے قائم کیے، ان میں پہلا کارخانہ ۵۴ھ میں مصر میں قائم ہوا تھا،[۲] بلاذری کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہ رضہ نے اس قسم کے کارخانے تمام ساحلی مقامات پر قائم کیے تھے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ پہلے جہاز سازی کا کارخانہ صرف مصر میں تھا، لیکن امیر معاویہ رضہ کے حکم سے کاریگر اور بڑھئی جمع کیے گئے، اور ان کو انھوں نے تمام ساحلی مقامات پر بسایا، اردن میں عکا میں بھی کارخانہ قائم تھا[۳]

امیر البحر حضرت عثمان رضہ کے زمانہ میں عموماً بری اور بحری سپہ سالار ایک ہی ہوا کرتے تھے لیکن امیر معاویہ رضہ نے بحری قوت کو جس قدر ترقی دی تھی اس کے لیے مستقل امیر البحر کی ضرورت تھی، اس لیے انھوں نے بری اور بحری دونوں فوجوں کی سپہ سالاری پر الگ الگ اشخاص مقرر کیے، طبری کے بیان کے مطابق عبد اللہ بن قیس حارثی کو انھوں نے امیر البحر مقرر کیا تھا، انھوں نے کم و بیش پچاس بحری معرکہ آرائیاں کیں، جن میں ایک مسلمان بھی ضائع نہیں ہوا[۴]

دوسرے امیر البحر جنادہ بن ابی امیہ تھے، جن کو امیر معاویہ رضہ نے عثمانی عہد میں بحری لڑائیوں پر مامور کیا تھا، یہ اس زمانہ سے لے کر یزید کے عہد تک برابر بحری حملوں میں مصروف رہے[۵]، امیر معاویہ رضہ کے عہد میں جس قدر بحری لڑائیاں ہوئیں اس کی نظیر

---

[۱] حسن المحاضرہ سیوطی ج ۲ ص ۱۹۹ [۲] ایضاً [۳] فتوح البلدان ص ۱۲۴ [۴] طبری [۵] اسد الغابہ، تذکرہ جنادہ ابن ابی امیہ

ان کے بعد عرصہ تک نہیں ملتا، کوئی سال بحری حملوں سے خالی نہ جاتا تھا، بلکہ بیک وقت مختلف مقامات پر مختلف حملے ہوتے تھے، اوپر کی فتوحات کے سلسلہ میں ان کی تفصیلات گذر چکی ہیں۔

پولیس کا محکمہ اور امن وامان | جنگی قوت عموماً بیرونی حملہ آوروں کی مدافعت و دوسرے ملکوں پر حملوں کے لیے ہوتی ہے، لیکن اندرون ملک کا امن وامان پولیس پر موقوف ہے، امیر معاویہؓ کے زمانہ میں پولیس کے محکمہ میں بڑی وسعت اور ترقی ہوئی، صرف ایک شہر کوفہ میں ۴ ہزار پولیس متعین تھی، اور پانچسو پولیس مسجد میں پہرا دیتی تھی، اس وسعت کا یہ نتیجہ تھا کہ اگر کسی کی کوئی چیز راستہ میں گر جاتی تھی تو راہ رو اٹھانے کی ہمت نہ کرتا تھا تاآنکہ اس کا مالک خود آکر نہ اٹھائے، راتوں کو عورتیں تنہا اپنے گھروں میں مکان کے کواڑ کھول کر بے خوف وخطر سوتی تھیں، زیاد کہتا تھا کہ اگر کوفہ اور خراسان کے درمیان رسی کا کوئی ٹکڑا بھی ضائع ہو جائے تو مجھ کو معلوم ہو جائے گا کہ کس نے لیا، ایک مرتبہ اس نے ایک گھر سے گھنٹہ بجنے کی آواز آتی سنی، پوچھا تو معلوم ہوا کہ گھر والے پہرہ دے رہے ہیں، بولا اس کی ضرورت نہیں، اگر مال ضائع ہوگا تو میں اس کا ضامن ہوں، اس سلسلہ میں اس نے بعض ایسے قوانین بھی بنائے تھے، جو بظاہر بہت سخت معلوم ہوتے ہیں، مثلاً عشاء کے بعد گھر سے باہر نکلنے کی سزا قتل تھی، لیکن عراق جیسے فتنہ پسند ملک میں اس سختی کے بغیر امن وامان ممکن نہ تھا۔[1]

مشتبہ لوگوں کی نگرانی | مشتبہ چال چلن والوں کی نگرانی اس عہد کی بدعت سمجھی جاتی ہے، لیکن بعض مقامات پر جہاں شورہ پشتوں کے شر وفساد کا خطرہ تھا، امیر معاویہؓ کے

---

[1] طبری ج ۷، ص ۷۷ تا ۹۱،

عہد میں یہ طریقہ رائج ہو چکا تھا، چنانچہ انھوں نے ابو درداؓ کو دمشق کے بدمعاشوں کے نام قلمبند کرنے کا حکم دیا تھا[1]، زیاد نے جعد بن قیس تمیمی کو بدمعاشوں کی نگرانی پر مقرر کیا تھا، جو گھوم پھر کر ان کو نگاہ میں رکھتے تھے[2]۔

ذرائع خبر رسانی اور پرچہ نگاری بریدیعنی سرکاری ڈاک انتظام ایک منظم حکومت کیلئے ناگزیر شے ہے، امیر معاویہؓ کے زمانہ تک اسلامی حکومت میں یہ طریقہ رائج نہ تھا، سب سے پہلے ان ہی نے اس کو جاری کیا، اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ گھوڑ دوڑ کے تیز رفتار گھوڑے تھوڑی تھوڑی مسافت پر رہتے تھے، خبر رساں خبر لے کر ان پر سوار ہوتا اور نہایت تیزی کے ساتھ جاتا تھا، اور جب یہ گھوڑا تھک جاتا تھا تو آگے کی چوکی پر جہاں تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے، تازہ دم گھوڑے سے تبادلہ کر کے آگے بڑھتا تھا، اسی طریقہ سے بڑھتا ہوا اور گھوڑے بدلتا ہوا منزل مقصود پر پہنچ جاتا تھا، اس طریقہ سے ایک مقام کی خبر دوسرے مقام پر نہایت جلد پہنچ جاتی تھی[3]۔

دیوان خاتم فرامین سلطانی اور حکومت کے احکام کی نقل ایک ضروری چیز ہے، امیر معاویہؓ کے زمانہ تک اسلامی حکومت میں اس کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا، اس لئے کبھی کبھی لوگ اس میں رد و بدل کر دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ایک شخص کو ایک لاکھ کی رقم دلائی، اور زیاد کے نام دہنیہ کا فرمان لکھ دیا، اس شخص نے فرمان پڑھ کر دو لاکھ بنا دیئے اور زیاد سے اسی قدر وصول کر لیا، جب زیاد نے امیر معاویہؓ کے سامنے حساب کے کاغذات پیش کئے تو معلوم ہوا کہ وہ شخص ایک لاکھ کے بجائے دو لاکھ لے گیا، اسی دن سے امیر نے دیوان خاتم قائم کیا، اس میں یہ ہوتا تھا کہ جب پیش گاہ سلطانی سے

---

[1] ادب المفرد، باب الظن [2] طبری ج ۷، ص ۸۷، [3] الفخری ص ۹۷

کوئی فرمان صادر ہوتا تھا تو پہلے دفتر میں آتا تھا، اور یہاں کا محرر اس کی نقل اپنے رجسٹر پر چڑھا کر اصل فرمان کو ملفوف کر کے اس پر موم سے مہر کر دیتا تھا، اس طرح اس میں تحریف کا امکان باقی نہیں رہتا تھا[۱]۔ یہ طریقہ محض شاہی فرامین تک محدود نہ تھا، بلکہ بعض بڑے بڑے عمال بھی اس پر عامل تھے، چنانچہ زیاد نے باقاعدہ دفاتر قائم کئے تھے جن میں احکام و خطوط کی نقلیں رکھی جاتی تھیں[۲]۔

رفاہ عام کے کام امیر معاویہؓ نے اپنے عہد حکومت میں اس قسم کے بہت سے رفاہِ عام کے کام کیے، جن سے حکومت کے ساتھ عام رعایا کو بھی فائدہ پہنچتا تھا۔

نہریں ایشیائی ملک زیادہ تر زرعی ہیں، بلکہ اس زمانہ میں جب صنعت و حرفت نے ترقی نہ کی تھی، قریب قریب ہر ملک کی ثروت اور فارغ البالی کا مدار زیادہ تر زراعت پر تھا، اس لیے امیر معاویہؓ نے اپنے عہد میں زراعت کی ترقی، اور پیداوار کے اضافہ اور زمین کی سیرابی کے لیے ملک کے طول و عرض میں جابجا نہروں کا جال بچھا دیا جس سے لاکھوں ایکڑ زمین سیراب، اور کروروں انسانوں کی پرورش ہوتی تھی، ان نہروں کی وجہ سے پیداوار میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا، اور قحط سالی کا خطرہ جاتا رہا، خلاصۃ الوفا میں ہے کہ مدینہ شریف اور اس کے گرد بکثرت نہریں تھیں، اور امیر معاویہؓ کو اس باب میں خاص اہتمام تھا، انھوں نے جو نہریں جاری کیں، ان میں نہر کظامہ، نہر ازرق اور نہر شہداء وغیرہ کے نام خلاصۃ الوفا میں ملتے ہیں[۳]۔

حضرت معقلؓ نے حضرت عمرؓ کے حکم سے بصرہ میں ایک نہر کھدوائی تھی، جو نہر معقل کے نام سے مشہور تھی، زیاد نے امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں دوبارہ اس کو کھدوا کر صاف

---

[۱] الفخری ص ۹۰ [۲] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۷۹ [۳] وفاء الوفا ص ۱۱ و خلاصۃ الوفا ص ۱۲۶ و ۱۲۷

کرایا، اور افتتاح کے بعد ایک آدمی کو ایک ہزار درہم دیکر کہا کہ دجلہ کے کنارے کنارے چکر لگا کر لوگوں سے پوچھو کہ یہ کس کی نہر ہے؟ جو شخص زیاد کی نہر بتلائے اس کو یہ رقم دیدو، اس نے گھوم پھر کر پوچھا، مگر ہر شخص کی زبان پر معقل کا نام تھا[۱]

عبید اللہ بن زیاد گورنر عراق مقرر ہوا تو اس نے بخارا کے پہاڑ کاٹ کر ایک نہر نکالی[۲] ان ہی کے عہدِ حکومت میں حکم بن عمرو نے ایک نہر جاری کی، مگر اس کا افتتاح نہ ہو سکا[۳] نہر کے علاوہ پہاڑ کی گھاٹیوں کے گرد بند ھوا کر تالاب بنوائے، جن میں پانی جمع ہوتا تھا[۴] ان نہروں سے پیداوار میں جو اضافہ ہوا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف مدینہ اور اس کے قرب وجوار کی نہروں کے ذریعہ سے ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گیہوں پیدا ہوتا تھا[۵]

شہروں کی آبادی امیر معاویہؓ نے اپنے عہد میں مستقل شہر آباد کرائے، اور بعض پرانے اجڑے شہر بسائے، مرعش شام کا قدیم اجڑا ہوا شہر تھا، امیر معاویہؓ نے اس کو دوبارہ تعمیر کرا کے بسایا[۶]

ان کے عہد میں جو سب سے بڑا شہر آباد ہوا، اور جو اپنی مختلف خصوصیات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں مشہور ہے، وہ قیروان ہے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں عقبہ بن نافع فہری نے افریقیہ کے بڑے بڑے شہر فتح کئے، اور ہزاروں بربری اسلام لائے، لیکن یہ سخت فتنہ پرست اور بغاوت پسند تھے، جب تک ان کے سر پر فوجی قوت مسلط رہتی اُس وقت تک مطیع ومنقاد رہتے اور جیسے ہی ہٹتی مرتد ہو کر باغی ہو جاتے تھے، اس لیے

---

[۱] فتوح البلدان ص ۳۶۶ [۲] طبری ج ۷ ص ۱۶۹ [۳] ایضاً ص ۱۵۶ [۴] وفاء الوفاء ج ۲ ص ۳۲۱
[۵] ایضاً ص ۲۲۳ [۶] فتوح البلدان ص ۱۹۶

عقبہ نے یہاں ایک شہر آباد کر کے مسلمانوں کے بسانے کا قصد کیا، تاکہ روز روز کی بغاوت کا خطرہ جاتا رہے، چنانچہ انھوں نے ساحل سے ہٹ کر اس کے لیے ایک جنگل منتخب کیا تاکہ رومیوں کے بحری حملوں سے محفوظ رہے، یہ جنگل نہایت گھنا اور درندوں اور مسموم کیڑوں کا مسکن تھا، عقبہ نے اسے کٹوا کر بسایا، وسط شہر میں دار الامارۃ بنوایا، اور چاروں طرف مسلمانوں کے محلے آباد کرا کے ایک جامع مسجد تعمیر کی، رفتہ رفتہ اس شہر نے اتنی ترقی کی کہ شمالی افریقیہ کا مرکز بن گیا[1]۔

جب کسی قوم کا اختر اقبال بلند ہوتا ہے تو اس کے متعلق عجیب و غریب محیر العقول داستانیں زبان زد خاص و عام ہو جاتی ہیں، مسلمانوں کے عہد اقبال کے اس قسم کے سیکڑوں واقعات نے بھی تاریخی شہرت حاصل کرلی ہے، ان میں قیروان کی تاسیس کے سلسلہ کا ایک واقعہ بھی لائق ذکر ہے، جس وقت عقبہ نے اسے بسانے کا ارادہ کیا اس وقت یہاں کا جنگل اتنا گھنا اور ہیبتناک تھا کہ بڑے بڑے خونخوار درندے اور اژدہے اس میں بھرے ہوئے تھے، اور ان کے نکالنے کی کوئی صورت نہ تھی، لیکن جو قوم ترقی پذیر ہوتی ہے، اس کا سکہ انسان سے لے کر حیوان تک پر یکساں چلتا ہے، یہی قصہ اس جنگل کے مکینوں کے ساتھ پیش آیا، عقبہ بن عامر نے جنگل کے پاس پکروا دیا کہ ہم لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور ان کی امت ہیں، اور تمھیں حکم دیتے ہیں کہ کل تک تم سب جنگل خالی کر دو ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے، اس الٹی میٹم پر جتنے درندے، اژدہے اور دوسرے خوفناک جانور تھے، وہ سب اپنے اپنے بچوں کو لے کر قطار در قطار نکلنے لگے، اور جنگل بالکل خالی کر دیا، گو یہ واقعہ افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، لیکن اس سے

---

[1] معجم البلدان ذکر "قیروان"

اس وقت مسلمانوں کے اوجِ اقبال کا ضرور پتہ چلتا ہے،

نو آبادیاں ان مستقل شہروں کے علاوہ بہت سی نو آبادیاں قائم ہوئیں، ۴۳ھ میں انطاکیہ میں فارس، بعلبک، حمص اور مصر کے باشندوں کی ایک نو آبادی بسائی[1]، ۵۳ھ میں روڈس میں بہت سے مسلمان آباد کئے گئے، ۵۴ھ میں ارواڈ میں مسلمان بسے[2]، خصوصاً اُن مقامات پر جہاں کسی دوسری حکومت کی سرحد ملتی تھی، مسلمانوں کی نو آبادیاں قائم کی گئیں، اس کی وجہ سے دشمنوں کے حملہ کا خطرہ بڑی حد تک کم ہوگیا،

شیر خوار بچوں کے وظائف حضرت عمرؓ نے دس دس درہم مجاہدین کے بچوں کا وظیفہ مقرر کیا تھا، اور اس میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہیں، امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں اسکو قائم رکھا، لیکن اتنی ترمیم کردی کہ دودھ چھوڑنے کے بعد سے وظیفہ جاری ہوتا تھا،

موذی جانوروں کا قتل تہذیب یافتہ سلطنتوں میں رعایا کے آرام و آسائش کے لیے موذی جانوروں کا قتل بھی رائج ہے، اور بعض حالتوں میں اس پر انعامات دیئے جاتے ہیں، امیر معاویہؓ کے زمانہ میں نصیبین میں بچھوؤں کی اتنی کثرت تھی کہ وہاں کے لوگ ان سے پریشان ہوگئے تھے، وہاں کے عامل نے امیر معاویہؓ کے پاس اس کی شکایت لکھی، انھوں نے لکھا کہ شہر کے باشندوں پر بچھوؤں کی ایک تعداد مقرر کردی جائے کہ ہر رات کو وہ اس تعداد میں بچھو پکڑ کر لایا کریں، چنانچہ یہ حکم جاری ہوا، اور لوگ مقررہ تعداد میں بچھو پکڑ کر لاتے تھے، اور وہ مار ڈالے جاتے تھے، اس طرح بچھوؤں کی تعداد میں نمایاں کمی ہوگئی[3]

ذمہ دار عہدوں پر غیر مسلموں کا تقرر غالباً تمام مذاہب عالم میں یہ امتیاز صرف اسلام کو

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۴۴ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۶۴ [3] معجم البلدان ذکر نصیبین۔

حاصل ہے کہ اس نے رعایا کی حیثیت سے مسلم اور غیر مسلم کے حقوق میں کوئی فرق روا نہیں رکھا ہے، اور اس کا بہترین عملی ثبوت عہد فاروقی تھا، تاہم چونکہ اس زمانہ میں غیر مسلم اقوام نئی نئی مفتوح ہوئی تھیں، اسوقت تک انھوں نے اپنے معتمد علیہ ہونے کا کوئی عملی ثبوت بھی نہیں دیا تھا، اس لیے حقوق میں مساوات کے باوجود حکومت کے عہدوں میں انھیں بار نہ مل سکا، اس کے بعد جس قدر زمانہ گذرتا گیا اور غیر مسلموں کا اعتماد بڑھتا گیا، اسی قدر ان کو حکومت میں قربت حاصل ہوتی گئی، امیر معاویہؓ کے عہد میں ان کے قیام دمشق کی وجہ سے جب خصوصیت سے دونوں میں زیادہ روابط بڑھے تو امیر معاویہؓ نے ان کو حکومت کے ذمہ دار عہدوں اور جلیل القدر مناصب پر ممتاز کیا، چنانچہ ابن آثال عیسائی کو جوان کا طبیب بھی تھا حمص کا کلکٹر مقرر کیا[1] اور سرجون اور منصور رومی کو مالیات کے ذمہ دار عہدوں پر ممتاز کیا[2]

غیر مسلموں کے جذبات کا احترام شام میں یہودیوں اور عیسائیوں کی بڑی آبادی تھی اور امیر معاویہؓ کو یہاں جو اقتدار حاصل تھا، تاریخ اس کی شاہد ہے، اس کے باوجود انھوں نے کبھی ان کے مذہبی مراسم وغیرہ میں دست اندازی نہیں کی، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یوحنا کے گرجے کے پاس مسجد تعمیر ہوئی تھی، امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں اس گرجے کو بھی مسجد میں شامل کرنا چاہا، لیکن عیسائی رضامند نہ ہوئے، اس لیے انھوں نے ارادہ ترک کر دیا[3]

ذمیوں کے مال کی حفاظت خلفاء ذمیوں کے حقوق اور اُن کے جان و مال کی حفاظت میں بہت اہتمام کرتے تھے، امیر معاویہؓ کے عہد میں ان کے حقوق کا اتنا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ سرکاری ضرورتوں کے لیے بھی انکے کسی حق پر دست اندازی نہ کی جاتی تھی، امیر معاویہؓ نے ایک مرتبہ

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۶۵ [2] خطط الشام کرد علی ج ۱ ص ۱۴۳ [3] بلاذری ص ۱۳۱،

حضرت عقبہ بن عامرؓ صحابی کو مصر کا گورنر مقرر کیا، وہ مصر کے ایک گاؤں میں اپنی سکونت کے لیے مکان بنوانا چاہتے تھے، امیر معاویہؓ نے انھیں اس ضرورت کے لیے ایک ہزار جریب زمین عنایت کی، انھوں نے ایک غیر آباد پرتی زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی انتخاب کی، اس پر ان کے نوکر نے کہا کہ کوئی عمدہ قطعہ پسند کیجئے، انھوں نے جواب دیا یہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ معاہدہ میں جو شرطیں ہیں، اُن میں ایک یہ بھی ہے، کہ ذمیوں کی زمین ان کے قبضہ سے نہیں نکالی جائے گی[1]

رعایا کی دادرسی ایک عادل فرماں رو کے لیے رعایا کی شکایات سننا اور اس کی دادرسی ضروری ہے، امیر معاویہؓ کو اس میں اتنا اہتمام تھا کہ وہ روزانہ مسجد میں بیٹھ کر عام رعایا کو بلا استثنا آزادی سے اپنی شکایات پیش کرنے کا موقع دیتے تھے، علامہ مسعودی لکھتے ہیں، کہ امیر معاویہؓ مسجد میں کرسی رکھوا کر بیٹھتے تھے، اور بلا استثناء ضعیف کمزور دیہاتی، بچے اور لاوارث سب پیش کیے جاتے تھے، اور ان میں ہر شخص ان کے سامنے اپنی اپنی شکایتیں پیش کرتا تھا، امیر معاویہؓ اسی وقت ان کے تدارک کا حکم دیتے تھے، مظلوموں کی فریادرسی کے بعد پھر ایوان حکومت میں آتے اور تخت پر بیٹھتے، اس وقت امراء اور اشراف درجہ بدرجہ باریاب ہوتے، معمولی مزاج پرسی کے بعد جب یہ لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے تو امیروں سے فرماتے کہ تم لوگ اشراف اس لیے کہلاتے ہو کہ تم کو اپنے سے کم درجہ کے لوگوں پر شرف بخشا گیا ہے، اس لیے تم کو چاہیے کہ جو شخص میرے پاس نہیں پہنچ سکتا، اس کی ضروریات مجھ سے بیان کرو، اس کے بعد اشراف لوگوں کی ضروریات پیش کرتے، اور امیر اُن سب کے پورا کرنے کا حکم دیتے[2]

---

[1] مقریزی ج اول ص ۲۰۸ ؛ [2] مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۲۳ مطبوعہ مصر،

یہی حال ان کے عمال کا تھا۔ زیاد گورنر جنرل عراق کی حیثیت رکھتا تھا، اس لیے اس کو کثرتِ کار اور ذمہ داری کے بار کی وجہ سے عوام سے ملنے جلنے اور ان کی شکایات سننے کا براہِ راست کم موقع ملتا تھا، اس کی تلافی کے لیے اس نے اپنے حاشیہ نشینوں کو حکم دیا تھا کہ ہر شخص نہ مجھ تک پہنچ سکتا ہے، اور نہ اپنی شکایت پیش کر سکتا ہے، اور اگر پہنچ بھی جائے تو گفتگو کا موقع نہیں پا سکتا اس لیے تم لوگ عوام کے حالات میرے گوش گذار کرتے رہو۔[1]

مذہبی خدمات گو امیر معاویہؓ کا عہد خلفائے راشدینؓ کے مذہبی عہد کے مقابلہ میں دنیوی بادشاہت کا دور تھا، تاہم ان کا زمانہ مذہبی خدمات سے خالی نہیں، اور وہ اپنی حکومت کے استحکام اور بقا کی کوششوں کے ساتھ مذہب کی ترقی اور اوامر و نواہی کے قیام و تبلیغ میں بھی برابر کوشاں رہتے تھے،

اشاعت اسلام ان کے زمانہ میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی، افریقہ کی فتوحات میں بے شمار بربری اسلام لائے، مگر بار بار مرتد ہو کر باغی ہو جاتے تھے، امیر معاویہؓ نے ارتداد اور بغاوت کو روکنے کے لیے قیروان آباد کیا جس کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے، بربریوں کے علاوہ رومیوں کی معتدبہ تعداد بھی اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئی۔

حرم کی خدمت شیخین کے زمانہ میں خانۂ کعبہ پر معمولی کپڑے کا غلاف چڑھتا تھا حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں پہلی مرتبہ اس پر بیش قیمت غلاف چڑھایا، امیر معاویہؓ نے اس کو دیبا سے آراستہ کیا، اور اس کی خدمت کے لیے غلام مقرر کیے۔[2]

مساجد کی تعمیر ان کے عہد میں بکثرت نئی مسجدیں تعمیر ہوئیں، اور پرانی مسجدوں کی مرمت ہوئی، زیاد بصرہ کا والی ہوا، تو اس نے یہاں کی مسجد کو نہایت وسعت دی،

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۰۹ [2] ایضاً ص ۲۸۳،

کا بیان ہے، یہودی عورتوں کی بداخلاقی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ان میں جن عورتوں کے بال گر جاتے تھے، وہ مصنوعی بال لگا لیتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مصنوعی بالوں کی ممانعت فرمادی تھی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عربی عورتوں نے بھی یہ طرز آرائش اختیار کر لیا تھا، چنانچہ حج کو آئے تو اسکی ممانعت چھیڑ دی، اور منبر پر چڑھ کر مصنوعی بالوں کا گچھا ہاتھ میں لے کر کہا "اے اہل مدینہ تمہارے علما کہاں ہیں، میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ بنی اسرائیل اس وقت برباد ہوئے جب ان کی عورتوں نے اسکو اختیار کیا"[۱]۔

کبھی کبھی مجمع عام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسنون اعمال کا اعلان کرتے، کبھی خود عبادات کا مسنون طریقہ عملاً کر کے دکھاتے، کبھی اعمال کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لوگوں کو سناتے،

فرائض اور سنن میں فرق | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج کو گئے تو اس خیال سے کہ لوگ اس روزہ کو فرض نہ سمجھ لیں، منبر پر چڑھ کر اعلان کیا، "اے اہل مدینہ تمہارے علما کہاں ہیں؟ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ یہ عاشورہ کا دن ہے، خدا نے اس دن کا روزہ تمہارے اوپر فرض نہیں کیا ہے۔ میں روزہ ہوں، تم لوگوں میں سے جس کا دل چاہے روزہ رکھے، اور جس کا دل چاہے افطار کر دے"[۲]۔

مسنون طریقوں کی تعلیم | ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے مسنون طریقہ سے وضو کیا، اور مسح راس کے لیے چلو میں پانی لیکر داہنے ہاتھ سے سر پر ڈالا، پانی کے قطرے ٹپکنے لگے، پھر شروع سر سے لیکر آخر سر تک ہاتھ پھیرا اور پھر واپس لائے[۳]۔

---

[۱] بخاری کتاب بدء الخلق وکتاب اللباس [۲] بخاری کتاب الصیام باب صوم عاشورہ [۳] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غیر مسنون اعمال کی ممانعت ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کے ایک مجمع سے کہا کہ آپ لوگوں کو غالباً اس کا علم ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں چیزوں سے منع فرمایا ہے، اور چیتے کی کھال کے فرش کی بھی ممانعت فرمائی ہے، سب نے کہا ہاں، پھر کہا آپ لوگ غالباً اس سے بے خبر نہ ہوں گے کہ آپ نے حج و عمرہ کے قران سے منع فرمایا ہے، لوگوں نے کہا اس کی ممانعت تو نہیں ہے، کہا نہیں، قران بھی مذکورہ بالا چیزوں کی طرح ممنوع ہے غالباً آپ لوگ بھول گئے[1]

خطبہ میں تعلیم و ارشاد کبھی کبھی خطبہ میں تعلیم و ارشاد کا فرض انجام دیتے تھے، ایک مرتبہ جمعہ کے دن منبر پر مسلمانوں سے خطاب کیا، کہ لوگو! میری باتوں کو کان دھر کے سنو، اسلیے کہ مجھ سے زیادہ دین و دنیا کا واقف کار پھر تم کو نہ ملے گا، نمازوں میں اپنے چہروں اور صفوں کو سیدھا رکھا کرو، ورنہ خدا تمہارے دلوں میں پھوٹ ڈال دے گا، اپنے کم عقل لوگوں کو قابو میں کرو ورنہ خدا تم پر تمہارے دشمن کو مسلط کردے گا، جو تم کو سخت عذاب دے گا، صدقہ کیا کرو، کم مائگی کا عذر نہ کیا کرو، کیونکہ کم مایہ آدمی کا صدقہ دولت مند کے صدقہ سے زیادہ افضل ہے، عفیفہ اور پاکدامن عورتوں پر تہمت نہ لگایا کرو، اگر تم میں سے کوئی شخص حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کی بھی عورت پر تہمت لگائے گا تو قیامت میں اس کا مواخذہ کیا جائے گا[2]

امیر معاویہؓ کی فردِ جرم کی تاریخی حیثیت اور اس کے اسباب امیر معاویہؓ کی سیرت میں ان کے کارناموں کی تفصیل کے بعد سب سے اہم اور ضروری ان غلط روایات و بے بنیاد الزاموں کی تنقید و تردید ہے، جن کی شہرت عام نے بہت سے تعلیم یافتہ مگر کوتاہ نظر اشخاص

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ... باب فی القران۔ [2] البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۸ ص ۱۳۳۔

کو بھی امیر معاویہؓ کی جانب سے غلط فہمیوں میں مبتلا کر دیا ہے، یہ واقعات تاریخی حیثیت سے یا بالکل بے حقیقت ہیں، یا نہایت کمزور ہیں، لیکن ان کی شہرتِ عام نے انھیں تاریخی حقایق سے بھی زیادہ مشہور کر دیا ہے، اور اس کی تاریکی میں امیرؓ کے روشن خدوخال بالکل چھپ گئے ہیں،

ان واقعات کی شہرت کے دو اسباب ہیں، پہلا سبب بنی امیہ اور بنی ہاشم کی قدیم چشمک، اور خلافت کے بارہ میں اہل بیت اور غیر اہل بیت کا سوال ہے، بعض ناعاقبت اندیش اور بدخواہِ خلافت مفسدوں نے شیخین ہی کے عہد میں اس قسم کے جذبات منافرت پیدا کر دیے تھے، لیکن ان دونوں بزرگوں کی خلافت اجماعی اور خالص شرعی تھی، نظامِ خلافت حق و صداقت کی بنیادوں پر قائم تھا، خود یہ بزرگ اسوۂ نبوی کا مجسم پیکر تھے، اس سے بڑھ کر حق و باطل میں امتیاز کرنے والی جماعت صحابہ موجود تھی، اس لیے یہ شر انگیز سوالات ابھر نہ سکے، اور دماغوں ہی کے اندر دب دب کر رہ گئے، اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں (باوجودیکہ وہ بھی خلیفۂ راشد تھے، لیکن چونکہ مرور زمانہ سے نظامِ خلافت میں پہلی سی استواری قائم نہ رہ گئی تھی) فتنہ پرست فرقہ کی شر انگیزیاں اثر کر گئیں، اور حضرت عثمانؓ کو طرح طرح کے الزامات کا نشانہ بننا پڑا، اور اس کے جو مذموم نتائج نکلے وہ سب کو معلوم ہیں، ایسی حالت میں امیر معاویہؓ کو جن کی حکومت خلافتِ راشدہ کے خط مستقیم سے ہٹی ہوئی تھی، اور وہ بعض غلطیوں کی وجہ سے بدنام ہو رہے تھے، موردِ الزام بنا دینا کیا مشکل تھا۔

دوسرا سبب ان کی بعض لغزشیں ہیں، مثلاً جناب امیرؓ کے مقابلہ میں ان کا صف آرا ہونا، اور اس میں کامیابی کے لیے ہر طرح کے جائز و ناجائز وسائل استعمال

کرنا، حضرت حسنؑ سے لڑنا، اسلامی خلافت کو موروثی حکومت میں بدل دینا وغیرہ، ان میں سے ہر ایک، واقعہ ان کی ایسی کھلی غلطی ہے جسے کوئی حق پسند مستحسن نہیں قرار دے سکتا، خصوصاً یزید کی ولیعہدی سے اسلامی خلافت کی روح ختم اور اسلام میں موروثی بادشاہت کی رسم قائم ہوگئی، ان واقعات نے عوام کو چھوڑ کر حق پسند خواص کو بھی امیر معاویہؓ سے بدظن کر دیا، اس لیے امیر معاویہؓ کے مخالفین کو ان کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع مل گیا، اور انھوں نے ان واقعات کو جنھیں سنجیدہ طبقہ بھی ناپسند کرتا تھا، آڑ بنا کر امیر معاویہؓ کو طرح طرح کے الزامات کا نشانہ بنا دیا، اور چونکہ عوام پہلے سے ان سے بدظن تھے، اس لیے امیہ کے مخالفوں نے جس رنگ میں ان کی تصویر پیش کی اور جو برائیاں ان کی طرف منسوب کیں، لوگوں نے نہایت آسانی کے ساتھ ان کو قبول کر لیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر معاویہؓ کے بعد گو نصف صدی سے زیادہ بنی امیہ کی حکومت قائم رہی، لیکن ان کے خلاف جو نفرت انگیز جذبات پیدا ہوگئے تھے وہ برابر دماغوں میں پرورش پاتے رہے، اور ان کی مخالفت کا جو نقش جم گیا تھا، وہ کسی طرح نہ مٹ سکا، ان ہی واقعات کے نتائج میں بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی، یہ سب بنی امیہ کے نہایت سخت دشمن تھے، اس لیے بنی امیہ کی مخالفت میں جو صدا امیر معاویہؓ کے عہد میں اٹھی تھی، وہ بنی عباس کے پورے دورِ حکومت تک برابر گونجتی رہی، بلکہ اس کا غلغلہ اور زیادہ بلند ہو گیا، اور بنی عباس کی حکومت وہ تھی جس کا سکہ مشرق سے مغرب تک رواں تھا، اس لیے امیر معاویہؓ کے مثالب ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گئے۔

اسی زمانہ میں تاریخ نویسی کا آغاز ہوا، اس زمانہ میں تاریخی روایتیں جو

عرصہ سے زبانوں پر چڑھی چلی آرہی تھیں، تاریخوں میں داخل ہوگئیں، کیونکہ ایسے ابتدائی دور میں جبکہ تاریخ نویسی کا آغاز ہوا تھا، روایات کی اتنی تحقیق و تنقید جس سے افسانہ و حقائق میں پورا پورا امتیاز ہوسکے مشکل تھی، گو بہت سی بے سروپا روایتیں جن کا لغو ہونا بالکل عیاں تھا، تنقید سے مسترد ہوگئیں، پھر بھی بہت سے غلط واقعات تاریخ کا جزو بن گئے، حتی کہ مورخ ابن جریر اپنی محدثانہ تنقید کے باوجود اپنی کتاب کو غلط روایات سے محفوظ نہ رکھ سکا اور آغاز تاریخ اسلام میں جو واقعات پولٹیکل مقاصد کے لیے تراشے گئے تھے، اس میں داخل ہوگئے، تاہم زمانۂ مابعد میں جب تنقید کا معیار بلند ہوا تو بڑی حد تک اس قسم کی روایتیں ناقابلِ اعتبار قرار پائیں، چنانچہ ابن خلدون میں اس قسم کے افسانے نہیں ملتے،

غرض بعض ان غلط واقعات نے جن کا عوام کی زبانوں کے سوا تاریخ میں سرے سے کوئی وجود نہیں اور حد درجہ ضعیف اور کمزور روایتوں نے مل کر امیر معاویہؓ کی تصویر بہت بھیانک کردی، اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ ان غلط افسانوں اور کمزور تاریخی روایات کا پردہ ہٹا کر امیر معاویہؓ کی اصلی تصویر پیش کردی جائے تاکہ ان کی زندگی کے قابلِ اعتراض پہلو کے ساتھ روشن پہلو بھی نظر آجائیں، اور ان کی جانب سے عام طور پر جو غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں، وہ دور ہوجائیں،

لیکن ان واقعات کی تردید کا منشا امیر معاویہؓ کی بیجا حمایت یا ان کا اور جناب امیرؓ کا موازنہ نہیں ہے، ابن عم رسول، خلیفۂ راشد علی مرتضیٰ اور امیر شام کا مقابلہ ہی کیا ع "چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا" بلکہ اس کا مقصد صرف امیر معاویہؓ کی جانب تصحیح خیال اور ان غلط واقعات کی پردہ دری ہے جن کی شہرت عام نے بہت سے مسلمانوں کو ایک خیالی صورت سے بدظن کر رکھا ہے.

امیر معاویہؓ پر عموماً حسب ذیل الزامات لگائے جاتے ہیں، یا کم از کم عوام الناس کی زبانوں پر ہیں (۱) حضرت حسنؓ کے زہر دلوانے میں امیر معاویہؓ کا ہاتھ تھا (۲) بنی ہاشم اور اہل بیت نبوی کے ساتھ امیر معاویہؓ کا طرز عمل ناپسندیدہ تھا، (۳) جناب امیرؑ پر سب و شتم کرتے تھے (۴) صحابہ کو قتل کیا اور ان کی توہین کی (۵) ان کا طرز حکومت نہایت جابرانہ تھا، (۶) انھوں نے بیت المال کو ذاتی خزانہ بنا لیا تھا، اور اس کو اپنے اغراض میں اڑاتے تھے (۷) حکومت کے تمام منصبوں میں بنی امیہ کو بھر دیا تھا (۸) بہت سی بدعتیں جو خلفائے راشدین کے عہد میں نہ تھیں معاویہؓ نے جاری کیں۔

حضرت حسنؓ کی زہر خورانی | مذکورۂ بالا الزاموں میں حضرت حسنؓ کو زہر دلوانے کا الزام جس درجہ سنگین اور نفرت انگیز ہے، اسی قدر کمزور اور ناقابل اعتبار بھی ہے، اس الزام کی لغویت اس قدر عیاں ہے کہ اس کے باوجود اس کی شہرت پر حیرت ہوتی ہے آیندہ سطور میں اس کی روایتی اور درایتی دونوں حیثیتوں سے بحث کی جاتی ہے۔

اس کی روایتی حیثیت یہ ہے کہ اتنا بڑا اہم واقعہ جس پر مورخین کی نظر سب سے پہلے پڑنی چاہیے تھی، بعض قدیم مورخوں نے سرے سے لکھا ہی نہیں، اور جن مورخوں نے اس کا ذکر بھی کیا ہے تو محض روایت کی حیثیت سے، ورنہ وہ اس روایت کو خود لائق اعتماد نہیں سمجھتے، حتیٰ کہ تفضیلیہ مورخین بھی اس کو ناقابل اعتبار شمار کرتے ، درایتی حیثیت سے صورت واقعہ میں اتنا تضاد اور اشخاص کے ناموں میں اتنا شدید اختلاف ہے کہ یہ اختلاف ہی اس کی تردید کے لیے کافی ہے، اب علی الترتیب حدیث طبقات، رجال اور تاریخ سے اس کی حقیقت ملاحظہ ہو،

حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ مشہور محدث حاکم نیشاپوری کی مستدرک میں ہے

ان کی روایت یہ ہے :-

عن ام بکر بنت المسور قالت	ام بکر بنت مسور روایت کرتی ہیں کہ حسن بن
کان الحسن بن علی سُمّ مرارا	علیؓ کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا، لیکن ہر مرتبہ
کل ذلک یفلت حتی کانت	بچ گئے، اور آخری مرتبہ جب زہر دیا گیا
المرة الاخیرة التی مات فیھا	جس میں ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے جگر
فانہ کان یختلف کبدہ[1]	کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرتے تھے،

اس روایت میں زہر دینے کا واقعہ ہے، لیکن امیر معاویہؓ کیا معنی کسی زہر دینے والے کا نام نہیں، حافظ ذہبی کی تلخیص مستدرک میں بھی جو مستدرک کے ذیل میں ہے، بعینہ یہی روایت ہے۔ یہ حدیث کی شہادت ہے۔

اس کے بعد طبقات صحابہ پر نظر ڈالیے تو سلسلۂ طبقات کی مستند ترین کتاب استیعاب میں یہ روایت ملتی ہے[2]

قال قتادة وابو بکر بن حفص	قتادہ اور ابو بکر بن حفص کہتے ہیں کہ حسن
سُمّ الحسن بن علی رضی اللہ عنھما	بن علیؓ کو زہر دیا گیا، انکی بیوی جعدہ
سمتہ امرأتہ جعدة بنت الاشعث	بنت اشعث بن قیس کندی نے زہر دیا
بن قیس الکندی وقالت طائفة	تھا، اور ایک گروہ کہتا ہے کہ جعدہ
کان ذلک منھا بتدسیس	نے معاویہ کے اشارہ سے زہر دیا تھا ...
معاویة الیھا ... واللہ اعلم	..... واللہ اعلم

علامہ ابن عبد البر نے مذکورہ بالا دو روایتیں لکھی ہیں، لیکن دوسری روایت جس مشتبہ

۱؎ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۷۶، ۲؎ استیعاب ج اول ص ۱۴۴،

طور پر لکھی ہے، اس کا ضعف خود عبارت سے ظاہر ہے کہ "کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں"،

علامہ ابن اثیر اسد الغابہ میں لکھتے ہیں[1]،

وکان سبب موتہ ان زوجتہ	اور ان کی (حسنؓ) موت کا سبب یہ تھا کہ ان
جعدۃ بنت الاشعث بن قیس	کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے
سقتہ السم فکان توضع تحتہ	ان کو زہر پلا دیا تھا، اور چالیس دن تک
طست وتدفع اخری نحو	ان کے نیچے برابر ایک طشت رکھا جاتا تھا
اربعین یوماً فمات منہ	اور دوسرا اٹھایا جاتا تھا، اسی میں وہ
	انتقال کر گئے۔

اس روایت میں بھی جعدہ ہی کا نام ہے، اور امیر معاویہؓ کا کہیں ذکر نہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی اصابہ میں حضرت حسنؓ کے سنینِ وفات کے اختلاف بتانے کے بعد لکھتے ہیں[2]

ویقال انہ مات مسموماً	اور کہا جاتا ہے کہ انھوں نے (حسنؓ) زہر سے
قال ابن سعد اخبرنا	انتقال کیا، ابن سعد کی روایت ہے کہ مجھ
اسماعیل ...... عن عمیر	کو اسمٰعیل نے خبر دی ...... کہ عمیر بن اسحٰق
بن اسحاق دخلت انا وصاحب	کہتے تھے کہ میں اور میرے ایک ساتھی حسنؓ
لی علی الحسن بن علی فقال	کے پاس گئے، انھوں نے کہا کہ میرے جگر کے
لقد لفظت طائفۃ من	کچھ ٹکڑے گر چکے ہیں، اور مجھے کئی مرتبہ زہر پلایا
کبدی وانی قد سقیت	گیا، لیکن اس مرتبہ کے ایسا قاتل کبھی نہ

[1] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۵ [2] اصابہ ج ۲ ص ۱۳،

اسم مرار "فلم اسق مثل	تھا، اس کے بعد حسینؓ ان کے پاس
ھٰذا فاتاہ الحسین بن علی	آئے، اور پوچھا کس نے پلایا، لیکن انھوں
فسألہ من سقاہ فابی ان	نے بتلانے سے انکار کیا رحمۃ اللہ
یخبر رحمہ اللہ تعالیٰ	تعالیٰ

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن حجر نفس زہر ہی سے موت ہونے میں مشتبہ ہیں، چنانچہ زہر کی روایت "یقال" کر کے لکھتے ہیں، جو ضعف روایت کی علامت ہے، دوسری اہم روایت ابن سعد کی ہے جو طبقات صحابہ کے سب سے قدیم مولف ہیں اور جن کی کتاب طبقات ابن سعد طبقات کی قدیم ترین اور مستند ترین کتاب ہے، اور بعد کی تمام کتابیں اسی سے ماخوذ ہیں، مگر اس میں بھی کسی زہر دینے والے کا نام نہیں،

علامہ ابن حجر نے اصابہ کے علاوہ رجال کی مشہور کتاب تہذیب التہذیب میں بھی اس واقعہ کے متعلق دو روایتیں نقل کی ہیں، ان میں سے ایک روایت ابن سعد کی روایت خفیف لفظی تغیر کے ساتھ ہے، مگر صورت واقعہ بعینہ وہی ہے، جو اوپر لکھی گئی ہے، دوسری روایت اسد الغابہ کی ہے جو اوپر گذر چکی ہے[1]

طبقات اور رجال کے بعد تاریخ میں آئیے، تاریخ میں یہ واقعہ مشتبہ سے مشتبہ تر ہوجاتا ہے، کیونکہ تفضیلی مورخین بھی جنھیں امیر معاویہؓ کے مظالم و مثالب اور اہل بیت کی مظلومیت دکھانے میں خاص لطف آتا ہے امیر معاویہؓ کے ساتھ زہر خورانی کی نسبت کو صحیح نہیں سمجھتے حتیٰ کہ بعضوں نے سرے سے زہر خورانی کا واقعہ ہی نہیں لکھا ہے، چنانچہ سب سے قدیم تفضیلی مورخ علامہ احمد بن ابی داؤد دینوری المتوفی ۲۸۱ھ جو اپنی قدامت کی وجہ سے مستند

---

[1] دیکھو تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۰۱، [2] اخبار الطوال ۲۲۴، ۲۳۵،

مورخ مانے جاتے ہیں، اپنی کتاب اخبار الطوال میں سرے سے اس واقعہ ہی کا تذکرہ نہیں کرتے اور حضرت حسن رض کی وفات کے حالات اس طرح لکھتے ہیں،

ثم ان الحسن اشتکی بالمدینة فثقل وکان اخوہ محمد بن الحنفیة فی ضیعة له فارسل الیه فوافی فدخل علیه فجلس عن یسارہ والحسین عن یمینه ففتح الحسن عینه فراٰهما فقال للحسین یا اخی اوصیك بمحمد اخیك خیرا فانه جلدة ما بین العینین ثم قال یا محمد وانا اوصیك بالحسین کانفه و وازرہ ثم قال ادفنونی مع جدی صلعم فان منعتم فالبقیع ثم توفی فمنع مروان ان یدفن مع النبی صلعم فدفن فی البقیع

پھر حسن رض مدینہ میں بیمار پڑے اور حالت خراب ہو گئی، تو انکے بھائی محمد بن حنفیہ کو جو اس وقت اپنی زمینداری پر تھے، بلایا گیا۔ وہ حسن رض کی وفات کے پہلے پہونچ گئے اور حسن رض کے پاس آکر ان کے بائیں جانب بیٹھے، حسین رض داہنے جانب تھے، حسن رض نے آنکھ کھولی اور ان دونوں کو دیکھکر حسین رض سے کہا برادر عزیز میں تم کو تمہارے بھائی محمد سے حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ وہ دونوں آنکھوں کے درمیانی چمڑہ کی طرح عزیز ہیں، پھر محمد بن حنفیہ سے کہا محمد میں تمکو وصیت کرتا ہوں کہ تم حسین رض کے گرد جمع ہوکر انکی مدد کرنا، پھر کہا کہ مجھ کو میرے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کرنا، اور اگر تمکو روکا جائے تو بقیع میں دفن کر دینا، چنانچہ آپکی وفات کے بعد مروان نے نبی صلعم کیساتھ دفن کرنے سے روکا تو وہ بقیع میں دفن کئے گئے۔

اس واقعہ میں شروع سے آخر تک کہیں سرے سے زہر خورانی کا تذکرہ نہیں ہے

ان کے بعد دوسرے مستند اور تفضیلیے مورخ علامہ ابن واضح کاتب عباسی المعروف بہ یعقوبی جو تیسری صدی کے نہایت ممتاز مورخ ہیں، اپنی مشہور کتاب تاریخ یعقوبی میں حضرت حسنؓ کی وفات کا یہ واقعہ لکھتے ہیں[۱]:-

وتوفی الحسن بن علی فی شھر ربیع	اور حسنؓ بن علیؓ نے ربیع الاول ۴۹ھ
الاول ۴۹ سنہ ولما حضرتہ	میں وفات پائی جب وفات کا وقت قریب آیا تو
الوفاۃ قال لاخیہ الحسین	اپنے بھائی حسینؓ سے کہا، برادر عزیز! یہ تیری
یااخی ان ھذہ اخر ثلثہ مرار	مرتبہ کا آخری مرتبہ ہے جس میں مجھے زہر پلایا گیا
سقیت فیھا السم ولم اسقہ	لیکن اس مرتبہ کے جیسا کبھی نہ تھا، بس آج ہی
مثل مرتی ھذا وانا میت من	مرجاؤں گا جب میں مرجاؤں تو مجھکو رسول اللہ
یومی فاذا انامت فادفنی مع	کے ساتھ دفن کرنا کہ میری قرابت قریبہ کی وجہ
رسول اللہ فما احد اولی بقربہ	سے میرے مقابلہ میں کوئی اس کا مستحق نہیں ہے،
منی الا ان تمنع من ذلک	البتہ اگر تم روکے جاؤ تو ایک پچھنے کے برابر بھی
فلا تسفک فیہ محجمۃ دم	خونریزی نہ کرنا،

اس میں بھی کسی زہر دینے والے کا نام نہیں،

یعقوبی کے بعد تیسرے مستند ترین تفضیلیے مورخ علامہ مسعودی المتوفی ۳۴۶ھ جو اپنے وسعت علم اور جامعیت کے لحاظ سے مورخین میں ممتاز پایہ رکھتے ہیں اپنی مشہور معروف کتاب مروج الذہب میں تحریر کرتے ہیں[۲]:-

---

[۱] یعقوبی ج ۲ ص ۲۶۶　[۲] مروج الذہب مسعودی ج ص ۲۸۰، ۲۸۱،

علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب
قال دخل الحسینؓ علی
عمی الحسین بن علی لما سقی السم
فقام لحاجة الانسان ثم رجع
فقال لقد سقیت السم عدة
مرار فما سقیت مثل هذه
لقد لفظت طائفة من کبدی
فرأیتنی اقلبه بعود فی
یدی فقال له الحسین یا اخی
من سقاك قال وما ترید
بذلك فان کان الذی اظنه
فالله حسیبه وان کان
غیره فما احب ان یؤخذ بی
بریٔ فلم یلبث بعد ذلك
الا ثلاثا حتی توفی وذکر
ان امراته جعدة بنت الاشعث
ابن قیس الکندی سقته السم
وقد کان معاویة دس
الیها

علی بن حسینؓ بن علی بن ابی طالب (زین
العابدین) بیان کرتے ہیں کہ حسینؓ میرے
چچا حسنؓ بن علی کے پاس انکے زہر پلانے
کے وقت گئے، تو حسنؓ قضائے حاجت کے
لئے گئے، وہاں سے لوٹ کر کہا کہ مجھے کئی مرتبہ
زہر پلایا گیا، لیکن اس مرتبہ کے ایسا کبھی
نہ تھا، اس میں میرے جگر کے ٹکڑے باہر آگئے،
تم مجھے دیکھتے کہ میں انکو اپنے ہاتھ کی لکڑی سے
الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا، حسینؓ نے پوچھا
بھائی صاحب کس نے پلایا؟ حسنؓ نے کہا،
اس سوال سے تمہارا کیا مقصد ہے، اگر زہر
دینے والا وہی شخص ہے جس کے متعلق میرا
گمان ہے تو خدا اس کے لئے کافی ہے، اور
اگر دوسرا ہے تو میں یہ نہیں پسند کرتا کہ میری وجہ
سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے، اسکے بعد
حسنؓ زیادہ نہ ٹھہرے اور تین دن کے بعد
انتقال کر گئے، اور ذکر کیا جاتا ہے کہ انکی
بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے معاویہؓ
کے اشارہ سے زہر پلایا تھا،

اس روایت کے دو حصے ہیں، اصل حصہ میں کسی زہر دینے والے کا نام نہیں، دوسرے ٹکڑے میں جو محض روایتی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے، جیسا کہ اس کا طرزِ تحریر شاہد ہے، اس میں امیر معاویہؓ کا نام ہے، لیکن اس روایتی ٹکڑے کی جو حیثیت ہے وہ "ذُکر" کے لفظ سے ظاہر ہے "ذکر" عربی زبان میں اسی واقعہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جو نہایت کمزور ہوتا

مذکورۂ بالا شہادتیں، ان تفضیلیے مورخین کی ہیں جنھیں اہلِ سنت بھی عام واقعات میں مستند سمجھتے ہیں، اب ان خاص سنی مورخین کی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں جنھیں شیعہ بھی مستند مانتے ہیں، اس سلسلہ میں سب سے اول محدث ابن جریر طبری کا نام سامنے آتا ہے، یہ واقعہ مجھے طبری میں باوجود تلاش کے کہیں نہیں ملا، طبری کے بعد ابن اثیر کا نمبر ہے، وہ لکھتے ہیں[1]:۔

فی ھذہ السنۃ توفی الحسن	اور اسی سنہ (۴۹ھ) حسنؓ بن علی نے
ابن علی سمتہ زوجتہ جعدۃ	وفات پائی۔ ان کو انکی بیوی جعدہ بنت
بنت الاشعث بن قیس الکندی	اشعث بن قیس کندی نے زہر دیا تھا،

ابن اثیر کے بعد ابو الفداء کا بیان ہے[2]:۔

وتوفی الحسنؓ من سم سقتہ	اور حسنؓ نے زہر سے وفات پائی جسے ان کی
زوجتہ جعدۃ بنت الاشعث	بیوی جعدہ بنت اشعث نے پلایا تھا اور
قیل فعلت ذلک بامر معاویۃ	کہا گیا ہے کہ اس نے یہ فعل معاویہؓ کے حکم سے
وقیل بامر یزید	کیا تھا، اور کہا گیا ہے کہ یزید کے حکم سے کیا تھا،

اس بیان سے ظاہر ہے کہ ابو الفداء بھی امیر معاویہؓ کی جانب زہر خورانی کی نسبت صحیح

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۸۳ طبع یورپ　[2] ابو الفداء ج اول ص ۱۸۳

نہیں سمجھتا، اس لیے پہلے اس نے اپنی رائے لکھی، اس کے بعد دوسری روایت محض روایتی حیثیت سے "قیل" کے ساتھ نقل کی ہے جو ضعف روایت کی دلیل ہے،

سب سے آخر میں ابن خلدون کی رائے پیش کی جاتی ہے، گو زمانہ کے لحاظ سے اس کا شمار متاخرین میں ہے، لیکن صحت روایت، اصابت رائے اور تنقید کے اعتبار سے تمام مورخین میں ممتاز ہے، خصوصاً مشتبہ اور مختلف فیہ واقعات میں اس کی رائے فیصلہ کا حکم رکھتی ہے، کیونکہ یہ اس قسم کے واقعات کی تنقید بھی کرتا ہے، وہ دنیا میں فلسفۂ تاریخ کا امام ہے، اور وہ پہلا شخص ہے جس نے دنیا کو فلسفۂ تاریخ سے آشنا کیا، چنانچہ حضرت حسنؓ کی دست برداری کے سلسلہ میں لکھتا ہے[1]:-

ثم ارتحل الحسن فی اهل بیته	حسنؓ (خلافت سے دستبرداری کے بعد) اپنے
وحشمهم الی المدینة وخرج	اہلبیت اور انکے خدام کو لیکر مدینہ چلے گئے اور
اهل الکوفة لوداعه باکین	کوفہ والے روتے ہوئے انکو رخصت کرنے کے لئے
فلم یزل مقیما بالمدینة الی	نکلے، اسوقت سے وفات تک وہ برابر مدینہ میں
ان هلك سنة تسع واربعین	مقیم رہے، ۴۹ھ میں انھوں نے وفات پائی،
وقال ابوالفرج الاصفهانی سنة	اور ابوالفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ ۵۱ھ
احدی وخمسین علی فراشه	میں اپنے بستر پر مدینہ میں وفات پائی اور
بالمدینة وما ینقل عن معاویة	یہ روایت کہ معاویہؓ نے انکی بیوی سے مل کر
دس الیه السم مع زوجته جعدة	زہر دلایا، شیعوں کی بنائی ہوئی ہے، حاشا
بنت الاشعث فهو من احادیث	معاویہؓ کی ذات سے اسکو کوئی تعلق نہیں،
الشیعة لمعاویة من ذالك	

---

[1] ابن خلدون ج ۲ ص ۱۸۲

ان تمام مستند تاریخی شہادتوں کے بعد آخر میں یہ بحث تاریخ اسلام کے مشہور مجدد علامہ ابن تیمیہ حرانی کے فیصلہ پر ختم کی جاتی ہے، وہ لکھتے ہیں :۔

"بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ حسن رضؓ کو معاویہ رضؓ نے زہر دیا تھا کسی شرعی دلیل اور معتبر اقرار سے ثابت نہیں ہے، اور نہ کوئی قابل وثوق روایت سے اسکی شہادت ملتی ہے اور یہ واقعہ ان واقعوں میں ہے جس کی تہ تک نہیں پہونچا جا سکتا، اسلیے اس کے متعلق کچھ کہنا بے علم کی بات کہنا ہے، ہم نے اپنے زمانہ میں ایسی مثال دیکھی ہے کہ ایک شخص کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ زہر سے مرا، اور ترکوں وغیرہ نے اسکو زہر دیا، لیکن اس واقعہ میں لوگوں کا بیان اس درجہ مختلف ہے کہ اس بادشاہ کی جائے وفات اور قلعہ کی تعیین میں بھی اختلاف ہے، جس میں وہ مرا، اور اس بارہ میں ہر شخص کا بیان ایک، دوسرے سے مختلف ہے، ایک شخص کا کہنا ہے کہ فلاں نے زہر دیا، دوسرا کہتا ہے کہ اس نے نہیں بلکہ دوسرے شخص نے زہر دیا، کیونکہ یہ اس طرح پیش آیا،" یہ واقعہ حال کا اور ہمارے زمانہ کا ہے، اور اس کے بیان کرنے والے وہ لوگ ہیں، جو اس بادشاہ کے قلعہ میں موجود تھے، حضرت حسن رضؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کو زہر دیا گیا، اور یہ ایسی موت ہے جس کا آسانی سے پتہ چل سکتا ہے، کیونکہ مسموم کی موت چھپی نہیں رہتی، لیکن اسکے ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی بیوی نے زہر دیا، اور یہ مسلّم ہے کہ ان کی وفات مدینہ میں ہوئی، اور معاویہ رضؓ شام میں تھے، اس لئے زیادہ سے زیادہ کوئی بدگمان یہ گمان کر سکتا ہے، کہ معاویہ رضؓ نے اس کے پاس زہر بھیج کر اس کو کھلانے کا حکم دیا، دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حسن رضؓ بکثرت طلاقیں دیتے تھے، اور کبھی ایک عورت کے پاس نہیں رہتے تھے، اسلیے ان کی بیوی نے فطرتِ نسوانی کے تحت عداوت میں انکو

زہر دیدیا، تیسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس عورت کا باپ اشعث بن قیس
در پردہ حضرت علیؓ اور حسنؓ کا مخالف تھا، اس لیے اس نے اپنی لڑکی کے ذریعہ سے
زہر دلوا دیا، اب اگر یہ کہا جائے کہ اشعث کو امیر معاویہؓ نے حکم دیا تھا تو یہ محض بدگمانی
ہوگی جو مذہباً ممنوع ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ظن اکذب الحدیث ہے اور
باتفاق مسلمین شرعاً اور قانوناً بھی ظن پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا، اسلئے مدحاً اور
ذماً اس پر کوئی حکم مترتب نہیں ہوتا، اور تیسرا سبب صریحاً باطل ہے کیونکہ باختلاف
روایت اشعث ابن قیس ۴۰ھ یا ۴۱ھ میں مرا، اسی لئے حسنؓ اور معاویہؓ کی صلح کے
سلسلہ میں کہیں اس کا نام نہیں آیا ہے، اور یہ صلح عام الجماعت ۴۱ھ میں ہوئی ہے، اگر
اسوقت زندہ ہوتا تو اس کا نام کسی نہ کسی سلسلہ میں ضرور آتا، اسلئے وہ اپنی موت
کے دس سال بعد کس طرح اپنی لڑکی سے زہر دلا سکتا تھا، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال[1]"۔
ان شہادتوں کے بعد اس واقعہ پر مزید ردو قدح کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی اس کے
متعلق تمام تاریخی شواہد کی اصل عبارتیں مع ترجمہ ناظرین کے سامنے پیش کردی گئیں، وہ انھیں
دیکھ کر خود حق و باطل کا فیصلہ کر سکتے ہیں، لیکن اس بحث کے ختم کرنے سے پہلے ایک ضروری
پہلو کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے، یہ مسلّم ہے کہ حضرت حسنؓ نہایت صلح جو اور صلح
پسند تھے، جنگ و جدل سے انھیں طبعی نفرت تھی، اور اسی سے بچنے کے لیے خلافت
جیسے رفیع اعزاز سے دستبردار ہو گئے تھے، آپ کی دستبرداری کے بعد خانوادۂ
نبوت کے جس شخص میں کسی حد تک خلافت کی خواہش تھی، تو وہ حضرت حسینؓ
کی ذات گرامی تھی، چنانچہ آپ نے حضرت حسنؓ اور امیر معاویہؓ کی مصالحت

---

[1] منہاج السنہ ج ۲ ص ۲۲۵

اور حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے وقت آپ کی مخالفت بھی کی تھی، لیکن حضرت حسنؓ نے انھیں ڈانٹ کر خاموش کر دیا تھا۔ اس لیے اگر امیر معاویہؓ آئندہ خطرہ سے بچنے کے لیے زہر دلواتے بھی تو حسینؓ کو جن کی طرف سے ان کو دعویٰ خلافت کا خطرہ تھا جیسا کہ انھوں نے اپنے وصیت نامہ میں یزید کو آگاہ کیا تھا۔ یا حسنؓ کو جو ان کے حق میں دستبردار ہو گئے تھے، غرض عقلی اور نقلی دونوں حیثیتوں سے یہ روایت ناقابل اعتبار بلکہ بالکل بے حقیقت ہے۔

(۲) دوسرا الزام بنو ہاشم کے ساتھ عموماً اور اہل بیت نبویؐ کے ساتھ خصوصاً بدسلوکی کا لگایا جاتا ہے، لیکن یہ الزام بھی صریح افترا اور بہتان ہے، ممکن ہے، خاندانی عصبیت کی وجہ سے امیر معاویہؓ بنو ہاشم کو اچھا نہ سمجھتے ہوں، لیکن ان کے ظاہری اعزاز و احترام میں انھوں نے کبھی کوئی فرق نہیں آنے دیا، خصوصاً حسنؓ کی دستبرداری کے بعد وہ بنو ہاشم سے جس حسن سلوک اور تحمل سے پیش آتے تھے، وہ نہ صرف قابلِ ستائش بلکہ حد درجہ حیرت انگیز ہے، یہ ممکن ہے کہ ان کا یہ طرز عمل پولیٹکل اغراض کی بنا پر ہو، لیکن اس سے کوئی واقف کار حق پرست انکار نہیں کر سکتا کہ امیر معاویہؓ کا طرز عمل بنو ہاشم اور اہل بیت نبویؐ کے ساتھ حد درجہ شریفانہ اور متحملانہ تھا،

اب واقعات سے اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں، جب حسنؓ خلافت سے دستبردار ہوتے ہیں تو شرائط صلح میں ایک اہم دفعہ یہ ہوتی ہے کہ تمام بنی ہاشم کو وظائف دیئے جائیں گے اور ان وظائف میں انھیں بنی امیہ کے افراد پر ترجیح حاصل ہوگی۔

خود وفات کے وقت انھوں نے حضرت حسینؓ کے بارہ میں جو وصیت کی تھی وہ

خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں، کہ "عراق والے حسینؓ کو تمہارے مقابلہ میں لاکر چھوڑیں گے، لیکن جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں، اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگذر سے کام لینا، کیونکہ وہ قرابت دار ہیں، ان کا بڑا حق ہے، اور وہ رسول اللہ کے عزیز ہیں"[۱]

بنو ہاشم کو ان کی ضرورت کے اوقات میں بڑی بڑی رقمیں دیتے تھے، اور اس احسان کے باوجود ان کی درشت کلامی بھی برداشت کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے برادر اکبر حضرت عقیل کو ۴۰ ہزار روپیہ کی ضرورت ہوئی، یہ حضرت علیؓ کے پاس گئے، یہاں کیا تھا، آپ نے اپنے وظیفہ کی برآوردتک انتظار کرنے کو کہا، لیکن ان کا وظیفہ کی رقم ان کی ضروریات کے مقابلہ میں بہت قلیل تھی، پھر اس کے لیے وقت درکار تھا، اس لیے عقیل معاویہؓ کے پاس پہنچے، امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا، تم نے علیؓ کو کیسا پایا، جواب دیا، رسول اللہ صلعم کے صحیح صحابی ہیں۔ بس صرف اس قدر کمی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان میں نہیں ہیں اور تم اور تمہارے حواری ابو سفیان اور اس کے حواریوں کی طرح ہو، امیر معاویہؓ نے اپنے باپ پر یہ طعن سننے کے بعد بھی انھیں پچاس ہزار درہم دیئے[۲]

خصوصاً حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے ساتھ اس رقم کے علاوہ جو انکو شرائط صلح کے مطابق دیتے تھے، برابر سلوک ہوتے رہتے تھے اور ایک مشت کئی کئی لاکھ دیدیتے تھے، ابن کثیر نے ان دونوں بھائیوں کے ساتھ امیر معاویہؓ کی فیاضی کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں[۳]، حضرت علیؓ کے بھتیجے عبداللہ بن جعفر کو کئی لاکھ سالانہ دیتے تھے، اس کے علاوہ جب وہ کوئی ضرورت بیان کرتے تھے، تو اس کو پورا کرتے تھے[۴]

---

[۱] طبری ج ۷، ص ۱۹۷، والفخری ص ۳۔ [۲] اسد الغابہ ج ۳، ص ۴۲۳ [۳] تفصیل کے لیے دیکھو ابن کثیر البدایہ و النہایہ ج ۸، ص ۱۳۷ [۴] ایضاً

بنو ہاشم کے مرد تو مرد عورتیں تک امیر معاویہؓ کے روبرو انھیں سخت الفاظ کہتی تھیں، امیر نہایت تحمل سے ان کو سنتے تھے اور ان کی فرمائشیں پوری کرتے تھے، ایکمرتبہ حضرت علیؓ کی چچیری بہن اروی ان کے پاس آئیں، معاویہؓ نے نہایت خندہ پیشانی سے استقبال کیا، اور کہا خالہ مرحبا، مزاج گرامی کیسا ہے، انھوں نے جواب دیا اچھی ہوں اور اہل بیت کے فضائل اور معاویہؓ کی مذمت پر ایک پرجوش تقریر کی، عمرو بن العاص بیٹھے تھے، ان سے نہ سنا گیا، بول اٹھے کہ گمراہ بوڑھی تیری عقل جاتی رہی ہے، زبان بند کر، اروی نے اس کے جواب میں عمرو بن العاصؓ کی بری طرح خبر لی، اور ان کی ماں اور ان کے نسب کے متعلق نہایت فحش باتیں سنا کر بولیں، کہ تیری یہ مجال کہ میرے سامنے منہ کھولے، امیر معاویہؓ نے درمیان میں پڑکر دونوں کو خاموش کر دیا، کہ اب گذشتہ ہوئی باتوں کو جانے دیجئے اور اپنی ضرورت بیان کیجئے، اروی نے کہا مجھ کو ۶ ہزار دینار کی ضرورت ہے، ۲ ہزار مفلس بنی حارث کے واسطے نہر خریدنے کے لیے، اور دو ہزار ان کے ناداروں کی شادی میں صرف کرنے کے لیے، اور ۲ ہزار وقت بے وقت کی ضرورتوں کے لیے، امیر معاویہؓ نے اسی وقت چھ ہزار کی رقم ان کے حوالہ کی اور یہ اس کو لیکر واپس گئیں[1]۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو ہاشمی خاندان کے بڑے صاحب کمال و صاحب دماغ بزرگ تھے، بنی امیہ کے ساتھ تعصب رکھتے تھے، اور ان کی یہ روش شروع سے آخر تک برابر قائم رہی، اور جب جب بنی امیہ اور بنی ہاشم کے مقابلہ کا سوال ہوا تو حضرت عبداللہ کی عصبیت ظاہر ہوتی رہی، چنانچہ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی حمایت میں میدان جنگ میں آئے، اور بصریوں کی ایک جماعت اپنے ساتھ لائے جو

---

[1] ابوالفداء ج اول ص ۱۸۸،

نہیں ہوتا، حضرت علیؓ اپنی تحریروں اور تقریروں میں سخت سے سخت الفاظ ان کے لیے استعمال کرتے تھے، آج بھی آپ کے خطبات اس کے شاہد عادل ہیں، حضرت علیؓ تو خیر ان سے بلند و برتر تھے، ان کے منہ پر یہ باتیں زیب بھی دیتی تھیں، لیکن وہ حجر بن عدیؓ بھی جو معاویہؓ کی خاک کے برابر بھی نہ تھے کوئی بدکلامی امیر کی شان میں اٹھا نہ رکھتے تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ دو مقابل کے حریفوں میں ایک کا بدگوئی کا الزام دوسرے پر رکھنا فطرت انسانی سے تجاہل کا ثبوت ہے، یہ تقاضائے فطرت ہے کہ جب دو آدمیوں کا اختلاف دشمنی کی حد تک پہنچ جاتا ہے، تو دونوں اخلاقی حدود کو توڑ کر ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر اتر آتے ہیں، اس لیے امیر معاویہؓ یا حضرت علیؓ پر ایک دوسرے کے سب و شتم کا الزام رکھنا فطرت انسانی پر الزام ہے، غالباً ناظرین کو یہ معلوم کرکے حیرت ہوگی کہ امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں جنگ آزما ہونے کے بعد بھی ان کے تمام فضائل کے معترف تھے، اور انھوں نے بارہا اور برملا ان کا اعتراف کیا، جنگ صفین کی تیاریوں کے وقت جب ابو مسلم خولانی انکو سمجھانے کے لیے گئے، اور کہا معاویہ میں نے سنا ہے کہ تم علیؓ سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہو، تم کو سبقت اسلام کا شرف حاصل نہیں ہے، پھر کس برتے پر اٹھو گے تو انھوں نے صاف صاف اعتراف کیا کہ مجھے اس کا دعویٰ نہیں ہے کہ میں فضل میں ان کے مثل ہوں، میں تو صرف قاتلین عثمانؓ کو مانگتا ہوں[1]، اپنی وفات کے کچھ دنوں پہلے انھوں نے مجمع عام میں جو تقریر کی تھی اس کے الفاظ یہ تھے، کہ "میرے بعد آنے والے مجھ سے بہتر نہ ہوں گے، جیسے کہ میں اپنے پیش روؤں سے بہتر نہیں ہوں"[2]

وہ نہ صرف حضرت علیؓ بلکہ خاندان بنی ہاشم کے شرف و فضیلت کے معترف تھے،

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۶۲، [2] ابن اثیر ج ۴ ص ۳ خطبہ یزید۔

امیر معاویہؓ نے ان کو بلانا چاہا، لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔[1]

حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ دونوں عشرہ مبشرہ میں تھے، اور جنگ جمل کے ہیرو تھے، لیکن آغاز جنگ کے بعد میدان سے نکل آئے، اور بدبختوں نے ان کی واپسی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر شہید کر دیا۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو اپنے فضل و کمال اور زہد و ورع کے لحاظ سے اپنے عہد میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے، جنگ جمل و صفین کسی میں بھی شریک نہ ہوئے، لیکن چونکہ حضرت علیؓ کو حق پر سمجھتے تھے اس لیے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی، مگر آپ سے یہ شرط کر لی تھی کہ وہ جنگ میں ساتھ نہ دیں گے، اور جناب امیرؓ نے انھیں اسکی اجازت بھی دیدی تھی۔[3]

حضرت اسامہ بن زیدؓ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب و اختصاص کی وجہ سے رکن اہل بیت ہونے کی حیثیت حاصل تھی، جنگ صفین سے بالکل کنارہ کش رہے، اور حضرت علیؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ شیر کی داڑھ میں گھستے تو میں بھی آپ کے ساتھ گھس جاتا لیکن اس معاملہ میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا۔[4]

حضرت احنف بن قیسؓ جب حضرت علیؓ کی امداد کے لیے آ رہے تھے، تو اتفاق سے حضرت ابوبکرہؓ سے ملاقات ہو گئی، انھوں نے ان کو روکا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو مسلمان آپس میں لڑیں تو دونوں جہنمی ہیں۔[5]

حضرت عمران بن حصین جن کا شمار فضلاء اور فقہائے صحابہ میں تھا، خانہ جنگی میں حصہ لینا پسند نہ کرتے تھے۔[6]

۱؎ ابن سعد جزء ۳ ص ۲۴۷ ۲؎ مستدرک حاکم ج ۳ ص مناقب حضرت زبیرؓ ۳؎ ایضاً ص ۱۱۵ ۴؎ بخاری ج ۲

۵؎ ابن سعد ۶؎ بخاری کتاب الفتن باب اذا التقی المسلمان بسیفیہما ۷؎ ابن سعد جزء ۴ ص ۵۷ و استیعاب ج ۲ ص ۴۶۸

جب جنگ صفین کے لیے حضرت علی رضؓ نے تیاریاں شروع کیں اور منبر پر چڑھ کر لوگوں کو شرکتِ جنگ پر آمادہ کرنا شروع کیا تو بہت سے لوگ آمادہ ہو گئے، لیکن عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھیوں اور شاگردوں نے کہا "امیر المومنین ہم کو آپ کے فضائل کا اعتراف ہے، لیکن اس قتال میں ہمیں شبہ ہے (یعنی اس جنگ میں شرکت جائز ہے یا ناجائز) اسلیے ہمیں اس میں شرکت کرنے کے بجائے مسلمانوں کے لئے سرحدوں کا والی بنا دیجئے" اس جواب پر آپ نے پھر کوئی اصرار نہیں کیا، اور ان کی مرضی کے مطابق قزوین و رے وغیرہ کی سرحدوں پر مامور کر دیا۔[1]

بعض صحابہ ایسے بھی تھے جو شریک تو ہو گئے تھے، مگر چونکہ دل سے مسلمانوں کیساتھ جنگ کرنا برا سمجھتے تھے، اس لیے آخر تک مذبذب رہے، اور اس تذبذب کی وجہ سے وہ شرکت کے باوجود میدان جنگ میں ناکام رہے، چنانچہ حضرت سہیل رضؓ بن حنیف جنگِ صفین میں حضرت علی رضؓ کے ساتھ تھے، لیکن لوگ ان پر جنگ سے پہلو تہی کا الزام لگاتے تھے، چنانچہ جب یہ صفین سے لوٹے اور لوگ ان سے سوالات پوچھنے آئے تو انھوں نے اپنی صفائی پیش کی اور کہا کہ ہم نے جب کبھی کسی مہم کے لئے کندھے پر تلوار رکھی تو خدا نے آسان کر دی، لیکن یہ جنگ ایسی ہے کہ جب ہم مشک کا ایک منہ بند کرتے ہیں تو دوسرا کھل جاتا ہے،[2]

ان واقعات کے لکھنے کا مقصد یہ نہیں کہ صحابہ کرامؓ بالکل خانہ جنگیوں میں شریک ہی نہ تھے، اس سے انکار نہیں کہ بہت سے صحابہ شریک تھے، لیکن یہ شرکت کسی ایک فریق کے ساتھ مخصوص نہ تھی، سوال صرف کثرت و قلت کا تھا، جب دونوں طرف صحابہ تھے تو کسی ایک فریق پر قتلِ صحابہ کا الزام رکھنا کس طرح صحیح ہے؟ اور

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۷۵ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ حدیبیہ

پھر جب دو حریف میدان میں آتے ہیں، تو دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے ہیں، اس لیے اس وقت رتبہ کا سوال نہیں رہ جاتا کہ فلاں آدمی کو مارنا چاہیے کہ وہ عامی ہے، اور فلاں کو نہ مارنا چاہیے کہ وہ صحابی ہے، جنگ میں یہ تمام فرق و امتیازات اٹھ جاتے ہیں،

اس الزام کا دوسرا ٹکڑا یعنی کہ امیر معاویہ رضؓ نے صحابہ کے ساتھ ناروا سلوک کیا، صحیح نہیں مطلقاً صحابہ کا تو سوال الگ ہے، خود ان صحابہ کے ساتھ جو حضرت علی رضؓ کے ساتھ تھے امیر معاویہؓ کا کوئی نازیبا سلوک نہیں بتایا جا سکتا ہے، خود بنو ہاشم جو تمام تر حضرت علی کے ساتھ تھے، اور بہت سے اکابر قریش جو کم از کم امیر معاویہ رضؓ کے مخالف تھے، انکے ساتھ امیر معاویہ رضؓ کے حسن سلوک کے واقعات اوپر گذر چکے ہیں کہ وہ انکی تلخ سے تلخ باتیں سنتے تھے، اور پی جاتے تھے، بلکہ ان کے جواب میں انھیں ہدایا و تحائف دیتے تھے، اور ان کی امداد کرتے تھے، صحابہ کی جو جماعت صفین میں حضرت علی رضؓ کے ساتھ تھی ان میں زیادہ تر انصاری تھے، اسلیے فطرت کا تقاضا تھا کہ امیر معاویہ رضؓ اپنے زمانہ حکومت میں انصار سے اسکا بدلہ لیتے یا کم از کم انکے ساتھ جو برائی کر سکتے تھے کرتے لیکن ایک مثال انصار کیساتھ بدسلوکی کی نہیں ملتی، بلکہ اسکے برعکس وہ انکی سختیاں برداشت کرتے تھے، اور حسن سلوک ہوتے تھے،

ایک مرتبہ انھوں نے ایک انصاری کے پاس پانسو دینار بھیجے، ان بزرگ نے اس کو کم سمجھا اور اپنے لڑکے کو قسم دلا کر کہا کہ اسکو لیجا کر معاویہ رضؓ کے منہ پر کھینچ کے مارو اور واپس کر دو چنانچہ یہ صاحبزادے تھیلی لیکر امیر معاویہ رضؓ کے پاس آئے اور کہا امیر المومنین میرے والد بڑے تند مزاج ہیں، انھوں نے قسم دلا کر مجھے ایسا ایسا حکم دیا ہے، اب میں اس حکم کی کس طرح مخالفت کروں؟ امیر معاویہ رضؓ نے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ کے کہا کہ بیٹے اپنے باپ کا حکم پورا کرو لیکن اپنے چچا کے ساتھ نرمی کرنا یعنی زور سے کھینچ کر نہ مارنا، لڑکا یہ حلم دیکھکر شرما گیا، اور تھیلی پھر پھینک دی، اسکے بعد امیر معاویہ رضؓ نے رقم دونی کر کے پھر دوبارہ ان انصاری بزرگ کے پاس بھجوائی، یہ دیکھ کر ان

واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ بپھرا ہوا آیا اور کہا کہ آپ کا حلم اب اتنا بڑھتا جاتا ہے کہ کمزوری اور بزدلی بنجانے کا خوف ہے، انھوں نے جواب دیا کہ بیٹے حلم کی وجہ سے کبھی ندامت اور ذلت نہیں اٹھانا پڑتی، تم اپنے طرز پر رہو، لیکن مجھے میری رائے پر چھوڑ دو[1]، علامہ ابن طقطقی لکھتے ہیں، کہ معاویہ رضہ پر حلم غالب تھا، اور اسی کی وجہ سے ان مہاجرین وانصار کے لڑکوں کی گردنیں جو اپنے کو معاویہ رضہ سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے انکے سامنے جھک گئی تھیں[2]،

ایک مرتبہ امیر معاویہ رضہ مدینہ گئے، حضرت ابوقتادہ رضہ سے ملاقات ہوئی، امیر نے ان سے پوچھا کہ تمام اہل مدینہ مجھ سے ملے، مگر انصار نہیں ملے، انھوں نے جواب دیا سواری نہ تھی، معاویہ رضہ نے پوچھا کیوں؟ سواریں کیا ہوئیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ بدر کے دن تمھاری اور تمھارے باپ کی تلاش میں فنا ہوگئیں، پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں سے فرمایا تھا، کہ تم لوگ ہمارے بعد ترجیح دیکھوگے، معاویہ رضہ نے پوچھا، پھر ایسی حالت میں تھیں کس چیز کا حکم دیا تھا، بولے، فرمایا تھا، صبر کرنا، معاویہ رضہ نے کہا اچھا صبر کرو[3]،

اکثر صحابہ ان کو ان کی لغزشوں پر ٹوکتے تھے اور سرزنش کرتے تھے، لیکن انھوں نے کبھی ان کو کوئی سخت جواب نہیں دیا، بلکہ ہمیشہ اپنی کمزوری دور کرنے کی کوشش کی،

ایک مرتبہ حضرت مقدام رضہ بن معدیکرب، عمرو بن اسود اور بنی اسد کا ایک آدمی تینوں ان کے پاس وفد کی صورت میں آئے، مقدام رضہ نے کہا معاویہ رضہ میں چند باتیں کہنا چاہتا ہوں، اگر سچ ہوں تو ماننا اور جھوٹ ہوں تو رد کر دینا، انھوں نے کہا فرمایئے، مقدام رضہ نے کہا میں تم سے خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حریر پہننے سے منع نہیں کیا، کہا ہاں، پوچھا میں تم کو قسم دلا کر پوچھتا ہوں، تم نے آنحضرت صلی اللہ

---

[1] الفخری ص ۹۶، [2] ایضاً ص ۵۶، ۹۷، [3] تاریخ الخلفاء سیوطی:

علیہ وسلم سے سونے کے استعمال کی ممانعت نہیں سنی؟ کہا ہاں، پوچھا میں تمہیں قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی کھال پہننے اور اسکے بچھانے سے منع نہیں فرمایا؟ کہا ہاں، مقدام نے کہا، معاویہ خدا کی قسم میں یہ تمام چیزیں تمہارے گھر میں دیکھتا ہوں، اس پر امیر معاویہ نے کہا مقدام مجھ کو یقین ہے کہ میری تمہارے سامنے پیش نہ چلے گی، اور ان کو ان کے دونوں ہمراہیوں سے زیادہ عطیہ دیا[1]

ایک مرتبہ حضرت ابو مریم ازدی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا جس شخص کو مسلمانوں کا والی بنائے اگر وہ ان کی حاجتوں سے آنکھ بند کر کے پردہ میں بیٹھ جائے تو خدا بھی قیامت کے دن اس کی حاجتوں کے سامنے پردہ ڈال دیگا، امیر معاویہ پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ لوگوں کی حاجت برآری کے لئے ایک مستقل آدمی مقرر کر دیا[2]

غرض اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں جن سے صحابہ کے مقابلہ میں امیر معاویہ کے ضبط و تحمل کا پورا ثبوت ملتا ہے صحابہ کے مقابلہ میں امیر معاویہ کا تحمل تاریخی مسلمات میں ہے جس سے کوئی تاریخ داں انکار کر ہی نہیں سکتا، تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ امیر معاویہ حد درجہ حلیم و بردبار تھے خصوصاً اکابر قریش اور صحابہ کے مقابلہ میں ان کا تحمل کمزوری کی حد تک پہنچ جاتا تھا ان تاریخی حقائق کے بعد امیر معاویہ پر صحابہ کے ساتھ تشدد اور ناروا سلوک کا الزام کہاں تک صحیح ہے، بہت ممکن ہے بعض مثالیں اس قسم کی بھی مل جائیں لیکن ایک دو مثالوں سے عام حکم نہیں لگ سکتا اور اگر صرف ایک دو مثالوں سے حکم لگایا جا سکتا ہے تو پھر ان واقعات کے متعلق کیا فتویٰ دیا جائے گا

حضرت ابو موسیٰ اشعری جو اپنے مرتبہ کے لحاظ سے صحابہ کی صف میں ممتاز شخصیت

---

[1] ابو داؤد [illegible] [2] ابو داؤد کتاب الخراج والامارۃ

رکھتے تھے، جنگِ جمل کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سناتے پھرتے تھے کہ لوگو! فتنہ کے زمانہ میں سونے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہے"، جب حضرت حسنؓ اہل کوفہ کو حضرت علیؓ کی امداد واعانت پر آمادہ کرنے کے لئے آئے اور ابو موسیٰؓ کو منبر پر یہ وعظ کہتے سنا تو ان کو مسجد سے نکال دیا[1]،

اسی طرح حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے ساتھ جنھیں عشرہ بشرہ میں ہونے کا فخر حاصل تھا، جناب امیر کا طرزِ عمل پسندیدہ نہ تھا،

پانچواں الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ امیر معاویہؓ کا طرزِ حکومت نہایت جابرانہ تھا لیکن عمومی حیثیت سے یہ الزام بھی صحیح نہیں، اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے، امیر معاویہؓ کے زمانہ میں انقلاب پسندوں پر جوان کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے تھے، بیشک سختیاں ہوئیں لیکن امن پسند رعایا کے ساتھ ان کا طرزِ حکومت نہایت مشفقانہ تھا، بلکہ حکومت کے بہی خواہوں پر ہمیشہ ان کا ابرِ کرم برستا تھا، امیر معاویہؓ بڑے مدبر اور عاقبت اندیش فرماں روا تھے، اس لئے وہ کسی جماعت پر بلا وجہ ناروا ظلم کر ہی نہیں سکتے تھے، رعایا پر نرمی اور سختی کے بارہ میں ان کا یہ اصول تھا،

قال سعید بن العاص سمعت	سعید بن العاص بیان کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ
معاویۃ یوما یقول لا اضع	کہتے تھے کہ جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے وہاں
سیفی حیث یکفینی سوطی ولا	تلوار کام میں نہیں لاتا، اور جہاں زبان کام
اضع سوطی حیث یکفینی	دیتی ہے، وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا، اگر میرے
لسانی ولو ان بینی وبین	اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی رشتہ ہو

[1] اخبار الطوال ص ۱۵۴،

الناس شرمان قطعت قیل	ہو تو میں اس کو نہ توڑ دوں، لوگوں نے پوچھا
وکیف یا امیر المومنین قال کانوا	امیر المومنین یہ کس طرح، جواب دیا جب وہ لوگ
اذا مدوھا خلیتھا واذا خلوھا	اسکو کھینچیں تو میں ڈھیل دیدوں اور
مددتھا وکان اذا بلغہ عن	جب وہ ڈھیل دیں تو میں کھینچ لوں اور جب کسی
رجل مایکرہ قطعہ لسانہ	آدمی کی کوئی ناگوار بات انھیں معلوم ہوتی تھی تو
بالاعطاء	انعام و اکرام کے ذریعہ سے اسکی زبان بند کر دیتے تھے

یہ صرف الفاظ ہی نہیں ہیں، بلکہ تاریخ اس کی صداقت پر لفظ بہ لفظ شاہد ہے کہ وہ حد درجہ حلیم المزاج تھے، اور جب تک پانی سر سے اونچا نہ ہوجاتا تھا، اسوقت تک وہ ضبط و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے، علامہ ابن طقطقی لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ رضؓ حلم کے موقع پر حلم سے اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیتے تھے لیکن حلم کا پہلو غالب تھا[1]، ایسی حالت میں امیر پر ظلم و ستم کا الزام لگانا کس حد تک صحیح ہے، تاریخ سے ایک مثال بھی ان کے حلم کے خلاف نہیں پیش کی جاسکتی تھی،

اس الزام کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ امیر معاویہ رضؓ کی ذات نہیں بلکہ ان کے عمال اور حکام جابر تھے، تو کلیہ کی صورت میں یہ بھی صحیح نہیں، یہ الزام بھی پولیٹکل اختلافات نے تراشا ہے، ورنہ جہاں تک واقعہ کا تعلق ہے، عام دنیاوی فرمانرواؤں کی طرح انکے عمال بھی کچھ فطرۃً سخت گیر، جور پسند تھے، اور کچھ نرم دل اور متحمل مزاج، سخت گیر عمال کی سختیاں انکی طبعی سرشت کا نتیجہ تھیں، ان سے امیر کے طرز جہانبانی کو کوئی تعلق نہیں، لیکن ان کی سختیاں بھی ان ہی لوگوں تک محدود تھیں، جو بنی امیہ کی حکومت مٹانا چاہتے تھے، ز... سے زیادہ یہ کہہ سکتے

---

[1] الفخری، ص ۱۰۹

ان میں سے بعض بعض عمال کی سختیاں ناجائز حدود تک پہونچ جاتی تھیں، لیکن ایک دنیاوی حکومت کے لیے یہ کوئی بڑا الزام نہیں ہے، امیر معاویہؓ کے تمام عمال پر فرداً فرداً بحث بہت طویل ہو جائے گی، اس لیے اس موقع پر مثالاً محض چند مشہور عمال کے طرزِ حکومت کے حالات پیش کیے جاتے ہیں، اس سے کچھ نہ کچھ ان کے عمال کے طرزِ حکومت کا اندازہ ہو جائیگا، امیر کے عہدوں میں مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن ابی سفیان، عمرو بن العاص اور بسر بن ابی ارطاۃ زیادہ پولٹیکل تھے، اس لیے یہی لوگ موردِ طعن بھی ہیں

مغیرہ بن شعبہ کا حال یہ ہے کہ وہ پہلے حضرت علیؓ کے طرفدار تھے، مگر آپؓ نے انکے خیر خواہانہ اور مفید مشوروں کو مسترد کر دیا، اس لیے وہ امیر معاویہؓ کے ساتھ ہو گئے[۱]، اور اسی لیے وہ بدنام ہیں، ورنہ ان کے مظالم کی کوئی مثال نہیں پیش کیجا سکتی، مغیرہ حتی الامکان امیر معاویہؓ کے مخالفوں کے ساتھ بھی سختی نہ کرتے تھے، اور سختی کے بجائے افہام و تفہیم سے کام لیتے تھے، خارجی جناب امیر کی طرح امیر معاویہؓ کے بھی دشمن تھے، جب انھوں نے امیر کے حدود سلطنت میں سر اٹھایا تو مغیرہ نے جارحانہ کارروائی سے پہلے حسب ذیل تقریر کی :-

"لوگو! میں ہمیشہ تمھاری عافیت مدنظر رکھتا ہوں، اور مصیبتوں کو تم سے روکتا ہوں، مجھ کو خطرہ ہے کہ اس طرزِ عمل سے احمق بد آموز نہ ہو جائیں، ہاں اچھے اور حلیم اشخاص سے مجھے یہ امید نہیں ہے، خدا کی قسم مجھکو خطرہ ہے کہ میں جاہل احمقوں کے ساتھ سنجیدہ بھلے اور بے گناہ آدمیوں کے مواخذہ پر مجبور نہ ہو جاؤں، اس لیے تم لوگ اس عام مصیبت کے آنے سے پہلے اپنے احمق لوگوں کو روکو"[۲]

مغیرہ سے زیادہ جفا کار اور ستم شعار زیاد سمجھا جاتا ہے، اس کی جفا کاری اس حد تک

---

[۱] استیعاب تذکرہ مغیرہ بن شعبہ [۲] طبری ج ۷، ص ۳۲ .

کہ انقلاب پسندوں کے ساتھ اس کا جور اعتدال سے زیادہ بڑھ جاتا تھا، ورنہ عام رعایا کے ساتھ اس کا طرزِ عمل بھی مشفقانہ تھا، اس کا اندازہ اس تقریر سے کیا جا سکتا ہے، جو اس نے بصرہ کی گورنری کے تقرری کے وقت کی تھی،

علامہ دینوری لکھتے ہیں کہ جب زیاد بصرہ پہونچا تو جامع مسجد میں حمد و ثنا کے بعد حسب ذیل تقریر کی:۔

"میرے اور قوم کے درمیان کینہ تھا لیکن آج میں نے اس کو اپنے پاؤں کے نیچے دبا دیا میں کسی سے محض عداوت کی بنا پر مواخذہ نہ کروں گا، اور نہ کسی کی پردہ دری کرونگا، تاآنکہ وہ خود میرے سامنے بے نقاب ہوجائے، بے نقاب ہونے کے بعد بھی میں اسکو نظر انداز کردونگا، تم میں سے جو محسن ہو اس کو اپنے احسان میں زیادتی کرنی چاہیئے، اور جو بدکار ہو اپنی برائیاں دور کرنی چاہئیں، خدا تم لوگوں پر رحم کرے، تم لوگ اپنی اطاعت اور فرمانبرداری سے میری مدد کرو۔"[1]

لیکن زیاد کی جفا کاری کا الزام امیر معاویہؓ کے سر منڈھنا صحیح نہیں ہے، اس نے جو زیادتیاں کیں وہ اس کی جبلی درشتی طبع کا نتیجہ تھیں، چنانچہ جب وہ حضرت علیؓ کا طرفدار تھا، اس وقت علی الاعلان امیر معاویہؓ کو نہایت سخت و سست کہتا تھا، جنگ صفین کے زمانہ میں یہ حضرت علیؓ کی جانب سے فارس کا حاکم تھا، امیر معاویہؓ نے اسے اپنے ساتھ ملانے کیلئے ڈرایا دھمکایا، اس کے جواب میں اس نے لوگوں کو جمع کرکے تقریر کی کہ لوگو! نفاق کا سرچشمہ اور جگر خوار کا بچہ مجھکو دھمکاتا ہے، میرے اور اس کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور ان کے نوے ہزار سچے پیرو شیعہ ہیں، اگر اس نے کوئی بد ارادہ کیا تو تلوار

۱؎ اخبار الطوال ص ۲۳۳

اس کا فیصلہ کرے گی،[1] تاہم امیر معاویہؓ کو چونکہ اس کی درشت خوئی کا علم تھا اسلیے انھوں نے اس کی اصلاح اور تلافی کی یہ صورت اختیار کی کہ زیاد کو خاص طور سے یہ ہدایہ کی تھی کہ تمام لوگوں کیساتھ ایک ہی قسم کی سیاست نہ برتنا چاہیئے، نہ نرمی کرنا چاہیئے کہ لوگ سرکش ہو جائیں اور نہ اتنی سختی کہ ان کی جان پر بن آئے، اس لیے تم سختی کے لئے رہو اور مجھے نرمی اور لطف وکرم کے لیے چھوڑ دو تاکہ خوفزدہ لوگوں کے لیے امید کا ایک دروازہ کھلا رہے[2]،

اسی طرح عمرو بن العاصؓ کی پولیٹکل چالوں سے قطع نظر کرکے ان کو جفا کار کی صورت میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے اور اس کی ایک مثال بھی نہیں پیش کی جاسکتی،

تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بسر بن ابی ارطاۃ وغیرہ بعض عمال یقیناً جفا کار تھے، جنھوں نے بے شبہ مظالم کیے، لیکن ان بعض مثالوں سے علی الاطلاق سب پر یکساں حکم لگادینا صحیح نہیں ہے، بلکہ عام حکمرانوں کی طرح آپ کے عمال بھی کچھ عدل پرور اور نرم خو تھے اور کچھ سنگدل اور جفا پیشہ، اگر ایک طرف بسر بن ابی ارطاۃ اور زیاد تھے، تو دوسری طرف ان کے بالمقابل عبداللہ بن عامر بھی تھے، جو اپنی طبعی نرمی کی وجہ سے شورش پسندوں پر بھی سختی نہ کرتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بغاوت پسند ان کے قابو میں نہ آتے تھے، اور ملک میں بدامنی پھیلاتے تھے، علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ

> ۴۴ھ میں عبداللہ بن عامر والی بصرہ معزول کر دیے گئے، کیونکہ وہ نہایت حلیم الطبع، کریم النفس اور نرم خو تھے، اور سفہا اور احمقوں پر بھی سختی نہ کرتے تھے، اسلیے بصرہ کی فضا خراب ہو گئی تھی، انھوں نے زیاد سے اس کی شکایت کی، زیاد نے تلوار بے نیام کرنے کا حکم دیا، عبداللہ نے جواب دیا کہ میں اپنا نفس خراب کرکے انکی اصلاح کرنا پسند نہیں کرتا،[3]

---

[1] اخبار الطوال [2] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۶ [3] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۶۸،

اتنی مثالیں غالباً امیر معاویہؓ کی جابرانہ حکومت کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہوں گی، لیکن ابھی یہ بحث ختم نہیں ہوتی، بلکہ امیر معاویہؓ کے ظلم وستم اور عدل وانصاف کا صحیح فیصلہ کرنے کے لیے اس کی تحقیق ضروری ہے کہ ظالم عاملوں کے ساتھ امیر معاویہؓ کا طرز عمل کیا تھا، اور وہ ظالمانہ واقعات پیش آنے پر کیا صورت اختیار کرتے تھے، اگر وہ مظالم کا تدارک کرتے تھے، تو پھر وہ ظالم حکمرانوں کی صف میں نہیں شمار کیے جا سکتے، یہ تسلیم ہے کہ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مظالم بھی ہوئے، لیکن انھوں نے ان کی پوری دادرسی کی۔

عبداللہ بن عمرو بن غیلان ان کی جانب سے بصرہ کا والی تھا، ایک مرتبہ یہ تقریر کر رہا تھا، دوران تقریر میں ایک ضبی نے اس پر ایک کنکری کھینچ کر ماری، عبداللہ نے اس کا ہاتھ کٹوا دیا، اس واقعہ کے بعد جب عبداللہ امیر معاویہؓ کے پاس گئے تو بنو ضبہ بھی شکایت لیکر پہونچے، کہ عبداللہ نے ہمارے ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے، امیر نے ان سے کہا اس کا قصاص تو نہیں لیا جا سکتا البتہ میں ہاتھ کی دیت ادا کرتا ہوں، چنانچہ ہاتھ کی دیت دی، اور عبداللہ کو بصرہ سے معزول کر دیا۔[۱]

امیر معاویہؓ کے عمال ظلم کر بھی نہیں سکتے تھے، کیونکہ معاویہؓ کو اس کے تدارک میں بڑا اہتمام تھا، چنانچہ وہ روزانہ مظالم کی تحقیقات اور مظلوموں کی دادرسی کے لیے خانۂ خدا میں بیٹھتے تھے، اور بلا امتیاز ہر کس وناکس اپنی اپنی شکایتیں پیش کرتا تھا، امیر انھیں سنکر ان کا تدارک کرتے تھے، علامہ مسعودی امیر معاویہؓ کے شبانہ یوم کے معمولات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

ثم یخرج فیقول یا غلام اخرج الکرسی فیخرج الی المسجد فیوضع — پھر وہ گھر سے نکلتے اور غلام کو کرسی لگانے کا حکم دیتے، چنانچہ مسجد میں کرسی نکالی جاتی

۱؎ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۱۶،

فیسند ظهره الی المقصورة
ویجلس علی الکرسی ویقوم
الاحداث فیتقدم الیه
الضعیف والاعرابی والصبی
والمرأة ومن لا احد له
فیقول ظلمت فیقول اعزوه
ویقول عدی علیّ فیقول
ابعثوا معه ویقول صنع بی فیقول
انظروا فی امره حتی اذا لم
یبق احد دخل فجلس علی السریر
ثم یقول ائذنوا للناس
علی قدر منازلهم .....
قال یا هؤلاء انما سمیتم اشرافا
لانکم شرفتم من دونکم
بهذا المجلس ارفعوا الینا
حوائج من لا یصل الینا[1]

(امیر معاویہ مقصورہ کی ٹیک لگا کر کرسی پر
بیٹھ جاتے اور ان کے سامنے مقدمات حادثات
پیش ہوتے، اس میں کمزور وناتوان دیہاتی،
بچے، عورتیں، لاوارث سب پیش کیے جاتے،
ان میں سے کوئی کہتا مجھ پر ظلم کیا گیا (معاویہ)
حکم دیتے اسکو عزت دو، (یعنی تدارک کرو)
کوئی کہتا میرے اوپر زیادتی کیگئی (معاویہ)
کہتے اسکے ساتھ کسی کو تحقیقات کیلیے بھیجو، کوئی
کہتا میرے ساتھ بدسلوکی کیگئی (معاویہ) حکم دیتے
اسکے معاملہ کی تحقیقات کرو، جب کوئی دادخواہ
باقی نہ رہتا تو مجلس میں آکر تخت پر بیٹھتے اور حکم
دیتے کہ لوگوں (اشراف) کو علی قدر مراتب آنے
کی اجازت دو... پھر ان سے خطاب کرتے کہ تم
لوگ اسلیے اشراف کہلاتے ہو کہ اس دربار میں
اپنے سے کم رتبہ والوں پر تم کو شرف عطا کیا گیا ہے،
اسلیے جو لوگ ہمارے پاس تک نہیں پہونچ سکتے
انکی ضروریات ہم سے بیان کرو۔

دادرسی اور انسداد مظالم میں جس فرمانروا کا یہ اہتمام ہو، اس کے متعلق ظلم وستم کا

---

[1] مروج الذہب مسعودی حاشیہ نفح الطیب ج ۴ ص ۲۲۳

الزام لگانا کہاں کا انصاف اور کہاں کی صداقت ہے،

امیر معاویہ رضؓ کے ظلم و ستم اور عدل و انصاف کے اندازہ کرنے میں ایک فاش غلطی یہ کیجاتی ہے کہ انکے دور کا خلفائے راشدینؓ کے عدل پرور عہد سے موازنہ کیا جاتا ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ امیر معاویہ رضؓ سے پہلے خلافت راشدہ کا دور تھا، اور اسوقت تک مسلمانوں کے سامنے اسکے علاوہ اور کسی دنیاوی اسلامی حکومت کا نمونہ موجود نہ تھا، اسلیے امیر معاویہ رضؓ کے زمانہ میں بھی جب انکی نظر اٹھتی تھی تو خلافت راشدہ ہی کی طرف اٹھتی تھی، حالانکہ دونوں کا موازنہ صحیح نہیں ہے، حضرت علیؓ پر خلافتِ راشدہ کا خاتمہ ہو چکا تھا، اور امیر معاویہؓ کے زمانہ سے دنیاوی حکومت کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا تھا، اسلیے اموی حکومت کو "خلافتِ راشدہ" کے معیار پر جانچنا شدید غلطی ہے، اگر امیر معاویہ رضؓ کے دور کو محض ایک دنیاوی حکومت کے لحاظ سے جانچا جائے تو ان پر سے بہت سے اعتراضات خود بخود اٹھ جاتے ہیں،

دوسرا خلط مبحث یہ کیا جاتا ہے کہ بنو امیہ کے پورے دور کی برائیاں امیر معاویہ رضؓ کی طرف منسوب کر دیجاتی ہیں، یا کم از کم انھیں اس کا بانی مبانی سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ بھی قرینِ انصاف نہیں ہے، امیر معاویہ رضؓ کے بعد مروان وغیرہ یقیناً ظالم فرمانروا تھے، لیکن اس کا بانی امیر معاویہ رضؓ کو قرار دینا کہانتک صحیح ہے، کیا دولتِ اموریہ کی تاسیس کے جرم میں تمام اموی فرمانرواؤں کے مظالم بھی امیر معاویہ رضؓ کے نامۂ اعمال میں لکھے جائیں گے؟

باقی یہ تینوں اعتراضات کہ امیر معاویہ رضؓ نے قومی بیت المال کو ذاتی خزانہ بنا لیا، اور اس کو ذاتی اغراض میں صرف کرتے تھے، یا حکومت کے تمام شعبوں میں بنی امیہ کو بھر دیا تھا اور بہت سی بدعتیں جاری کیں جس معنی اور مفہوم میں کیے جاتے ہیں، وہ قطعاً غلط ہیں، اور جس معنی میں صحیح ہیں وہ ایک دنیاوی حکمران کے لیے قابلِ اعتراض نہیں رہجاتے، اگر معترضین

کا مقصد یہ ہے کہ امیر نے بیت المال کا روپیہ عیش و تنعم اور لہو و لعب کے مشاغل میں اڑایا، اور دوسرے قومی مفاد کو بالکل نظر انداز کر دیا، تو قطعاً غلط ہے، امیر کا بڑے سے بڑا مخالف بھی اس قسم کا الزام ان پر نہیں رکھ سکتا، یہ البتہ صحیح ہے کہ انھوں نے خلفائے راشدینؓ کی طرح فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر کے بیت المال کو خالص اسلامی مفاد کیلئے مخصوص نہیں کر دیا، بلکہ قومی اور اسلامی مفاد کے ساتھ ساتھ اپنے آرام و آسایش اور اپنی حکومت کے استوار کرنے میں بھی صرف کیا اور یہ ایک دنیاوی حکمران کے لیے قابل اعتراض نہیں، اس سے کوئی تاریخ داں انکار نہیں کر سکتا کہ بیت المال سے انھوں نے بڑے بڑے قومی کام کیے، فوجیں تیار کیں، جنگی بیڑے بنوائے۔ فتوحات میں صرف کیا، قلعے تعمیر کرائے، پولیس کو ترقی دی، خبر رسانی کا محکمہ قائم کیا، دفاتر بنوائے، نہریں کھدوائیں، اسلامی نوآبادیاں قائم کیں، شہر بسائے، شرفاء اور صحابہؓ کے وظائف مقرر کیے، غرباء پر تقسیم کیا، عدالتوں پر صرف کیا، انکے علاوہ اور بہت سے قومی اور اسلامی مفاد میں لگایا جن کی سندیں اوپر گذر چکی ہیں، ان وسیع ملکی اور قومی اخراجات کے ساتھ اگر انھوں نے کچھ روپیہ اپنے ذاتی اغراض و مقاصد میں صرف کر دیا تو ایک دنیاوی حکمران کی حیثیت سے وہ کس حد تک قابلِ الزام ہیں، یہ واضح رہے کہ ذاتی اغراض سے مقصد عیش و تنعم نہیں ہے، بلکہ اس سے مزید یہ ہے کہ اپنی حکومت کے قیام کے لیے روپیہ صرف کرتے تھے۔ اس کو خواہ ملکی مفاد سمجھا جائے، خواہ وہ ذاتی غرض میں شمار کیا جائے۔

اس سلسلہ میں یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ امیر بیت المال سے بڑے بڑے صحابہ کو وظائف و عطایا دیتے تھے، اور وہ اسے قبول کرتے تھے اگر وہ لوگ اسے صرف بیجا سمجھتے تو کیوں قبول کرتے اور مختلف سرخیوں کے ماتحت گذر چکا ہے کہ حضرت زید بن ثابت انصاریؓ، حضرت ابوہریرہؓ حضرت عائشہؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن جعفر طیارؓ،

عبداللہ بن عمرؓ اور عقیل بن ابی طالب وغیرہ میں سے کچھ لوگ مستقل وظائف اور کچھ غیر مستقل عطایا پاتے تھے، اور قبول کرتے تھے، اگر یہ بزرگ اس مصرف کو ناجائز سمجھتے تو کیوں قبول کرتے وہ صحابہ جو امیر معاویہؓ پر نکتہ چینی کرتے تھے، وہ بھی ان کے قومی اور ملکی خدمات اور انکے برمحل مصارف کے مقابلہ میں خاموش ہو جاتے تھے، حضرت مسورؓ بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ معاویہؓ کے پاس گیا، جب ان سے ملا اور سلام کیا تو انھوں نے مجھ سے سوال کیا، مسور تم ائمہ پر جو طعن کرتے تھے اب کیوں نہیں کرتے، میں نے کہا اب اس تذکرے کو جانے دو، اور جس ضرورت سے میں آیا ہوں اس کو پوری کرو، معاویہؓ نے کہا خدا کی قسم میں تمھارے دل کی بات کہلا کر چھوڑوں گا، ان کے اس اصرار پر ان کی جو جو برائیاں تھیں سب میں نے دانشگاف بیان کر دیں، اس پر معاویہؓ نے کہا، مجھے گناہوں سے برات کا دعویٰ نہیں ہے لیکن مسور تم بتاؤ کیا تمھارے گناہ ایسے نہیں ہیں کہ اگر خدا انھیں معاف نہ کرے تو تم ہلاک ہو جاؤ؟ میں نے کہا ہاں معاویہؓ نے کہا پھر تم کیوں مغفرت خداوندی کے مجھ سے زیادہ مستحق ہو، پھر خدا کی قسم ایسی حالت میں جب کہ اصلاح بین الناس، اقامت حدود، جہاد فی سبیل اللہ اور بڑے بڑے بیشمار امور کا بار میرے کندھوں پر ہے جو تمھارے اوپر نہیں، اور میں خدا کے دین پر ہوں، خدا بھلائیوں کو قبول کرتا ہے، اور برائیوں سے درگزر کرتا ہے، پھر اس پر بھی خدا کی قسم اگر میرے سامنے خدا اور اسکے ماسوا کا سوال آتا ہے تو میں خدا ہی کو اختیار کرتا ہوں، مسور کہتے ہیں کہ انکے یہ دلائل سنکر میں سوچ میں پڑ گیا، اور مجھکو معلوم ہو گیا کہ معاویہؓ نے مجھ سے مناظرہ کیا، اس کے بعد مسور جب معاویہؓ کا تذکرہ کرتے تھے، تو ان کے لئے دعائے خیر کرتے تھے[1]

حکومت کے شعبوں میں بنی امیہ کے ابھرنے کا سوال بھی مغالطہ ہے، یہ واقعہ الزام کی صورت

---

[1] استیعاب ج اول ص ۲۶۲-۲۶۳

میں اسی وقت قابل تسلیم ہو سکتا تھا جب اس سے دوسروں کے حقوق کی پامالی ہوتی ہو یا مفاد ملکی کو کوئی صدمہ پہونچا ہوتا، اور یہ دونوں باتیں نہ تھیں، امیر کا مخالف بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ان کے زمانہ میں حکومت کے محکموں میں شروع سے آخر تک تمام بنی امیہ ہی بھرے ہوئے تھے، اور کسی دوسرے کو مطلق گھسنے نہیں دیا جاتا تھا، واقعہ کا جہانتک تعلق ہے بنی امیہ کے ساتھ دوسرے خاندانوں کے افراد بھی عہدوں پر ممتاز تھے، یہ البتہ ایک حد تک صحیح ہے کہ جنگی امور میں زیادہ تر بنی امیہ دخیل تھے، لیکن یہ خود ان کی ذاتی صلاحیت کا نتیجہ تھا، بنی امیہ میدان رزم کے مرد تھے، حضرت عثمانؓ اور امیر معاویہؓ کے دور کی فتوحات اس کی شاہد ہیں، بحر روم میں سب سے پہلے امویوں ہی نے بیڑے دوڑائے، افریقہ کو امویوں ہی نے فتح کیا، یورپ کا دروازہ امویوں ہی نے کھٹکھٹایا، اموی اس لیے نہیں بھرے گئے تھے کہ امیر معاویہؓ کے ہم خاندان تھے، بلکہ اس لیے بھرے گئے تھے، کہ وہ تلوار کے دھنی اور میدان جنگ کے مرد تھے، یہی وجہ ہے کہ تنہا بنی امیہ کے دور میں جس قدر فتوحات ہوئیں، اس کی نظیر مابعد کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی، ایسی حالت میں ان کے حکومت میں بھرنے کا سوال کس قدر ہلکا ہو جاتا ہے۔

رہ گیا بدعات کی ترویج کا سوال تو ایک دنیاوی حکمران کے لیے بھی چنداں قابل اعتراض نہیں، بشرطیکہ ان بدعات سے کسی اسلامی اصول کی پامالی نہ ہوتی ہو، اور مذہب میں کسی مذموم رسم کی بنیاد پڑتی ہو، امیر کی بدعات میں اسلامی خلافت کو شخصی وموروثی حکومت بنادینے کی بدعت تو بیشک نہایت مذموم بدعت تھی، جس نے اسلامی خلافت کی روح مردہ کردی اور اس سے بہت مذموم نتائج پیدا ہوئے، لیکن اس کے علاوہ اور کوئی بدعت ایسی نہیں نظر آتی جس سے کسی اسلامی اصول کو صدمہ پہونچا ہو، حکومت کے سلسلہ میں انھوں نے جو نئی چیزیں رائج کیں، ان سے بہت سے فوائد حاصل ہوئے، یہ بارہا لکھا جاچکا ہے کہ امیر معاویہؓ

خلیفۂ راشد نہ تھے، بلکہ حضرت علیؓ پر اس مقدس دور کا خاتمہ ہو چکا تھا، اور امیر معاویہؓ کے عہد سے ایک نئے دور حکمرانی کا آغاز ہوا تھا، اس لیے اس میں خلفائے راشدینؓ کا محتاط طرز حکومت ڈھونڈھنا کہ کسی فعل میں عہد نبوی کے طور و طریق سے سر مو تجاوز نہ ہونے پائے، خود اپنی غلطی؛ امیر معاویہؓ تو امیر معاویہ ہیں، خود حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جو خلیفہ راشد تھے، بہت سی نئی باتیں رائج ہو گئی تھیں اور یہ عہد رسالت کے بُعد کا لازمی نتیجہ تھا جس سے کوئی خلیفہ یا بادشاہ بچ نہیں سکتا تھا، اس لیے امیر معاویہؓ کی بدعات میں ہمیں صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ ان سے کسی اسلامی اصول کی پامالی تو نہیں ہوئی، اگر نہیں ہوئی تو وہ قابل اعتراض نہیں قرار دیئے جا سکتے،

درحقیقت امیر معاویہؓ کی بعض کمزوریوں اور خلافت اسلامیہ میں وراثت کی بدعت کو چھوڑ کر ان کا دور حکومت ہر حیثیت سے کامیاب تھا، ابن کثیر نے ان کی دور حکومت کی خوبیوں پر بڑا جامع تبصرہ کیا ہے، ان کے زمانہ میں دشمنوں کے مقابلہ میں جہاد کا سلسلہ قائم اور دین سربلند تھا، زمین کے ہر حصہ سے ان کے پاس مال غنیمت آتا تھا، مسلمان ان کی حکومت میں عدل و انصاف اور عفو و درگذر کے سایہ میں امن و راحت کی زندگی بسر کرتے[۱] البتہ ایک صحابی رسول کی حیثیت سے وہ بعض کمزوریوں سے اپنا دامن نہ بچا سکے۔

فضل وکمال امیر معاویہؓ فتح مکہ کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، اس لیے ان کو ایک سال سے زیادہ ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے خوشہ چینی کا موقعہ نہ ملا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں،

اللھم علم معاویۃ الکتاب   خدایا معاویہ کو کتاب اللہ اور حساب کا

۱؎: بدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۹

والحساب وقہ العذاب[1]	علم عطا فرما، اور عذاب سے بچا.
اللہم اجعلہ ھادیا مھدیا	خدایا معاویہ کو ہادی اور مہدی بنا اور
واھد بہ[2]	ان کے ذریعہ سے ہدایت دے،

کا اثر ظاہر ہونا ضروری تھا، اس لیے گو انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زیادہ رہنے کا موقع نہیں ملا، لیکن انھوں نے اپنے ذوق، شوق اور تلاش و جستجو سے دینی علوم میں پوری دستگاہ بہم پہونچا لی تھی، ان کو اپنے مخالفین سے بھی علمی استفادہ میں عار نہ ہوتا تھا، اور جب اس قسم کے مسائل پیش آتے تھے، جن کے متعلق انھیں علم نہ ہوتا تو حضرت علیؓ کی طرف رجوع کرتے تھے،

ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دوسرے مرد کے ساتھ ہم بستر پایا، اور اشتعال میں آکر ان میں سے ایک کو قتل کر دیا، امیر معاویہؓ اسکے متعلق کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ حضرت علیؓ سے دریافت کر کے مجھے اطلاع دو، ابو موسیٰؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا. حضرت علیؓ نے واقعہ سنکر تعجب کیا، فرمایا کہ اس قسم کے واقعات میرے یہاں نہیں ہوتے میں تم کو قسم دلاتا ہوں کہ اصل واقعہ بیان کر کے مجھے حقیقت حال سے آگاہ کرو، ابو موسیٰؓ نے کہا معاویہؓ نے آپ سے پوچھا ہے، فرمایا اگر قاتل چار گواہ نہ لا سکے تو اس قتل کا ذمہ دار ہوگا[3]،

کبھی کبھی واقف کار بزرگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سننے کی فرمائش کرتے تھے، ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہ کو لکھا جو کچھ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے خود سنا ہو اس میں سے کچھ لکھ کر بھیجو، انھوں نے جواب میں لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فضول گوئی، مال کے اتلاف اور سوال کی کثرت سے منع فرمایا ہے[4]۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۴ مسند عرباض بن ساریہ [2] ترمذی مناقب معاویہ [3] موطا امام مالک القضا فیمن وجد مع امراتہ رجلا [illegible]

غرض اس طرح سے پوچھ پوچھ کر انھوں نے اپنا دامنِ علم اتنا وسیع کر لیا کہ وہ صحابہ جو اپنے فضل و کمال کے لحاظ سے حبرالامۃ کہلاتے تھے، ان کو فقہا میں شمار کرتے تھے، ابن ابی ملیکہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ کسی نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ امیر المومنین معاویہؓ کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے، انھوں نے وتر ایک رکعت پڑھی، جواب دیا بالکل صحیح کیا، وہ فقیہ ہیں[۱]،

اسی تفقہ کی بنا پر وہ صحابہ کی اس جماعت کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صاحب علم وافتا تھی، ایک ممبر تھے۔ البتہ ان کے فتاوی کی تعداد دو چار سے زیادہ نہیں ہے[۲]،

احادیث نبوی کا کافی ذخیرہ ان کے سینہ میں محفوظ تھا، چنانچہ حدیث کی کتابوں میں انکی ۱۶۳ روایتیں ملتی ہیں جن میں سے ۴ متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہیں، ان کے علاوہ ۴ میں بخاری اور ۵ میں امام مسلم منفرد ہیں، صحابہ میں ان سے ابن عباسؓ، ابو درداؓ، جریر بن عبد اللہؓ، نعمان بن بشیرؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، ابو سعید خدریؓ، سائب بن یزیدؓ، ابو امامہ بن سہلؓ اور تابعین میں ابن مسیب اور حمید بن عبد الرحمن وغیرہ نے روایتیں کی ہیں[۳]،

کبھی کبھی مذہبی مسائل میں وہ [illegible] ہے اور ان سے اختلاف رائے بھی ہو جاتا تھا، اور ان کی رائے صائب نکلتی تھی، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں امیر معاویہؓ شام کے والی تھے، یہاں کے مسلمانوں میں کچھ رومیوں کے اثر اور کچھ مال و دولت کی فراوانی سے ظاہری شان و شکوہ اور طمطراق پیدا ہو گیا تھا، حضرت ابوذر غفاریؓ بھی یہیں رہتے تھے، یہ بڑے فقیر منش، متوکل اور سادہ مزاج بزرگ تھے، وہ ہر طرح سب میں عہد نبوتؐ کی سادگی دیکھنا چاہتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ مسلمانوں کے لیے زائد از ضرورت مال جمع کرنا حرام ہے، اور

---

[۱] بخاری کتاب المناقب باب مناقب معاویہ [۲] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۳ [۳] تہذیب الاسماء نووی، ص ۱۳۲

اس عقیدے میں اس قدر متشدد تھے کہ انھوں نے سرمایہ داری کے خلاف وعظ کہنا شروع کر دیا اور جو مسلمان روپیہ جمع کرتے ان کو اس آیت کا مورد ٹھہراتے تھے[1]

وَالَّذِینَ یَکْنِزُونَ الذَّھَبَ	جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور
وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُونَھَا فِی	اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے
سَبِیلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ	ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری
اَلِیْمٍ	سنادو،

اس آیت کے پہلے یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے، امیر معاویہ رضؓ کہتے تھے کہ اس آیت کا تعلق بھی ان ہی لوگوں سے ہے، اور حضرت ابوذرؓ اس کو مسلمان اور غیر مسلمان دونوں سے متعلق کرتے تھے، دوسرا اختلاف یہ تھا کہ حضرت ابوذرؓ خدا کی راہ میں نہ دینے سے یہ مراد لیتے تھے کہ کل مال خدا کی راہ میں نہیں دیتے، اور امیر معاویہ رضؓ صرف زکوٰۃ میں محدود کرتے تھے، اس مختلف فیہ مسئلہ میں گو ترک دنیا کے اصول سے حضرت ابوذرؓ کا خیال کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو لیکن واقعہ کے لحاظ سے امیر کی رائے صحیح ہے،

دینی علوم کے علاوہ امیر معاویہ رضؓ عرب کے مروجہ علوم میں بھی ممتاز درجہ رکھتے تھے، چنانچہ کتابت میں جس سے عرب تقریباً ناآشنا تھے، معاویہؓ کو پوری مہارت تھی، اور اسی وصف کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خاص کاتب مقرر فرمایا تھا،

شاعری عربوں کا خاص فن ہے، معاویہؓ کو شعر و شاعری کا نہایت اچھا مذاق تھا، وہ شعر کو تہذیب اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے، چنانچہ کہتے تھے کہ مرد پر اپنی اولاد کی تادیب فرض ہے، اور ادب کا بلند ترین مرتبہ شعر ہے، اس لیے تم لوگ شعر کو اپنا سب سے بڑا

---

[1] ابن سعد ترجمہ ابن ذر

ان کی پالیسی اور دوسری گذشتہ قوموں کے حالاتِ عروج وزوال سنتے تھے[1]،

تاریخ کی ابتدائی داغ بیل انہی کے زمانہ میں پڑی، اس وقت تک تاریخ کی تدوین کی طرف کسی خلیفہ نے توجہ نہ کی تھی، سب سے پہلے امیر معاویہؓ کو اس کا خیال ہوا، چنانچہ انہوں نے اہل عرب کے ایک بڑے اور باخبر عالم عبید بن شریہ سے تاریخ قدیم کی داستانیں، سلاطین عجم کے حالات، انسان کی بولی پھوٹنے کی تاریخ اور اس کے مختلف ملکوں اور مقامات پر پھیلنے کے واقعات سن کر ان کو قلمبند کرنے کا حکم دیا[2]۔

ان علمی علوم کے علاوہ امیر معاویہؓ کے صحیفۂ کمال کا سب سے روشن باب ان کی فطری سیاست اور دانشوری ہے، اکثر مورخین انھیں اپنے زمانہ کا سب سے بڑا مدبر، سیاست دان اور بیدار مغز فرمانروا مانتے تھے۔ علامہ فخری لکھتے ہیں کہ معاویہؓ دنیا کے سمجھنے والے فہیم حلیم اور قوی بادشاہ تھے، سیاست اور تدبیر میں ممتاز درجہ رکھتے تھے[3]، ان کے عہد میں تمام بڑے بڑے اہل الرائے ان کی سیاست و دانائی کے معترف تھے، حضرت عمرؓ جو خود سیاست اور تدبیر میں یکتا تھے، معاویہؓ کو "کسرائے عرب" کہتے تھے[4]۔ سعید مقبری راوی ہیں کہ عمرؓ کہا کرتے تھے تم لوگ معاویہؓ کے ہوتے ہوئے کسریٰ اور قیصر اور ان کے تدبر کا تذکرہ کرتے ہو[5]، حضرت عمرؓ جیسے بیدار مغز اور زبان آور کو اپنی تدبیروں سے چپ کر دیتے تھے، حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو امیر معاویہؓ بڑے خدم و حشم کے ساتھ ان کے استقبال کو نکلے، اس شان و شکوہ پر حضرت عمرؓ نے اعتراض کیا کہ تم صبح و شام خدم و حشم کے ساتھ نکلتے ہو، مجھکو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم صبح سے اپنے گھر میں بیٹھے رہتے ہو اور تمہارے دروازہ پر حاجتمندوں کا ہجوم

۱؎ مروج الذہب ج ۲ ص ۴۲۵ ۲؎ فہرست ابن ندیم ص ۱۳۲ طبع مصر ۳؎ الفخری ص ۱۰۵ ۴؎ طبری ج ۷ ص ۱۹۷ و الفخری ص ۱۰۳ ۵؎ اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۲۳،

رہتا ہے، امیر معاویہؓ نے برجستہ جواب دیا "امیر المومنین! یہاں ہمارے دشمن ہم سے قریب رہتے ہیں، اور ان کے جاسوس لگے رہتے ہیں، اس لیے چاہتا ہوں کہ وہ لوگ اسلام کو باعزت دیکھیں،" یہ عذر سنکر حضرت عمرؓ نے فرمایا تمھارا بیان عقلمند آدمی کا فریب ہے، معاویہؓ نے کہا پھر جیسا فرمایئے ویسا کیا جائے، حضرت عمرؓ نے زچ ہوکر جواب دیا معاویہؓ جب میں تم سے بحث کرتا ہوں، یا تم پر نکتہ چینی کرتا ہوں تو تم مجھے ایسا جواب دیتے ہو کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تم کو اس بات کا حکم دوں، یا منع کروں۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو امیر معاویہؓ سے بڑا سردار نہ پایا، کسی نے پوچھا، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، جواب دیا خدا کی قسم یہ لوگ امیر معاویہؓ سے بہتر تھے، لیکن امیر معاویہؓ میں سرداری ان سے زیادہ تھی۔[2] امیر معاویہؓ کے مخالف بھی ان کے اس وصف کے معترف تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو امیر معاویہؓ کے شدید مخالفوں میں تھے، وہ بھی کہا کرتے تھے، کہ میں نے کسی کو امیر معاویہؓ سے زیادہ حکومت کے لیے موزوں نہیں پایا۔[3]

ذاتی فضیلت اور استحقاق خلافت میں امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کا کوئی مقابلہ نہ تھا ان کو آپ کے مقابلہ میں صرف پولیٹکل تدبیروں سے کامیابی حاصل ہوئی، ان کے فہم و تدبر کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب پہلی مرتبہ ان کا مدینہ جانا ہوا تو وہ تعزیت کے طور پر ان کے گھر گئے، انھیں دیکھ کر حضرت عثمانؓ کی صاحبزادی عائشہؓ اپنے پدر بزرگوار کو یاد کرکے رونے لگیں، معاویہؓ کے ساتھ بہت سے قریشی تھے، جن کو اس واقعہ سے بدگمانی ہوئی، اس لیے امیر معاویہؓ نے ان لوگوں کو واپس کردیا، اور عائشہؓ

---

۱ طبری ج ۷، ص ۲۰۷ ۲ استیعاب ج ۱ ص ۲۶۲ ۳ طبری ج ۷، ص ۲۱۵

سے کہا بیٹی ان لوگوں نے میری اطاعت قبول کرلی ہے، لیکن ابھی تک ان کے دلوں میں کینہ ہے اور ہم نے بھی ان کی اطاعت کی وجہ سے حلم اور درگذر سے کام لیا ہے۔ لیکن ہمارے دل میں بھی ان کے خلاف غم وغصہ موجود ہے، اس لیے یہ سودا برابر کا ہے، اور ان کی حامی جماعت بھی موجود ہے، اب اگر ہم ان کی اطاعت کے معاوضہ میں ان کے حقوق نہ ادا کریں اور ان سے بدعہدی کریں تو وہ بھی ہم سے بدعہدی کریں گے، اور دونوں میں مقابلہ ہوجائے گا جس کا انجام معلوم نہیں کیا ہو[1]، اس سے ان کی سیاسی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

غرض سیاست وتدبر، حکومت وفرمانروائی، جہانبانی وکشورکشائی کے اوصاف جلیلہ میں ان کا کوئی معاصر، ان کا حریف نہ تھا، تم ان کی پوری تاریخ پر نظر ڈال جاؤ، اس کی لفظ بہ لفظ تصدیق ہوگی،

اخلاق وعادات اور [illegible] امیر معاویہؓ کو مہاجرین اولین کے زمرہ میں ہونے کا شرف حاصل نہ تھا، بلکہ وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں میں تھے، اس لیے قبول اسلام کے بعد ان کو فیضان نبویؐ سے مستفید ہونے کا زیادہ موقعہ نہ ملا، یہی وجہ ہے کہ مہاجرین اولین کی طرح وہ اخلاق نبویؐ کا مکمل نمونہ نہ بن سکے، تاہم وہ صحابی رسول تھے، اور ایسے صحابی تھے جن کیلیے زبان رسالت نے یہ دعا فرمائی تھی کہ "خدایا معاویہ کو ہادی ومہدی بنا، اور ان کے ذریعہ سے ہدایت کر" اس دعا کے مستجاب ہونے [illegible] ان کا دامن اخلاقی فضائل سے خالی نہ تھا۔

عبرت پذیری اور قیامت کا خوف امیر معاویہؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھوں نے دنیا میں پڑکر آخرت کے مواخذہ کو بالکل فراموش کردیا تھا، لیکن یہ خیال حقیقت واقعہ سے بہت دور ہے، امیر معاویہؓ قیامت کے مواخذہ کا تذکرہ سن کر لرزہ براندام ہوجاتے تھے، اور روتے روتے انکی حالت

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۳ ۔

غیر ہو جاتی تھی[1]

ایک مرتبہ شفیا اصبحی مدینہ آئے دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے، پوچھا کون ہیں، لوگوں نے کہا ابو ہریرہؓ، یہ سنکر شفیا اصبحی ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے، اس وقت ابو ہریرہؓ لوگوں سے حدیث بیان کر رہے تھے جب حدیث سن چکے اور مجمع چھٹ گیا، تو شفیا نے ان سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی حدیث سنائیے جس کو آپ نے اون سے سنا ہو سمجھا ہو، ابو ہریرہؓ نے کہا کہ ایسی ہی حدیث سناؤں گا۔ یہ کہا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو کہا میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا، جو آپ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی، اور اس وقت میرے اور آپ کے سوا کوئی تیسرا شخص نہ تھا، اتنا کہکر زور سے چلائے اور پھر بیہوش ہو گئے، افاقہ ہوا تو منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور وہاں میرے اور آپ کے سوا کوئی شخص نہ تھا، یہ کہا اور پھر چیخ مار کر غش کھا کر منہ کے بل گر پڑے، شفیا اصبحی نے تھام لیا، اور دیر تک سنبھالے رہے، ہوش آیا تو کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، کہ قیامت کے دن جب خدا بندوں کے فیصلہ کے لیے اترے گا تو سب سے پہلے تین آدمی طلب کیے جائیں گے، عالم قرآن، راہ خدا میں مقتول اور دولتمند، پھر خدا عالم سے پوچھے گا کیا میں نے تجھکو قرآن کی تعلیم نہیں دی۔ وہ کہے گا، "ہاں خدایا، فرمائے گا تو نے اس پر عمل کیا؟ وہ کہے گا" رات دن اسکی تلاوت کرتا تھا،" خدا فرمائے گا تو جھوٹا ہے؛ تو اس لیے تلاوت کرتا تھا کہ لوگ تجھکو قاری کا خطاب دیں، سو تجھے خطاب دیا، پھر دولتمند سے پوچھے گا، کیا میں نے تجھ کو صاحب مقدرت کر کے لوگوں کی احتیاج سے بے نیاز نہیں کر دیا؟ وہ کہے گا ہاں خدایا،

---

[1] ترمذی ابواب الزہد باب ما جاء فی الریاء والسمعۃ۔

فرمائیگا، تونے کیا کیا؟ وہ کہے گا میں صلہ رحمی کرتا تھا، صدقہ دیتا تھا، خدا فرمائیگا تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ اس سے تیرا مقصد یہ تھا کہ تو فیاض اور سخی کہلائے اور کہلایا، پھر وہ جسے راہ خدا میں جان دینے کا دعویٰ تھا پیش ہوگا، اس سے سوال ہوگا، تو کیوں مارڈالا گیا، وہ کہے گا، تونے اپنی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا تھا، میں تیری راہ میں لڑا اور مارا گیا، خدا فرمائیگا تو جھوٹ کہتا ہے تو چاہتا تھا کہ دنیا میں جری اور بہادر کہلائے، تو یہ کہا جا چکا" یہ حدیث بیان کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا: ابو ہریرہؓ! پہلے ان ہی تینوں سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائیگی، امیر معاویہؓ نے یہ حدیث سنی تو کہا کہ جب ان لوگوں کے ساتھ ایسا کیا گیا تو اور لوگوں کا کیا حال ہوگا، یہ کہہ کر ایسا زار و قطار روئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ مر جائیں گے، جب ذرا سنبھلے تو منہ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے کہ[1]

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	جو شخص دنیا اور اسکے ساز و سامان کو چاہتا
وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ	ہے تو ہم اسکے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں
فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ أُولٰئِكَ	دیدیتے ہیں اور اس میں اسکا کچھ نقصان
الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ	نہیں ہوتا لیکن آخرت میں انکا حصہ آگ کے
إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا	سوا کچھ نہیں رہ جاتا اور انھوں نے جو کچھ کیا
فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ	تھا وہ برباد ہو جاتا ہے اور جو کام کیے تھے
(ھود-۲)	بے کار جاتے ہیں۔

دنیا داری پر تاسف | اس میں شبہہ نہیں کہ قیام ملوکیت کے سلسلہ میں امیر معاویہؓ کو دنیا کی آلائشوں میں مبتلا ہونا پڑا، مگر وہ بحیثیت صحابی رسول کے اس سے اپنا دامن نہ

---

[1] ترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی الریاء و السمعۃ۔

بچا سکے، لیکن اپنی لغزشوں کا ہمیشہ انھیں احساس رہا، اور آخر وقت میں اس پر نادم و متأسف رہا کرتے تھے، چنانچہ مرض الموت میں کہتے تھے، "کاش میں ذی طوی (نام مقام) میں قریش کا معمولی آدمی ہوتا، اور ان معاملات میں نہ پڑا ہوتا"[1]

ایک روایت میں ہے کہ عالم نزع میں اپنا چہرہ زمین پر رگڑتے تھے، اور رو رو کر کہتے تھے کہ خدایا تو نے اپنی کتاب میں کہا ہے:

إن الله لا يغفر أن يشرك به و	یعنی اللہ اس کی مغفرت نہیں کرتا جو اس کے ساتھ
يغفر ما دون ذلك لمن يشاء	کسی کو شریک ٹھہرائے، اور اس کے ماسوا جس کو
(نسا - ۷)	چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

اسلیے بار الہا مجھ کو ان لوگوں میں شامل فرما جن کی مغفرت تو نے اپنی مشیت میں رکھی ہے[2]

بحیثیت شخصی فرمانروا کے انھیں ہمیشہ دنیاوی وجاہت اور ظاہری شان و شوکت سے واسطہ رہا، لیکن جب ظاہری طمطراق پر ان کی نظر پڑتی تھی تو حسرت و افسوس کے کلمات انکی زبان پر جاری ہو جاتے تھے، عبداللہ بن مسعدہ بن حکمہ فزاری بیان کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ شام کے کسی علاقہ سے اپنے علاقہ میں جا رہے تھے، راستہ میں ایک مقام پر منزل ہوئی، سر راہ ایک بلند اور کھلی چھت پر فرش بچھایا گیا، میں بھی امیر کے ساتھ اس پر بیٹھ گیا، اتنے میں اونٹ کی قطاریں، گھوڑے اور لونڈی غلام کے غول گذرنے لگے، انہیں دیکھ کر انہوں نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا، ابن مسعدہ خدا ابوبکرؓ پر رحم کرے نہ انھوں نے دنیا کو چاہا نہ دنیا نے انھیں چاہا، عمرؓ کو دنیا نے چاہا لیکن انھوں نے اس کو نہیں چاہا، عثمانؓ کو کچھ دنیا میں مبتلا ہونا پڑا اور ہم لوگ تو بالکل اسی میں آلودہ ہو گئے، یہ کہہ کر وہ نادم ہوئے پھر کہا خدا کی قسم

۱؎ اسد الغابہ ج ۴ ص [illegible]۔ ۲؎ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص [illegible]

یہ حکومت بھی خدا ہی نے ہم کو دی ہے۔[۱]

قبولِ حق امیر معاویہؓ کی حکومت اور انھیں مستبد فرمانروا مانا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود انھوں نے سچی بات کے قبول کرنے میں کبھی عار نہ کیا، ایک مرتبہ ان سے حضرت ابومریمؓ ازدی نے کہا رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ خدا جس شخص کو مسلمانوں کا والی بنائے، اگر وہ ان کی حاجتوں سے آنکھ بند کر کے پردہ میں بیٹھ جائے، تو قیامت کے دن خدا بھی اس کی حاجتوں کے سامنے پردہ ڈال دے گا" امیر پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انھوں نے عام لوگوں کی حاجت روائی کے لیے ایک مستقل آدمی مقرر کر دیا۔[۲]

حضرت مقدامؓ بن معدیکرب کے بعض ممنوعات پر ٹوکنے اور اس کے صلہ میں ان کو امیر معاویہؓ کے انعام دینے کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے،

ضبط و تحمل امیر معاویہؓ کو جس قدر دنیاوی جاہ و جلال اور قوت و اقتدار حاصل تھا، اس سے ہر تاریخ داں واقف ہے، لیکن اس دنیاوی وجاہت کے باوجود وہ حد درجہ متحمل مزاج تھے، وہ مورخین بھی جو ان کے مخالف ہیں، ان کے اس وصف کے معترف ہیں، چنانچہ علامہ طقطقی لکھتے ہیں کہ معاویہ حلم کے موقعہ پر حلم سے اور سختی کے موقعہ پر سختی سے کام لیتے تھے، لیکن حلم کا پہلو غالب تھا۔[۳] جو لوگ ان کے ساتھ رہ چکے تھے، وہ اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ میں معاویہ کی صحبت میں رہا، ان سے زیادہ کسی کو حلیم نہیں پایا۔[۴] وہ تلخ سے تلخ اور ناگوار سے ناگوار باتیں شربت کی طرح پی جاتے تھے، چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ "غصہ پی جانے سے زیادہ میرے لیے کوئی غم لذیز نہیں"[۵] اسی حلم اور عفو پر جب کوئی شخص ٹوکتا تو جواب دیتے کہ مجھے

---

[۱] طبری ج ۷، ص ۲۱۲ [۲] ابوداؤد کتاب الخراج والامارہ [۳] الفخری ص ۹۵ [۴] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۹۴ [۵] طبری ج ۷، ص ۲۱۳،

شرم معلوم ہوتی ہے کہ کسی کا گناہ میرے عفو سے اور کسی کی جہالت میرے حلم سے بڑھ جائے یا میں کسی کے عیب کی پردہ پوشی نہ کروں[1]

اور وہ عملاً اس پر کاربند تھے، عبدالملک بن عمیر روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے امیر معاویہؓ سے بڑی بدکلامی کی، کسی نے متعجب ہو کر پوچھا آپ اس حد تک انگیز کر لیتے ہیں، جواب دیا کہ میں اس وقت تک لوگوں کی زبانوں کے درمیان حائل نہیں ہوتا، جب تک وہ میری حکومت میں حائل نہ ہوں، ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا معاویہ ہمارے ساتھ سیدھے رہو ورنہ تم کو درست کر دیں گے، امیر نے پوچھا کس چیز سے، اس نے کہا لکڑی سے، جواب دیا تو اس وقت سیدھے ہو جائیں گے[2]

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے بدکلامی کی، کسی نے کہا کہ آپ اس کو سزا کیوں نہیں دیتے، جواب دیا، مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میرے حلم کا دامن میری رعایا کے گناہ کے مقابلہ میں تنگ ہو جائے[3]۔ ایک شخص ابوجہم نے ایک مرتبہ امیر معاویہؓ سے درشت کلامی کی، امیر معاویہ نے سن کر سر جھکا لیا، پھر سر اٹھا کر کہا ابوجہم حاکم وقت سے بچا کرو وہ بچوں کی طرح بگڑ جاتا ہے اور شیر کی طرح پکڑتا ہے، اور اس کے تھوڑے غصہ کی لپیٹ میں بہت لوگ آ جاتے ہیں، اس نصیحت کے بعد ابوجہم کو انعام دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان کی مدح میں رطب اللسان ہو گئے[4] انھوں نے اپنے خاندان والوں کو یہ نصیحت کی تھی، کہ قریش سے ہمیشہ حلم کے ساتھ پیش آیا کرو، میرا حال یہ تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص مجھ کو برا بھلا کہتا تھا تو میں حلم سے اس کا جواب دیتا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ میرا دوست بن جاتا اور ہر وقت میری

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۵ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۰۰ [3] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۸

[4] ایضاً ص ۱۳۶

امداد و حمایت کے لئے تیار رہتا تھا، حلم سے کسی شریف کی شرافت میں فرق نہیں بلکہ اسکی عزت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، انسان اس وقت تک صائب الرائے نہیں ہو سکتا جبتک اس کی جہالت پر اس کا حلم اور اس کی خواہشات پر ضبط نفس نہ غالب آجائے[۱]

چنانچہ قریش خصوصاً بنی ہاشم اور آل نبی اور آل ابی طالب کے افراد انکو سخت باتیں کہتے تھے لیکن امیر معاویہؓ کبھی مذاق میں ٹال جاتے اور کبھی سنی ان سنی بنا دیتے، اور ان کی اس سخت کلامی پر بھی ان کو مہمان بناتے، خاطر و مدارات کرتے اور انعام و اکرام دیتے[۲]

فیاضی فیاضی اور زر پاشی امیر معاویہؓ کا نہایت نمایاں وصف تھا، علامہ الفخری لکھتے ہیں کہ معاویہ فیاض اور زر پاش تھے[۳] ان کا ابر کرم بلا امتیاز موافق و مخالف سب پر یکساں برستا تھا عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن جعفر طیارؓ اور آل ابی طالب کے دوسرے افراد ان کے شدید مخالفوں میں تھے لیکن ان کی مخالفت اور ان کی بدکلامیوں کے باوجود امیر ان کے ساتھ سلوک کرتے تھے[۴] عقیلؓ بن ابی طالب ان کے پاس چالیس ہزار کی ضرورت لے کر آتے ہیں، اور بھرے مجمع میں ان کو اور ان کے باپ ابوسفیان کو برا بھلا کہتے ہیں، لیکن امیر معاویہؓ اس کے باوجود ان کی حاجت پوری کرتے ہیں[۵] اسی طریقہ سے حضرت عبداللہؓ ابن زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے بھی مسلوک ہوتے رہتے تھے، اور ان کو ایک ایک لاکھ ایک مشت دیدیتے تھے، اشراف روزانہ اہلِ حاجت کی ضروریات پیش کرتے، امیر ان کی اولاد کے وظائف مقرر کرتے اور ان کے اہل و عیال کی خبرگیری کا حکم دیتے[۶] کبار صحابہ کے وظائف مقرر کرتے تھے، چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ انصاری وظیفہ قبول کرتے تھے[۷]

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۶ [۲] الفخری ص ۹۹ [۳] ایضاً [۴] ایضاً [۵] اسد الغابہ تذکرہ عقیلؓ بن ابی طالب [۶] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۷ [۷] استیعاب ج ۱ ص ۲۶۳

صحابہ کی اولاد تک کے ساتھ وہ فیاضانہ سلوک کرتے تھے، حضرت ابوہریرہ کا انتقال ہوا تو امیر نے ترکہ کے علاوہ ان کے ورثا کو دس ہزار نقد دینے کا حکم دیا[1]۔

یہ چند واقعات از خروارے ہیں، ورنہ اس قسم کی مثالوں سے تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں، اس کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کے مخالف کو بھی امیر کے اس وصف کے اعتراف کے سوا چارہ نہ تھا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ جو لوگ معاویہ کے پاس جاتے ہیں، وہ ایک وسیع وادی کے کنارے اترتے ہیں[2]۔

امہات المومنین کی خدمت | تمام گذشتہ خلفاء امہات المومنین کی خدمت اپنے لیے باعث سعادت وافتخار سمجھتے تھے، امیر معاویہؓ بھی اس سعادت سے محروم نہ تھے، اور رتبہ کے لحاظ سے خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی بڑی خدمت کرتے تھے، ان کی خدمت میں ایک ایک مشت ایک ایک لاکھ کی نذر پیش کرتے تھے[3]، اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً دس دس، پانچ پانچ ہزار کی رقمیں بھیجا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے منکدر بن عبداللہ کو دس ہزار کی رقم دینی چاہی لیکن اتفاق سے اسوقت ہاتھ میں روپیہ نہ تھا، اسی دن شام کو امیر معاویہ کی بھیجی ہوئی رقم آگئی، حضرت عائشہؓ نے منکدر کو بلوا کر اس میں سے دس ہزار کی رقم دیدی[4]۔

آثار نبوی ﷺ سے برکت اندوزی | امیر کے پاس آثار نبوی ﷺ میں ایک کرتہ، ناخن اور موئے مبارک تھے، زندگی بھر برکت کے لیے اس کو حرز جان بنائے رہے، مرتے وقت وصیت کرتے گئے کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرتہ مرحمت فرمایا تھا، وہ اسی دن کے لیے محفوظ رکھا ہے، اور ناخن اور موئے مبارک شیشہ میں محفوظ ہیں، اس کرتہ میں مجھے کفنانا، اور ناخن

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۰۸ [2] طبری ج ۷ ص ۲۱۵ [3] مستدرک حاکم ج ۳ ص [4] طبقات ابن سعد تذکرۂ منکدر بن عبداللہ۔

اور موئے مبارک آنکھوں اور منہ کے اندر بھر دینا، شاید خدا اس کی برکت سے مغفرت فرمائے[1]

حضرت زہیرؓ بن کعب کو نعتیہ قصیدہ کے صلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رِدائے مبارک مرحمت فرمائی تھی، امیر معاویہؓ نے اس کو بیش قرار رقم دے کر ان سے خرید لیا تھا، یہی چادر بعد میں تمام خلفار کے پاس منتقل ہوتی رہی، جس کو وہ عیدین میں اوڑھ کر نکلتے تھے[2]

مساوات | امیر کو جاہ پسند کہا جاتا ہے، اور ایک حد تک یہ صحیح بھی ہے، لیکن اسکے باوجود وہ معمولی آداب مجلس میں بھی اپنے اور عام مسلمان کے درمیان کوئی فرق و امتیاز روا نہ رکھتے تھے، ابو مجلز راوی ہیں کہ ایک مرتبہ معاویہ نکلے، عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن زبیرؓ بیٹھے ہوئے تھے، معاویہ کو دیکھ کر ابن عامرؓ کھڑے ہوگئے، اور ابن زبیرؓ بیٹھے رہے، معاویہ نے ابن عامر کے قیام پر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس سے خوش ہوتا ہے کہ خدا کے بندے اس کی تعظیم میں کھڑے ہوجائیں تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے[3]

امیر کے اخلاقی اصول | امیر معاویہؓ کے اخلاقی اصولوں سے ان کے عام اخلاق و عادات پر کافی روشنی پڑتی ہے، اس لیے آخر میں اخلاق کے بارہ میں ان کے کچھ زریں خیالات پیش کیے جاتے ہیں،

فرماتے تھے کہ میں اپنے نفس کو اس سے بلند دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرا گناہ میرے

---

[1] استیعاب جلد اول ص ۲۶۲ [2] اصابہ تذکرہ زہیرؓ بن کعب [3] ادب المفرد باب قیام الرجل للرجل تعظیماً،

عفو سے میرا جہل میرے حلم سے زیادہ ہو یا کسی کا عیب اپنے پردہ میں نہ چھپاؤں یا میری برائی میری بھلائی سے زیادہ ہو، شریف کے لیے زینت پاکدامنی ہے، کہتے تھے کہ خدا نے بندہ کو جو نعمتیں عطا کی ہیں، ان میں سب سے افضل عقل و علم ہے، اس کی وجہ سے جب آدمی کو کوئی یاد کرتا ہے، تو وہ بھی اس کو یاد کرتا ہے، اور جب کوئی اس کو دیتا ہے تو وہ اس کا شکر ادا کرتا ہے، اور جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو صبر سے کام لیتا ہے، اور جب غصہ آتا ہے تو پی جاتا ہے، اور جب قابو پاتا ہے تو درگذر سے کام لیتا ہے، اور جب کوئی برائی سرزد ہوتی ہے تو اس کی معافی چاہتا ہے، اور جب وعدہ کرتا ہے، تو اسے پورا کرتا ہے[1]

---

[1] طبری سیرت معاویہ،

حضرت حسین بن علیؑ بن ابی طالبؓ

نام ونسب حسین نام، ابو عبد اللہ کنیت، "سید شباب اہل الجنۃ" اور "ریحانۃ النبی" لقب، علی مرتضیٰؓ باپ اور سیدۃ بتول، جگر گوشۂ رسول ماں تھیں، اس لحاظ سے آپ کی ذات گرامی قریش کا خلاصہ اور بنی ہاشم کا عطر تھی، شجرۂ طیبہ یہ ہے حسین بن علی بن ابی طالب بن ہاشم بن عبد مناف قرشی ہاشمی ومطلبی ؏

دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

پیدائش ابھی آپ شکم مادر میں تھے کہ حضرت حارثؓ کی صاحبزادی نے خواب دیکھا کہ کسی نے رسول اکرم ﷺ کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود میں رکھدیا ہے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک ناگوار اور بھیانک خواب دیکھا ہے، فرمایا کیا؟ عرض کیا نا قابل بیان ہے، فرمایا بیان کرو، آخر کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصرار پر انھوں نے خواب بیان کیا، آپ نے فرمایا یہ تو نہایت مبارک خواب ہے فاطمہ کے لڑکا پیدا ہوگا، اور تم اسے گود میں لوگی۔[1]

کچھ دنوں کے بعد اس خواب کی تعبیر ملی، اور ریاض نبوی میں وہ خوشرنگ ارغوانی پھول کھلا جس کی مہک حق وصداقت، جرأت وبسالت، عزم واستقلال، ایمان وعمل اور ایثار وقربانی کی وادیوں کو ابد الآباد تک بساتی اور جس کی رنگینی عقیق کی سرخی، شفق کی گلگونی

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۷۶

اور لالہ کے داغ کو ہمیشہ تر رکھتی رہے گی، یعنی شعبان ۴ھ میں علیؓ کا کاشانہ حسینؓ کے تولد سے رشک گلزار بنا،

ولادت باسعادت کی خبر سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور فرمانے لگے، بچے کو دکھاؤ، کیا نام رکھا گیا؟ اور نومولود بچہ کو منگا کر اس کے کانوں میں اذان دی، اس طرح گویا پہلی مرتبہ خود زبانِ وحی والہام نے اس بچہ کے کانوں میں توحید الٰہی کا صور پھونکا، درحقیقت اسی صور کا اثر تھا کہ ؎

سر داد و نداد دست در دستِ یزید　　حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؓ

پھر فاطمہ زہراؓ کو عقیقہ کرنے اور بچہ کے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کرنے کا حکم دیا، پدر بزرگوار کے حکم کے مطابق فاطمہ زہراؓ نے عقیقہ کیا[1]، والدین نے حرب نام رکھا تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نام پسند نہ آیا، آپ نے بدل کر حسینؓ رکھا[2]،

عہد نبویؐ حضرت حسینؓ کے بچپن کے حالات میں صرف انکے اور حضرت حسنؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیار اور محبت کے واقعات ملتے ہیں، آپؐ انکے ساتھ غیر معمولی شفقت فرماتے تھے، تقریباً روزانہ دونوں کو دیکھنے کیلئے حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لیجاتے، اور دونوں کو بلا کر پیار کرتے اور کھلاتے، دونوں بچے آپؐ سے بہت مانوس اور شوخ تھے، لیکن آپ نے کبھی کسی شوخی پر تنبیہ نہیں فرمائی، بلکہ ان کی شوخیاں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے، اس قسم کے تمام حالات حضرت حسنؓ کے تذکرہ میں لکھے جا چکے ہیں، اسلیے یہاں انکے اعادہ کی حاجت نہیں، حضرت حسینؓ کا سن صرف سات برس کا تھا کہ نانا کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا،

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۷۹ فضائل حسینؓ، موطا امام مالک کتاب العقیقہ باب ماجاء فی العقیقہ میں بھی اس کا ذکر ہے [2] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۸،

عہدِ صدیقی | حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں امام حسینؓ کی عمر ۷-۸ سال سے زیادہ نہ تھی، اس لیے ان کے عہد کا کوئی خاص واقعہ قابلِ ذکر نہیں ہے، بجز اس کے کہ حضرت ابو بکرؓ، نبیرۂ رسول کی حیثیت سے حضرت حسینؓ کو بہت مانتے تھے۔

عہدِ فاروقی | حضرت عمرؓ کے ابتدائی عہدِ خلافت میں بھی بہت صغیر السن تھے البتہ آخری عہد میں سن شعور کو پہونچ چکے تھے، لیکن اس عہد کی مہمات میں ان کا نام نظر نہیں آتا، حضرت عمرؓ بھی حضرت حسینؓ پر بڑی شفقت فرماتے تھے، اور قرابتِ رسول صلعم کا خاص لحاظ رکھتے تھے، چنانچہ جب بدری صحابہؓ کے لڑکوں کا دو دو ہزار وظیفہ مقرر کیا، تو حضرت حسینؓ کا محض قرابتِ رسول کے لحاظ سے پانچ ہزار ماہوار مقرر کیا[1]

آپ کسی چیز میں بھی حضرت حسینؓ کی ذات گرامی کو نظر انداز نہ ہونے دیتے تھے، ایک مرتبہ یمن سے بہت سے حلے آئے، حضرت عمرؓ نے تمام صحابہؓ میں تقسیم کیے، آپ قبر و منبر نبوی کے درمیان تشریف فرما تھے، لوگ ان حلوں کو پہن پہن کر شکریہ کے طور پر آکر سلام کرتے تھے، اسی دوران میں حضرت حسنؓ و حسینؓ حضرت فاطمہؓ کے گھر سے نکلے، آپکا گھر مسجد کے درمیان میں تھا، حضرت عمرؓ کی نظر ان دونوں پر پڑی تو ان کے جسموں پر حلے نظر نہ آئے، یہ دیکھ کر آپ کو تکلیف پہونچی اور لوگوں سے فرمایا مجھے تمھیں حلے پہنا کر کوئی خوشی نہیں ہوئی، انھوں نے پوچھا امیر المومنین یہ کیوں، فرمایا اسلیے کہ ان دونوں لڑکوں کے جسم ان حلوں سے خالی ہیں، اسکے بعد فوراً حاکم یمن کو حکم بھیجا کہ جلد سے جلد دو حلے بھیجو، اور حلے منگوا کر دونوں بھائیوں کو پہنانے کے بعد فرمایا، اب مجھے خوشی ہوئی، ایک روایت یہ ہے کہ پہلے حلے حضرت حسنؓ و حسینؓ کے لائق نہ تھے[2]

حضرت عمرؓ حسینؓ کو اپنے صاحبزادے عبداللہ سے بھی جو عمر اور ذاتی فضل و کمال میں

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ذکر عطاء عمر بن الخطاب [2] ابن عساکر ج ۴ ص ۳۲۱، ۳۲۲۔

ان دونوں سے فائق تھے، زیادہ مانتے تھے، ایک مرتبہ آپ منبر نبوی پر خطبہ دے رہے تھے، حسین آئے اور منبر پر چڑھ کر کہا میرے باپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے منبر سے اترو، اور اپنے باپ کے منبر پر جاؤ، حضرت عمرؓ نے اس طفلانہ شوخی پر فرمایا، کہ میرے باپ کے تو کوئی منبر نہ تھا، اور انھیں اپنے پاس بٹھا لیا۔ خطبہ تمام کرنے کے بعد انھیں اپنے ساتھ گھر لیتے گئے، اور راستہ میں پوچھا کہ تم کو کس نے سکھایا تھا؟ بولے واللہ کسی نے نہیں، پھر فرمایا کبھی کبھی میرے پاس آیا کرو، چنانچہ اس ارشاد کے مطابق ایک مرتبہ حسینؓ ان کے پاس گئے، اس وقت حضرت عمرؓ معاویہؓ سے تنہائی میں کچھ گفتگو کر رہے تھے، اور ابن عمرؓ دروازہ پر کھڑے تھے، حسینؓ بھی ان ہی کے پاس کھڑے ہو گئے، اور پھر ان ہی کے ساتھ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد جب حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے پوچھا آئے کیوں نہیں؟ انھوں نے جواب دیا امیر المومنین میں حاضر ہوا تھا، مگر آپ معاویہؓ سے گفتگو میں مشغول تھے، اس لیے عبداللہ کے ساتھ کھڑا رہا، پھر ان ہی کے ساتھ لوٹ گیا، فرمایا تم کو ان کا ساتھ دینے کی کیا ضرورت تھی، تم ان سے زیادہ حقدار ہو، جو کچھ ہماری عزت ہے، وہ خدا کے بعد تم ہی لوگوں کی دی ہوئی ہے۔[1]

عہدِ عثمانی | حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں پورے جوان ہو چکے تھے، چنانچہ سب سے اول اسی عہد میں میدان جہاد میں قدم رکھا، اور ۳۰ھ میں طبرستان کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے،[2] پھر جب حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت برپا ہوئی اور باغیوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا، تو حضرت علیؓ نے دونوں بھائیوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت پر مامور کیا، کہ باغی اندر نہ گھسنے پائیں، چنانچہ حفاظت کرنے والوں کے ساتھ ان دونوں نے بھی نہایت بہادری

---

[1] اصابہ ج ۲ ص ۱۵ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۸۴

دروازہ باغیوں کو اندر گھسنے سے روکے رکھا، جب باغی کوٹھے پر چڑھ کر اندر اتر گئے، اور
حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا اور حضرت علیؓ کو شہادت کی خبر ہوئی تو انھوں نے دونوں
بھائیوں سے نہایت سختی کے ساتھ باز پرس کی کہ تمھارے ہوتے ہوئے باغی کسطرح اندر گھس گئے،[1]

جنگ جمل وصفین | جنگ جمل میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے، اختتام جنگ کے بعد کئی میل تک
حضرت عائشہؓ کو پہنچانے کے لئے گئے، جنگ جمل کے بعد صفین کے قیامت خیز واقعہ میں بھی
آپ نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا، لیکن یہاں ان لاطائل تفصیلات کی ضرورت نہیں، التوائے
جنگ کے بعد معاہدہ نامہ میں بحیثیت شاہد کے حضرت حسینؓ کے بھی دستخط تھے، پھر جنگ
صفین کے بعد خوارج کی سرکوبی میں بڑے انہماک سے حصہ لیا،

حضرت علیؓ کی شہادت | اس کے بعد سنہ ۴۰ھ میں حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا، زخم بہت
کاری تھا، جب حالت زیادہ نازک ہوئی، تو حضرت حسنؓ و حسینؓ کو بلا کر مفید نصیحتیں کیں
اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرکے مرتبۂ شہادت پر ممتاز ہوگئے۔

عہد معاویہؓ | حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے، لیکن جیسا کہ اوپر ان
کے حالات میں معلوم ہو چکا ہے، آپ مسلمانوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے معاویہؓ کے حق میں خلافت
سے دست برداری پر آمادہ ہوگئے، اور حسینؓ کو اپنے عزم سے آگاہ کیا، حسینؓ نے اس کی بڑی
پرزور مخالفت کی جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، لیکن حضرت حسنؓ کے عزم راسخ کے
سامنے ان کی مخالفت کامیاب نہ ہو سکی اور سنہ ۴۱ھ میں حضرت حسنؓ امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت
سے دستبردار ہوگئے، حضرت حسینؓ کو بھی برادر بزرگ کے فیصلے کے سامنے سر خم کرنا پڑا، گو حضرت
حسینؓ امیر معاویہؓ کو حق بہ نہیں سمجھتے تھے تاہم ان کے زمانہ کی لڑائیوں میں برابر شریک

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۵۹،

ہوتے تھے، چنانچہ ۴۹ھ میں قسطنطنیہ کی مشہور مہم میں جس کا افسر سفیان بن عوف تھا، مجاہدانہ شرکت کی تھی، جس کا ذکر امیر معاویہ رضکے حالات میں اوپر گذر چکا ہے،

حضرت حسن رض کا انتقال: اسی سال یعنی ۴۹ھ میں حضرت حسن رض کا انتقال ہوگیا، اس سلسلہ میں حضرت حسین رض کو جو جو واقعات پیش آئے ان کا تذکرہ حضرت حسن رض کے حالات میں گذر چکا ہے، اس لیے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں،

امیر معاویہ رض اور حسین رض: ممکن ہے حضرت امام حسین رض کا دل امیر معاویہ رض کی جانب سے صاف نہ رہا ہو، یا وہ ان کو اچھا نہ سمجھتے ہوں لیکن دونوں کے ظاہری تعلقات خوشگوار تھے اور امیر معاویہ رض ان کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، حضرت حسن رض نے دست برداری کے وقت حسین رض کے لیے جو رقم مقرر کرائی تھی، وہ امیر معاویہ رض انھیں برابر پہنچاتے رہے، بلکہ اس رقم کے علاوہ بھی سلوک ہوتے رہتے تھے۔ البتہ یزید کی ولیعہدی کے وقت ناخوشگواری پیدا ہوگئی تھی، لیکن اس میں بھی کوئی بدنما صورت نہیں پیدا ہونے پائی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۵۶ھ میں جب امیر معاویہ رض نے اہل مدینہ سے یزید کی بیعت لینی چاہی تو طبری کے بیان کے مطابق سوائے چند لوگوں کے کل اہل مدینہ نے بیعت کر لی، بیعت نہ کرنے والوں میں ایک امام حسین رض بھی تھے، لیکن جب عام بیعت ہوگئی تو امیر معاویہ رض نے ان لوگوں سے کچھ زیادہ اصرار نہیں کیا[1]، یہ طبری کی روایت ہے، ابن اثیر کی روایت کی رو سے امیر معاویہ رض نے پہلے تمام اکابر مدینہ سے بزور بیعت لے لی، اور ان کی بیعت کو عوام کے سامنے سند میں پیش کرکے سب سے بیعت لی، اور کسی نے کوئی اختلاف نہیں کیا، سب خاموش رہے، ان خاموش رہنے والوں میں حضرت حسین رض بھی تھے، اس کی تفصیل امیر معاویہ رض کے حالات میں بھی جا چکی ہے۔

---

[1] طبری ج ۷، ص ۱۷۷

امیر معاویہؓ نہایت زمانہ شناس اور بڑے عاقبت بین مدبر تھے، مستقبل میں پیش آنیوالے واقعات کا پہلے اندازہ کر لیتے تھے، چنانچہ انھیں اس کا یقین تھا کہ انکے بعد ابن زبیرؓ ضرور خلافت کا دعویٰ کرینگے اور حسینؓ کو بھی اہلِ عراق یزید کے مقابلہ میں کھڑا کر دیں گے، اس لیے موت کے وقت یزید سے دونوں کے بارہ میں وصیت کرتے گئے، حضرت حسینؓ کے متعلق خاص طور سے تاکید کی تھی کہ میرے بعد عراق والے حسینؓ کو تمھارے مقابلہ میں لاکر چھوڑ دینگے، جب وہ تمھارے مقابلہ میں آئیں، اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگذر سے کام لینا، کیونکہ وہ قرابت دار، بڑے حقدار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ہیں[1]۔

یزید کی تخت نشینی اور حسینؓ سے بیعت کا مطالبہ

جب سنہ ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ نے انتقال ہوا، ان کے بعد یزید (جسکی بیعت وہ اپنی زندگی ہی میں لے چکے تھے) ان کا جانشین ہوا، تختِ حکومت پر قدم رکھنے کے بعد یزید کے لیے سب اہم معاملہ حضرت حسینؓ اور ابن زبیرؓ کی بیعت کا تھا، کیونکہ یزید کی ولیعہدی کی بیعت کے وقت ان دونوں نے اسکو نہ دل سے تسلیم کیا تھا اور نہ زبان سے اقرار کیا تھا، اور ان کے بیعت نہ کرنے کی صورت میں خود ان کی جانب سے دعویٰ خلافت اور حجاز میں یزید کی مخالفت کا خطرہ تھا، کیونکہ ان کے دعویٰ خلافت سے سارا حجاز یزید کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا، اور حسینؓ کی وجہ سے عراق میں بھی شورش برپا ہو جاتی، جیسا کہ آیندہ چل کر ابن زبیرؓ کے دعویٰ خلافت کے زمانہ میں ہوا کہ شام کے بعض حصوں کے سوا قریب قریب پورا ملک ابن زبیرؓ کے ساتھ ہو گیا، ان اسباب کی بنا پر اپنی حکومت کی بقا اور تحفظ کے لئے یزید کو ان دونوں سے بیعت لینا ضروری تھا، یہ اس کی ناعاقبت اندیشی تھی اگر وہ سمجھداری سے کام لے کر ان بزرگوں کو ساتھ ملا لیتا تو بہت ممکن تھا کہ وہ ناگوار

---

[1] طبری ج ۷، ص ۱۹۷ و الفخری ص ۱۰۲

واقعات پیش نہ آتے جنھوں نے نہ صرف یزید کو ساری دنیا میں بدنام بلکہ اموی حکومت
کو لوگوں کی نگاہوں میں مطعون کر دیا، جس کا اثر اموی حکومت پر بہت بُرا پڑا[1]

لیکن یزید نے ان پہلوؤں کو نظر انداز کر کے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی ولید بن
عتبہ حاکم مدینہ کے نام ان دونوں سے بیعت لینے کا تاکیدی حکم بھیجا، ابھی تک مدینہ میں امیر معاویہؓ
کی وفات کی خبر نہ پہنچی تھی، ولید کے لیے اس حکم کی تعمیل بہت مشکل تھی، وہ اس کے انجام سے
واقف تھا، اس لیے بہت گھبرایا، اور اس نے اپنے نائب مروان سے مشورہ کیا، مروان سخت
مزاج تھا، اس نے کہا دونوں کو اسی وقت بلا کر ان سے بیعت کا مطالبہ کرو، اگر مان جائیں
تو فبہا اور اگر ذرا بھی لیت و لعل کریں تو سر قلم کر دو، ورنہ ان لوگوں کو معاویہؓ کی موت کی
خبر مل گئی تو پھر ان میں سے ہر ایک شخص ایک مقام پر خلافت کا مدعی بن کر کھڑا ہو جائیگا،
اور اس وقت سخت دشواری پیش آئے گی،

اس مشورہ کے بعد ولید نے ان دونوں کو بلا بھیجا، اولاً یہ طلبی ایسے غیر معمولی وقت
میں ہوئی تھی جو ولید کے ملنے کا وقت نہ تھا، دوسرے امیر معاویہؓ کی علالت کی خبریں مدینہ
آ چکی تھیں، ان قرائن سے دونوں آدمی سمجھ گئے کہ امیر معاویہؓ کا انتقال ہو گیا ہے، اور انھیں
بیعت کے لیے بلایا گیا ہے، تاکہ معاویہؓ کی موت کی خبر پھیلنے سے پہلے ہی مدینہ میں بیعت
لے لی جائے، حضرت حسینؓ کو اندازہ تھا کہ انکار بیعت کی صورت میں کسی حد تک معاملہ نزاکت
اختیار کر سکتا ہے، اس لیے اپنی حفاظت کا سامان کر کے ولید کے پاس پہنچے اور مکان کے باہر
آدمیوں کو متعین کر دیا، بتا دیا کہ اگر کوئی ناخوشگوار شکل پیش آئے تو وہ لوگ فوراً اندر پہنچ
جائیں، ولید نے انھیں امیر معاویہؓ کی وفات کی خبر سنا کر یزید کی بیعت کے لیے کہا، حضرت

[1] بنی امیہ کے خلاف عباسیوں کی دعوت میں [illegible] کی کامیابی کا ایک بڑا سبب حضرت امام حسینؓ [illegible] واقعہ بھی تھا

حسینؓ نے تعزیت کے بعد یہ عذر کیا کہ میرا جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کرسکتا، اور نہ میرے لیے خفیہ بیعت کرنا زیبا ہے، جب تم عام بیعت کے لیے لوگوں کو بلاؤگے تو میں بھی آجاؤں گا، اور عام مسلمان جو صورت اختیار کرینگے۔ اس میں مجھے بھی کوئی عذر نہ ہوگا، ولید نرم خو اور صلح پسند آدمی تھا، اس لیے رضامند ہو گیا، اور حضرت حسینؓ لوٹ گئے، مروان جس نے زبردستی بیعت لینے اور انکار کی صورت میں قتل کردینے کی رائے دی تھی، ولید کی اس نرمی اور صلح پسندی پر بہت برہم ہوا، اور کہا "تم نے میرا کہنا نہ مانا، اب تم ان پر قابو نہیں پاسکتے، ولید بولا افسوس تم فاطمہؓ بنت رسولؐ کے لڑکے حسینؓ کے خون سے میرے ہاتھ آلودہ کرانا چاہتے ہو خدا کی قسم قیامت کے دن حسینؓ کے خون کا جس سے محاسبہ لیا جائے گا، اس کا پلہ خدا کے نزدیک ہلکا ہوگا۔[1]

محمد بن حنفیہ کا مشورہ ولید کے پاس سے واپس آنے کے بعد حضرت حسینؓ بڑی کشمکش میں پڑ گئے آپ کو اس مشکل سے مفر کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، ایک طرف آپ یزید کی بیعت دل سے سخت ناپسند کرتے تھے، کیونکہ اس کی ولیعہدی کی بیعت خلفائے راشدین کے اسلامی طریقہ انتخاب کے بالکل خلاف غیر شرعی اور قیصر و کسریٰ کے طرز کی پہلی شخصی، موروثی بادشاہت تھی، دوسری طرف جمہور امت کے خلاف بھی نہیں جانا چاہتے تھے، چنانچہ ولید سے فرمادیا تھا کہ جب تمام اہل مدینہ بیعت کرلیں گے تو مجھے بھی کوئی عذر نہ ہوگا، تیسرے اہل عراق خود آپ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، اور آپ کے پاس اس مضمون کے بہت سے خطوط آچکے تھے کہ آپ ظالم حکومت کے مقابلہ میں خلافت قبول کیجئے، ان تمام حالات نے آپ کو بڑی

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۰ و اخبار الطوال ص ۲۴۱، حسینؓ کے ساتھ ابن زبیرؓ کے حالات بھی ہیں، ان کا ذکر ان کے حال میں آئندہ ملے گا

کشمکش میں مبتلا کر دیا،

جس دن حضرت حسینؓ ولید سے ملے تھے، اس کے دوسرے دن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مدینہ سے مکہ نکل گئے، اور دن بھر ولید اور ان کے عمال ان کی تلاش میں سرگرداں رہا، اسلئے حضرت حسینؓ کا کسی کو خیال نہ آیا، اس کے بعد دوسرے دن ولید نے پھر حضرت حسینؓ کے پاس یاددہانی کے لیے آدمی بھیجا، آپ نے ایک دن کی اور مہلت مانگی، ولید نے اسے بھی منظور کر لیا، اس کے بعد بھی حسینؓ کوئی فیصلہ نہ کر سکے، اور اسی کشمکش اور پریشانی میں اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقربا کو لیکر رات کو نکل کھڑے ہوئے، لیکن ابھی تک یہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ مدینہ سے نکل کر جائیں تو کدھر جائیں، محمد بن حنفیہ نے مشورہ دیا کہ "اس وقت آپ یزید کی بیعت اور کسی مخصوص شہر کے ارادے سے جہانتک ہوسکے الگ رہیئے اور لوگوں کو خود اپنی خلافت کی دعوت دیجئے، اگر وہ لوگ بیعت کر لیں تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے، اور اگر کسی دوسرے شخص پر لوگوں کا اجماع ہوجائے، تو اس سے آپکے اوصاف و کمالات اور فضائل میں کمی نہ آئے گی، مجھے خوف ہے کہ اگر آپ اس پُر شور زمانہ میں کسی مخصوص شہر اور مخصوص جماعت کے پاس جانے کا قصد کریں گے تو ان میں اختلاف پیدا ہوجائے گا، ایک فریق آپ کی حمایت کرے گا، دوسرا مخالفت، پھر یہ دونوں آپس میں لڑیں گے اور آپ ان کے نیزوں کا پہلا نشانہ بنیں گے، اس طرح اس امت کا معزز ترین اور شریف ترین شخص جس کا ذاتی اور نسبی شرف میں کوئی مقابل نہیں ہے، سب سے زیادہ ذلیل اور لیت اور اس کا خون سب سے زیادہ ارزاں ہوجائے گا، یہ مشورہ سنکر حضرت حسینؓ نے پوچھا، پھر کہاں جاؤں، محمد بن حنفیہ نے کہا، مکہ، اگر وہاں آپ کو اطمینان حاصل ہوجائے تو یہی رائے ٹھیک ہوگی، اور اگر وہاں بھی اطمینان حاصل نہ ہو تو کسی اور ریگستان اور پہاڑی علاقہ میں نکل جائیے، اور اس وقت تک برابر ایک شہر سے دوسرے شہر

میں منتقل ہوتے رہیے، جب تک کہ ملک کا کوئی فیصلہ نہ ہو جائے، اس درمیان میں آپ کسی نہ کسی نتیجہ پر بھی پہونچ جائیں گے، جب واقعات سامنے آجاتے ہیں اس وقت آپ کی رائے بہت زیادہ صائب ہوجاتی اور آپ کا طریقہ کار بہت زیادہ صحیح ہوجاتا ہے، حضرت حسینؓ نے محمد بن حنفیہ کا مشورہ پسند کیا، اور فرمایا تمہاری نصیحت بہت محبت آمیز ہے، تمہاری رائے بھی صائب ہوگی[1]،

حضرت حسینؓ کا سفر مکہ اور عبداللہ بن مطیع کا مشورہ

اس وقت مدینہ بہت پُرآشوب ہو رہا تھا، اس کے مقابلہ میں اگر کہیں امن تھا تو وہ حرم محترم تھا، اور حضرت حسینؓ کے پاس کوفہ سے خط پر خط اور آدمی پر آدمی آرہے تھے کہ آپ کوفہ تشریف لائیے ہم سب جان نثاری کے لیے تیار ہیں، لیکن محمد بن حنفیہ نے کسی دوسرے مقام پر جانے کی مخالفت کی تھی اور مکہ ہی میں قیام کرنے کا مشورہ دیا تھا، اس لیے حضرت حسینؓ نے مدینہ چھوڑ کر مکہ جانے کا قصد کر لیا چنانچہ شعبان ۶۰ھ میں مع اہل و عیال مکہ روانہ ہو گئے، راستہ میں عبداللہ بن مطیع ملے، انھوں نے آپ کو مدینہ سے جاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا، میں آپ پر فدا ہوں کہاں کا قصد ہے؟ فرمایا فی الحال مکہ جاتا ہوں، عبداللہ نے کہا، اس میں مضائقہ نہیں، مگر خدا کے لیے کوفہ کا قصد نہ کیجئے گا، وہ منحوس شہر ہے وہاں آپ کے والد شہید کیے گئے، آپ کے بھائی بے یار و مددگار چھوڑے گئے، نیزے سے زخمی ہوئے، جان جاتے جاتے بچی، آپ حرم میں بیٹھ جائیے، آپ عرب کے سردار ہیں، حجازی آپ کے مقابلہ میں کسی کو نہ مانیں گے حرم میں بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ لوگوں کو اپنی طرف مائل کیجئے، میرے چچا اور ماموں آپ پر فدا ہوں، آپ حرم کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑیے گا، اگر بدنصیب دشمنان آپ پر کوئی آنچ آئی تو ہم سب غلام بنا ڈالے جائیں گے،

---

[1] طبری ج ۷ ص ۲۲۰، ۲۲۱، ملخصاً

تحقیق حال کے لیے مسلم بن عقیل کی کوفہ روانگی اور راہ کے شدائد

مکہ پہونچنے کے بعد حضرت حسینؓ نے شعب ابی طالب (یہ وہی گھاٹی ہے جس میں آغاز اسلام میں قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ آپ کے حامیوں اور ہوا خواہوں کو تبلیغ اسلام کے جرم میں نظر بند کیا تھا) میں قیام فرمایا، آپ کی آمد کی خبر سنکر لوگ جوق در جوق زیارت کے لیے آنے لگے، اور کوفیوں کے بلاوے کے خطوط کا تانتا بندھ گیا، عمائد کوفہ کے وفود نے آکر عرض کیا کہ آپ جلد سے جلد کوفہ تشریف لے چلیے، وہاں کی مسند خلافت آپ کے لیے خالی ہے، اور ہماری گردنیں آپ کے لیے حاضر ہیں، حضرت حسینؓ نے یہ اشتیاق سنکر فرمایا، میں تمہاری محبت اور ہمدردی کا شکر گذار ہوں، لیکن فی الحال نہیں جا سکتا، پہلے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں، یہ وہاں کے حالات کا اندازہ لگا کر مجھے اطلاع دیں گے، اس وقت میں کوفہ کا قصد کروں گا، چنانچہ مسلم کو خطوط دیکر کوفہ روانہ کردیا، کہ وہ براہ راست خود حالات کا صحیح اندازہ لگا کر اطلاع دیں، اور اگر حالات کا رخ کچھ بدلا ہوا دیکھیں تو لوٹ آئیں چنانچہ مسلم دو آدمیوں کو لے کر کوفہ روانہ ہوئے راستہ میں بڑی دشواریاں پیش آئیں پانی کی قلت کی وجہ سے دونوں آدمی ہلاک ہوگئے مسلم نے کوفہ کے قریب پہونچ کر حضرت حسینؓ کو خط لکھا کہ میں ان ان دشواریوں کے ساتھ یہاں تک پہنچا ہوں، بہتر ہوتا کہ یہ خدمت کسی دوسرے کے سپرد کر دی جاتی، لیکن امام نے جواب میں لکھا کہ یہ تمہاری کمزوری ہے، ہمت نہ ہارو، اس لیے مسلم کو چار و ناچار کوفہ میں داخل ہونا پڑا، کوفہ والے چشم براہ ہی تھے، مسلم کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور ان کے پہونچتے ہی کوفہ میں یزید کی علانیہ مخالفت شروع ہوگئی،

یزید کو مسلم کے پہنچنے کی اطلاع اور حسینؓ کے بصری قاصد کا قتل

مسلم کے کوفہ پہونچنے کے بعد حکومت شام کے جاسوسوں نے پایۂ تخت دمشق اطلاع بھیجی کہ حسینؓ کی طرف سے مسلم بیعت لینے

کے لیے کوفہ آگئے ہیں، اگر سلطنت کی بقا منظور ہے، تو فوراً اس کا تدارک ضروری ہے، اس اطلاع پر دربار دمشق سے عبید اللہ بن زیاد کے نام تاکیدی حکم آیا کہ تم فوراً کوفہ جاکر مسلم کو خارج البلد کردو اور اگر وہ اس میں مزاحمت کریں تو قتل کردو، ابن زیاد کو بصرہ میں یہ فرمان ملا، اتفاق سے اسی دن حضرت حسین رضؓ کا ایک اور قاصد اہل بصرہ کے نام بھی آپ کا خط لے کر آیا تھا، بصرہ والوں کو یزید کے فرمان کا علم ہو چکا تھا۔ اس لیے انھوں نے اس قاصد کو چھپا دیا، مگر ابن زیاد کے خسر کو اس کا علم ہوگیا تھا، اس نے ابن زیاد کو خبر دی، ابن زیاد نے اسی وقت قاصد کو گرفتار کرکے قتل کرادیا، اور جامع بصرہ میں تقریر کی کہ امیر المومنین نے مجھے بصرہ کے ساتھ کوفہ کی حکومت بھی مرحمت فرمائی ہے، اس لیے میں وہاں جا رہا ہوں، میری عدم موجودگی میں میرا بھائی عثمان میری نیابت کرے گا، تم لوگوں کو اختلاف شورش سے بچنا چاہیے۔ یاد رکھو جس کے متعلق مجھے ان میں حصہ لینے کی اطلاع ملے گی۔ اس کو اور اس کے حامی دونوں کو قتل کرادوں گا۔ اور قریب و بعید اور گناہگار و ناکردہ گناہ سب کو ایک گھاٹ اتاروں گا۔ تاآنکہ تم لوگ راہ راست پر آجاؤ، میرا فرض بتانا تھا، اسے میں نے پورا کردیا، اب میں بری الذمہ ہوں،

کوفہ میں ابن زیاد کا ورود اور پہلی تقریر

اس تہدید آمیز تقریر کے بعد ابن زیاد بصرہ سے کوفہ روانہ ہوگیا۔ اہل کوفہ حضرت حسین رضؓ کے لیے چشم براہ تھے۔ اور آپ کے دھوکے میں ہر باہر سے آنے والے کو دیکھ کر مرحبا بن رسول اللہ کا نعرہ لگاتے تھے، اس لیے ابن زیاد کوفہ میں جن جن راستوں سے گذرا، یہی نعرہ سنائی دیا، ان کو سنکر جوش غضب سے لبریز ہوگیا، اور سیدھا جامع مسجد پہنچا، اور لوگوں کو جمع کرکے تقریر کی کہ "باشندگان کوفہ امیر المومنین نے مجھے تمھارے شہر کا حاکم بنا کر بھیجا ہے، اور مظلوم کے ساتھ انصاف، مطیع و منقاد کے ساتھ احسان اور نافرمان

اور باغی کے ساتھ سختی کا حکم دیا ہے، میں اس حکم کی پوری پابندی کروں گا، فرمانبرداروں کے ساتھ پدرانہ شفقت سے پیش آؤں گا، لیکن مخالفوں کے لیے سم قاتل ہوں،

کوفہ میں مسلم کا خفیہ سلسلہ بیعت، | اس اعلان سے مسلم گھبرا گئے، اور رات کو اپنے قیام گاہ سے نکل کر اہل بیت کے ایک ہوا خواہ ہانی بن عروہ مذحجی کے یہاں پہنچے، ابن زیاد کے اعلان سے سب خوفزدہ ہو رہے تھے، اس لیے ہانی کو پہلے مسلم کے ٹھہرانے میں تذبذب ہوا، لیکن پھر زنانہ مکان کے ایک محفوظ حصہ میں چھپا دیا، حضرت حسینؓ کا ایک بڑا حامی شریک بن اعور سلمی جو بصرہ کا ایک بڑا مقتدر اور معزز شخص تھا، عبید اللہ بن زیاد کے ساتھ کوفہ آیا ہوا تھا، اس تعلق سے ہانی نے اسے بھی اپنا مہمان بنایا، اور مسلم کے ساتھ ٹھہرایا، اس نے ہانی کو مسلم کی امداد پر آمادہ کیا، اور مسلم کے پاس حضرت حسینؓ کے حامیوں کی خفیہ آمد ورفت شروع ہو گئی، اور ان کی بیعت کا سلسلہ جاری ہو گیا، سوءِ اتفاق سے اسی دوران میں شریک بیمار پڑ گیا، ابن زیاد کو خبر ہوئی، تو وہ عیادت کے لیے آیا، اس کے آنے کی خبر سنکر شریک نے پہلے سے اس کا قصہ چکانے کا بند وبست کر لیا، اور مسلم کو ایک خفیہ مقام پر چھپا کر ہدایت کر دی کہ وہ موقع پاتے ہی نکل کر ابن زیاد کا کام تمام کر دیں، اس کے بعد بصرہ کی مسند خلافت تمہارے لیے خالی ہو جائے گی اور کوئی مزاحم باقی نہ رہے گا، ہانی نے اپنے گھر میں یہ صورت ناپسند کی، لیکن شریک نے اس قتل کو مذہبی خدمت بتا کر ہانی کو آمادہ کر لیا، اس کے بعد ہی عبید اللہ بن زیاد عیادت کے لیے آگیا، اور دیر تک بیٹھا رہا مگر مسلم نہ نکلے، شریک نے اشارہ بھی کیا، مگر کسی وجہ سے مسلم نے حملہ مناسب نہ سمجھا، اور ابن زیاد بچ کر نکل گیا، اس کی واپسی کے بعد شریک نے کہا تم نے بڑی بزدلی سے کام لیا، مسلم نے جواب دیا کہ اول تو میزبان ہانی کو یہ صورت پسند نہ تھی، دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ ایمان

اچانک حملہ سے روکتا ہے، اور اچانک حملہ مسلمانوں کے شایانِ شان نہیں" میرے پاؤں پکڑ لیتا تھا، بہرحال مسلم نے اپنی دینداری کی بنا پر ابن زیاد کے قتل کا بہترین موقع کھو دیا، لیکن اس کے بعد بھی ان کا سلسلۂ بیعت بدستور برابر جاری رہا، اور اٹھارہ ہزار اہل کوفہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرکے حضرت حسینؓ کے زمرۂ عقیدت میں داخل ہو گئے،

ہانی مذحجی کا قتل| ابن زیاد کو مسلم کی تلاش میں عرصہ گذر چکا تھا، لیکن ابھی تک اسے ان کا پتہ نہ چلتا تھا، آخر کار اس نے اپنے غلام معقل کو سراغ رسانی پر مامور کیا، اس قسم کی خفیہ تحریکوں کا پتہ چلانے کے لیے بہترین مقام مسجد تھی، کیونکہ مسجد میں ہر قسم کے لوگ آتے تھے، اس لیے یہ غلام سیدھا جامع مسجد پہنچا، یہاں دیکھا کہ ایک شخص مسلسل نمازیں پڑھ رہا ہے، معقل نے نمازوں کی کثرت سے قیاس کیا کہ یہ حضرت حسینؓ کے حامیوں میں ہے، اور اس کے پاس جاکر کہا کہ میں شامی غلام ہوں، خدا نے میرے دل میں اہل بیت نبویؐ کی محبت ڈال دی ہے، میرے پاس تین ہزار درہم ہیں، میں نے سنا ہے کہ یہاں حسینؓ علیہ السلام کا کوئی داعی آیا ہوا ہے، میں اس کی خدمت میں یہ حقیر رقم نذر کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اس کو کسی کارِ خیر میں صرف کریں، یہ سنکر داعی نے سوال کیا مسجد میں اور مسلمان بھی ہیں، تم نے خاص طور سے مجھ سے یہ سوال کیوں کیا، معقل نے جواب دیا، آپ کے بشرہ پر خیر کے آثار نظر آئے، معقل کی اس پُر فریب گفتگو سے وہ شخص دام میں آگیا، اس کو معقل کی حمایتِ حسینؓ کا یقین ہو گیا، چنانچہ اس ملاقات کے دوسرے دن معقل اس داعی کے ہمراہ مسلم کے پاس پہنچا، اور ۳ ہزار درہم نذر پیش کرکے بیعت کی، اور حالات کا پتہ چلانے کے لیے اظہارِ عقیدت و خدمت کے بہانے ان ہی کے پاس رہنے لگا، رات دن مسلم کے پاس رہتا اور دن کو ابن زیاد کے پاس جاکر مفصل رپورٹ پہنچاتا، ہانی چونکہ مقد-

آدمی تھے، اس لیے پہلے ابن زیاد کے پاس آیا جایا کرتے تھے، لیکن جب سے مسلم کے مشن کے کارکن ہوگئے تھے۔ اس وقت سے بیماری کا بہانہ کرکے آنا جانا ترک کردیا تھا، ایک دن ابن زیاد کے پاس محمد بن اشعث اور اسماء بن خارجہ آئے، ابن زیاد نے ان سے پوچھا: ہانی کا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا بیمار ہیں، ابن زیاد نے کہا کیسے بیمار ہیں کہ دن ٹھیر اپنے دروازہ پر بیٹھے رہتے ہیں؟ یہ دونوں یہاں سے واپس گئے، تو ہانی سے ابن زیاد کا سوء ظن بیان کیا اور کہا تم ابھی ہمارے ساتھ چلو تاکہ اسی وقت معاملہ صاف ہوجائے، ان دونوں کے کہنے پر ہانی ان کے ساتھ ہوگئے، مگر دل میں چور تھا اس لیے قصر امارت کے پاس پہونچکر ان کو خوف پیدا ہوا، اور انھوں نے کہا کہ مجھے اس شخص سے ڈر معلوم ہوتا ہے محمد بن اشعث نے اطمینان دلایا کہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں، تم بالکل بری الذمہ ہو، اور ہانی کو اندر لے گئے، ابن زیاد کو تمام خفیہ حالات کی خبر ہوچکی تھی، اس نے ہانی کو دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا ؎

ارید حباءہ ویرید قتلی عذیرک من خلیلک من مراد

میں اسکو انعام دینا چاہتا ہوں اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے، قبیلہ مراد سے اپنے کسی دوست کو معذرت کے لیے لا،

ہانی نے یہ شعر سنکر پوچھا اس کا کیا مطلب ہے؟ ابن زیاد نے جواب دیا مطلب پوچھتے ہو، مسلم کو چھپانا، ان کی بیعت کے لیے لوگوں کو خفیہ جمع کرنا، اس سے بڑھ کر سنگین جرم اور کیا ہوسکتا ہے؟ ہانی نے اس الزام سے انکار کیا، ابن زیاد نے اسی وقت معقل کو طلب کیا، اور ہانی سے کہا اس کو پہچانتے ہو، معقل کو دیکھ کر ہانی کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، اب وہ سمجھے کہ یہ شیعیت کے بھیس میں جاسوسی کررہا تھا، اس عینی شہادت کے سامنے انکار کی گنجائش نہ تھی، اس لیے صاف صاف اقرار کرلیا کہ آپ سچ کہتے ہیں: لیکن خدا کی قسم

میں نے مسلم کو بلایا نہیں تھا، اور کل واقعہ صحیح صحیح بیان کرکے وعدہ کیا کہ ابھی جاکر انہیں اپنے گھر سے نکالے دیتا ہوں، اور نکال کر واپس آتا ہوں، لیکن ابن زیاد نے اس کی اجازت نہ دی اور کہا کہ خدا کی قسم تم اس وقت تک یہاں سے واپس نہیں جاسکتے جب تک مسلم یہاں نہ آجائیں؛ ہانی نے جواب دیا یہ نہیں ہوسکتا، خدا کی قسم میں اپنے مہمان اور پناہ گزین کو قتل کیلئے کبھی تمہارے حوالہ نہیں کروں گا، یہ جواب سن کر ابن زیاد بے تاب ہوگیا، اور اس زور سے ہانی کو بید مارا کہ ان کی ناک پھٹ گئی، اور ابرو کی ہڈی ٹوٹ گئی، اور انھیں ایک گھر میں ڈلوا دیا[1]

ادھر شہر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ ہانی قتل کر دیئے گئے، یہ افواہ سن کر ہانی کے قبیلہ والے ہزاروں کی تعداد میں قصر امارت پر ٹوٹ پڑے، اور انتقام انتقام کا نعرہ لگانے لگے، یہ نازک صورت دیکھ کر ابن زیاد بہت گھبرایا، اور قاضی شریح سے کہا کہ آپ ہانی کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر ہانی کے قبیلہ والوں کو اطمینان دلا دیجئے کہ وہ قتل نہیں کئے گئے، چنانچہ قاضی صاحب ہانی کے معائنہ کے لیے گئے، ہانی اپنے قبیلہ والوں کا شور و ہنگامہ سن رہے تھے، قاضی صاحب کو دیکھ کر کہا یہ آوازیں میرے قبیلہ والوں کی معلوم ہوتی ہیں، انھیں آپ اتنا پیام پہنچا دیجئے کہ اگر اس وقت ان لوگوں میں سے دس آدمی بھی آجائیں تو میں چھوٹ سکتا ہوں، لیکن قاضی شریح کے ساتھ جاسوس لگا ہوا تھا، اس لیے وہ یہ پیام نہ پہنچا سکے، اور بنی مذحج کو ہانی کی زندگی کا یقین دلا کر واپس کر دیا،

اہل کوفہ کی غداری اور مسلم کی روپوشی

مسلم بن عقیل نے ہانی کے قتل کی افواہ سنی تو اپنے اٹھارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ قصر امارت پر حملہ کرکے ابن زیاد کو گھیر لیا، اس وقت

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۴۹ تا ۲۵۱

ابن زیاد کے پاس صرف پچاس آدمی تھے، ۳۰ پولیس کے آدمی اور ۲۰ عمائد کوفہ، ان کے علاوہ
مدافعت کی کوئی قوت نہ تھی، اس لیے اس نے محل کا پھاٹک بند کرالیا اور لوگوں سے
کہا کہ تم لوگ نکل کر اپنے اپنے قبیلہ والوں کو تہدید و تخویف، طمع اور لالچ کے ذریعہ سے
جس طرح بھی ہو سکے مسلم کے ساتھ سے علیحدہ کردو اور عمائد کوفہ کو حکم دیا کہ قصر کی چھت پر
چڑھ کر یہ اعلان کریں کہ اس وقت جو شخص ہماری اطاعت کرے گا اس کو انعام و اکرام
ملے گا، اور جو بغاوت کرے گا اس کو نہایت سنگین سزا دی جائے گی، عمائد کوفہ کے اس
اعلان پر مسلم کے بہت سے ساتھی منتشر ہوگئے، شہر کے لوگ آتے تھے اور اپنے اعزہ و اقربا کو
لے جاتے تھے، اس طرح چھنٹتے چھنٹتے مسلم کے ساتھ کل ۳۰ آدمی رہ گئے، جب انھوں نے کوفی
حامیان حسینؓ کی یہ غداری دیکھی تو کندہ کے محلہ کی طرف چلے گئے، یہاں باقی ماندہ تیسوں
آدمیوں نے بھی ایک ایک کرکے ساتھ چھوڑ دیا، اور مسلم تن تنہا رہ گئے، اس کس مپرسی کی
حالت میں کوفہ کی گلیوں کی خاک چھانتے اور ٹھوکریں کھاتے ہوئے طوعہ نامی ایک عورت
کے دروازہ پر پہنچے، اس عورت کا لڑکا بلال شورش پسندوں کے ساتھ نکل گیا تھا، وہ اس
وقت اس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی، مسلم نے اس سے دروازہ پر ٹھیر کر پانی مانگا، اس
نے پانی پلایا، پانی پینے کے بعد کہا اب جاؤ اپنا راستہ لو، لیکن مسلم جاتے تو کہاں جاتے،
ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی، اس لیے وہ سن کر خاموش ہو گئے، عورت نے
پھر دو تین مرتبہ یہی کہا، آخر مسلم نے جواب دیا کہ اس شہر میں پردیسی ہوں، میرا گھر اور
میرے اقربا یہاں نہیں ہیں، ایسی حالت میں تم میرے ساتھ کچھ سلوک کر سکتی ہو؟ عورت نے
پوچھا کس قسم کا؟ مسلم نے کہا میں مسلم بن عقیل ہوں، کوفہ والوں نے میرے ساتھ غداری کی ہے،
بوڑھی عورت قدر شناس تھی، مسلم کی داستان سن کر انھیں اپنے مکان میں چھپا دیا، لڑکا

خبرگیری کرتی رہی، اس کے بعد اس کا لڑکا گھر آیا، تو اس نے ماں کو مکان کے ایک خاص حصہ میں زیادہ آتے جاتے دیکھا تو سبب دریافت کیا، پہلے تو ماں نے چھپایا لیکن جب بیٹے نے زیادہ اصرار کیا تو راز داری کا وعدہ لے کر بتا دیا۔

مسلم کی گرفتاری جب سے مسلم ہانی کے گھر سے نکلے تھے اسی وقت سے ابن زیاد ان کی تلاش میں مصروف تھا، لیکن پتہ نہ چلتا تھا، اس لیے اس نے ایک دن اہل شہر کو مسجد میں جمع کرکے اعلان کیا کہ جاہل اور سفیہ مسلم بن عقیل نے فتنہ برپا کیا ہے، اس کو تم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے، اس لیے جس شخص کے گھر سے وہ برآمد ہوں گے وہ ماخوذ ہوگا، اور جو انہیں گرفتار کرکے لائے گا، اسے ان کی دیت دی جائے گی، اس اعلان کے بعد پولیس کو کوفہ میں عام تلاشی کا حکم دیا، جس عورت کے گھر میں مسلم روپوش تھے اس کے لڑکے کو علم ہو چکا تھا، ابن زیاد کے اعلان سے وہ گھبرا گیا، اور دوسرے دن صبح کو اس نے عبدالرحمن بن محمد سے تذکرہ کر دیا کہ مسلم ہمارے گھر میں روپوش ہیں، عبدالرحمن نے قصر امارت میں جا کر اپنے باپ کو اطلاع دی، اس نے ابن زیاد سے کہہ دیا، اس طرح مسلم کا پتہ چل گیا، ابن زیاد نے اسی وقت ستر آدمیوں کا ایک دستہ مسلم کی گرفتاری کے لیے بھیج دیا، دستہ کی آمد کا شور سن کر مسلم سمجھ گئے، لیکن خوفزدہ نہ ہوئے، اور تن تنہا پورے دستہ کا نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ مقابلہ کرکے انہیں گھر سے باہر کر دیا، یہ لوگ پھر ریلا کرکے اندر گھس آئے، مسلم نے پھر نکال باہر کیا، اسی کشاکش میں بکیر بن حمران نے مسلم کے چہرے پر ایسا وار کیا کہ اوپر کا ہونٹ کٹ گیا، [illegible] اس حالت میں بھی مسلم نے [illegible] کو نہایت [illegible] آدمی مکان کی چھت پر چڑھ گئے، اور وہاں سے مسلم پر [illegible] برسانے لگے، مسلم نے

یہ بزدلی دیکھی تو گلی میں نکل آئے اور بڑا پر زور مقابلہ کیا، شامی دستہ کے امیر محمد بن اشعث نے کہا کہ تنہا کب تک مقابلہ کرو گے، جان دینے سے کیا فائدہ، میں تمھیں امان دیتا ہوں، سپر ڈال دو، اور اپنے کو بیکار ہلاک نہ کرو، مسلم نے اس کے جواب میں نہایت بہادرانہ رجز پڑھا، لیکن محمد بن اشعث نے یقین دلایا کہ تمھارے ساتھ کوئی فریب نہ کیا جائے گا، مقابلہ سے باز آجاؤ، مسلم زخموں سے چور ہو چکے تھے، مزید مقابلہ کی طاقت باقی نہ تھی، اس لیے مکان کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، محمد بن اشعث نے پھر امان کی تجدید کی، لیکن عمرو بن عبید اللہ سلمی نے اسے تسلیم نہ کیا، اور مسلم کی سواری کے لیے اونٹ تک مہیا نہ کیا، چنانچہ اس خستہ حالت میں ان کو خچر پر سوار کر کے تلوار چھین لی گئی، تلوار چھیننے سے مسلم کو اپنی زندگی سے مایوسی ہو گئی اور بادیدۂ پرنم کہا، یہ پہلا دھوکا ہے، محمد بن اشعث نے پھر اطمینان دلایا، لیکن مسلم بہت مایوس تھے، بولے اب امان کہاں، [illegible] آس ہے، [illegible] ہے، عمرو بن عبید اللہ نے اشکباری پر طعنہ دیا کہ خلافت کے مدعی کو مصائب [illegible] کرنا نہ چاہیے، مسلم نے کہا "میں اپنے لیے نہیں روتا ہوں، بلکہ اپنے گھر والوں کے لیے روتا ہوں جو مجھ سے یہاں آرہے ہیں، حسینؓ کے لیے روتا ہوں، آل حسینؓ کے لیے روتا ہوں"، پھر محمد بن اشعث سے کہا میرا بچانا تمھارے بس سے باہر ہے، البتہ اگر تم سے ہو سکے تو میرے بعد اتنا کام کرنا کہ حسینؓ کو میری حالت کی خبر کر کے یہ پیام بھجوا دینا کہ وہ اپنے اہلبیت کو لیکر لوٹ جائیں، اور کوفہ والوں پر [illegible] اعتماد نہ کریں، محمد بن اشعث نے کہا خدا کی قسم جس حد تک بھی ہو سکے گا یہ پیام حضرت کو پہنچاؤں گا، محمد بن اشعث نے یہ وعدہ پورا [illegible] جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔[1]

مسلم کو امان دینے کے بعد محمد بن اشعث انھیں [illegible] دارالامارت میں لایا [illegible]

---

[1] [illegible]

سے کہا کہ میں مسلم کو امان دے چکا ہوں، لیکن ابن زیاد نے اسے تسلیم نہیں کیا، اور کہا تم کو امان دینے کا کیا اختیار تھا، میں نے تم کو صرف گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا، اس کی ڈانٹ سن کر محمد بن اشعث خاموش ہو گئے، مسلم بہت پیاسے تھے، قصر امارت کے پھاٹک پر ٹھنڈا پانی نظر پڑا اسے مانگا، مسلم بن عمرو باہلی نے جواب دیا دیکھتے ہو کتنا ٹھنڈا پانی ہے، لیکن اس میں سے تم کو ایک قطرہ بھی نہیں مل سکتا، تم کو اس کے عوض آتشِ دوزخ کا کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، اس کے اس کہنے پر مسلم نے پوچھا تم کون ہو؟ ابن عمرو نے جواب دیا، میں وہ ہوں، جس نے حق کو اس وقت پہچانا جب تم نے اسے چھوڑ دیا، اور امت مسلمہ اور امام وقت کا خیر خواہ رہا، جب تم نے ان کے ساتھ غش کی، اور اس کا مطیع و منقاد رہا جب تم نے سرکشی کی، میں مسلم بن عمرو ہوں، مسلم بن عقیل نے یہ جواب سن کر کہا، تیری ماں تجھے روئے، تو بھی کس قدر سنگ دل، قسی القلب، ظالم اور درشت خو ہے، باہلہ کے بچے تو مجھ سے زیادہ کھولتے ہوئے پانی، اور دائمی دوزخ کا مستحق ہے،

ابن زیاد سے گفتگو اور عمر بن سعد سے وصیت

مسلم بن عمرو اور مسلم بن عقیل کی اس گفتگو کے بعد ایک نرم دل نے پانی کا پیالہ دیا، مگر زخموں کی کثرت سے مسلم کا ہر موئے بدن خونابہ فشاں ہو رہا تھا، اس لیے جیسے ہی گلاس منہ سے لگاتے تھے خون سے بھر جاتا اور مسلم اسے ہٹا لیتے، تیسری مرتبہ گلاس لبوں سے لگایا تو دو دانت جو ضرب سے ہل گئے تھے اور خفیف اٹکے ہوئے تھے، گلاس ہی میں گرتے ہی اس میں رہ گئے، مسلم نے گلاس لبوں سے ہٹا لیا اور کہا خدا کا شکر ہے، اگر پانی قسمت میں ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی، غرض اسی طرح تشنہ لب ابن زیاد کے سامنے پیش کیے گئے، مسلم نے قاعدہ کے مطابق ابن زیاد کو سلام نہیں کیا، نگراں نے ٹوکا، امیر کو سلام نہیں کرتے، کہا، اگر وہ قتل کرنا چاہتے ہیں تو سلام نہیں

کروں گا، اور اگر قتل کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو بہت سے سامنے ہیں کہ ابن زیاد بولا: اپنی عمر کی قسم ضرور قتل کروں گا، مسلم نے کہا واقعی؟ ابن زیاد نے جواب دیا: ہاں واقعی، مسلم نے کہا اگر قتل ہی کرنا ہے، تو پھر اپنے کسی قبیلہ والے سے کچھ وصیت کرنے کی مہلت دو، ابن زیاد نے یہ درخواست قبول کرلی، اس وقت مسلم کے قریبی عزیزوں میں عمر بن سعد پاس تھا، مسلم نے اس سے کہا میں تم سے ایک راز کی بات کہنا چاہتا ہوں، عمر بن سعد نے سننے سے انکار کیا، اس کے انکار پر ابن زیاد نے غیرت دلائی کہ اپنے ابن عم کو مایوس نہ کرنا چاہئے[1] اس کے غیرت دلانے پر عمر بن سعد مسلم کے پاس گیا، انھوں نے وصیت کی کہ میں نے کوفہ میں سات سو درہم قرض لئے تھے، میرے بعد انھیں ادا کرنا اور میری لاش لے کر دفن کر دینا، حسینؓ آرہے ہوں گے، ان کے پاس آدمی بھیج کر راستہ سے واپس کر دینا، ابن سعد نے ابن زیاد سے ان وصیتوں کے بارہ میں پوچھا، اس نے کہا جو وصیت مال کے متعلق ہے اس کے بارہ میں تم کو پورا اختیار ہے، جیسے چاہو کرو، حسینؓ کے بارہ میں یہ طرز عمل ہے کہ اگر وہ یہاں نہ آئیں گے تو میں خواہ مخواہ ان کا تعاقب نہ کراؤں گا، اور اگر آگئے تو چھوڑ بھی نہیں سکتا، البتہ لاش کے بارے میں تمھاری سفارش نہیں سنی جا سکتی جس نے ہماری اتنی مخالفت کی ہو اس کی لاش ہرگز اس طرز عمل کی مستحق نہیں ہے، اور ایک روایت یہ ہے کہ لاش کے متعلق بھی اس نے کہا کہ قتل کرنے کے بعد ہمیں اس سے بحث نہیں کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے[2]

مسلم اور ابن زیاد کا آخری مکالمہ اور شہادت

اس وصیت کے بعد مسلم دوبارہ پھر ابن زیاد کے سامنے لائے گئے اور ان دونوں میں یہ مکالمہ ہوا،

---

[1] یہ طبری کی روایت ہے دینوری کا بیان ہے کہ عمر بن سعد نے یہ باتیں نہایت خوشی سے سنیں اور ان کے پورا کرنے کا پختہ وعدہ کیا۔ [illegible]

ابن زیاد۔ لوگ آپس میں متحد و متفق تھے، تم ان میں تفرقہ اور اختلاف ڈلوانے اور آپس میں لڑانے کے لیے آئے؟

مسلم۔ یہ خلاف واقعہ ہے، میں ہرگز اس مقصد کے لیے نہیں آیا، بلکہ کوفہ والوں کا خیال تھا کہ تمہارے باپ نے ان کے بزرگوں اور نیک لوگوں کو قتل کیا، ان کا خون بہایا اور اسلامی خلافت کو چھوڑ کر قیصر و کسریٰ کا طرز عمل اختیار کیا، اس لیے ہم یہاں قیام عدل اور کتاب اللہ کے احکام کی دعوت دینے کے لیے آئے۔

ابن زیاد۔ (برہم ہو کر غضبناک ہو کر بولا) فاسق تیرے منہ پر یہ دعویٰ زیب نہیں دیتا، کیا تو جب مدینہ میں بادہ نوشی کرتا تھا، اس وقت ہم یہاں عدل و کتاب اللہ پر عمل کی دعوت نہیں دیتے تھے؟

مسلم۔ میں شراب پیتا تھا؟ خدا کی قسم، وہ خوب جانتا ہے کہ تو جھوٹ بول رہا ہے اور بغیر علم کے الزام لگا رہا ہے، جیسا تو نے بیان کیا ہے ویسا نہیں ہوں۔ مجھ سے زیادہ شراب نوشی کا وہ مستحق ہے جس کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے آلودہ ہیں، جو خدا کی حرام کی ہوئی جانوں کو لیتا ہے، بغیر قصاص کے لوگوں کو قتل کرتا ہے، حرام خون بہاتا ہے، محض ذاتی عداوت، غصہ اور سوءِ ظن پر لوگوں کی جان لیتا ہے، اور پھر ان ستم آرائیوں پر اس طرح لہو و لعب میں مشغول ہے گویا اس نے کچھ کیا ہی نہیں۔

ابن زیاد۔ فاسق تیرے نفس نے تجھے ایسی چیز کی تمنا دلائی جس کا خدا نے تجھے اہل نہ سمجھا، اس لیے تیری آرزو پوری نہ ہونے دی۔

مسلم۔ پھر اس کا کون اہل تھا؟

ابن زیاد۔ امیر المومنین یزید!

مسلم۔ ہر حال میں خدا کا شکر ہے، وہ ہمارے اور تمھارے درمیان جو فیصلہ چاہے کردے،

ابن زیاد۔ معلوم ہوتا ہے تم خلافت کو اپنا حق سمجھتے ہو؟

مسلم۔ خیال ہی نہیں بلکہ اس کا یقین ہے۔

ابن زیاد۔ اگر میں تم کو اس بری طرح قتل نہ کروں کہ تاریخ میں اسکی کوئی مثال نہ ملے، تو خدا مجھے قتل کرے

مسلم۔ بیشک اسلام میں تم کو ایسی نئی مثالوں کے قائم کرنے اور نئی بدعات کے جاری کرنے کا حق ہے، جو اس میں نہیں ہیں، تم تو خدا شتم! بُرے طریقہ سے قتل کرنا، برے طریقہ سے مثلہ کرنا، اور خبیث سیرت کسی ایک بُرائی کو بھی نہ چھوڑنا، ان برائیوں کا تم سے زیادہ کوئی مستحق بھی نہیں ہے۔

یہ دندان شکن جواب سن کر ابن زیاد بالکل بے قابو ہوگیا، اور مسلمؓ، حسینؓ، علیؓ اور عقیلؓ پر گالیوں کی بوچھار کردی، گالیاں برسانے کے بعد مسلمؓ کو بالائی منزل پر لیجاکر قتل کردو، اور قتل کرنے کے بعد ان کا دھڑ نیچے پھینک دو، مسلمؓ نے اس قتل بیگناہی کے خلاف پھر ایک مرتبہ احتجاج کیا، لیکن کون سننے والا تھا، آخر میں ابن زیاد نے یہ خدمت اس شخص کے سپرد کی جس کو مسلم نے زخمی کیا تھا، تاکہ وہ انتقامی جذبہ کے ساتھ انھیں قتل کرے چنانچہ یہ شخص مسلمؓ کو مقتل کی طرف لے چلا، اس وقت مسلمؓ کی زبان پر تکبیر، استغفار اور ملائکہ اور رسل پر درود و سلام جاری تھا، اور ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے کہ "خدایا میرے اور ان لوگوں کے درمیان تو ہی فیصلہ کر، جنھوں نے ہم کو دھوکہ دیا، جھٹلایا اور ذلیل کیا"، جلاد نے مقام قتل پر لیجاکر گردن مار دی اور سر کے ساتھ دھڑ بھی نیچے پھینک دیا، اس دردناک طریقہ پر

حضرت حسینؓ کا ایک نہایت قوی بازو ٹوٹ گیا[1]

حضرت حسینؓ کی سفر کوفہ کی تیاریں اور خیر خواہوں کے مشورے | یاد ہوگا کہ مسلم کو حضرت حسینؓ نے کوفہ کے حالات معلوم کرکے اطلاع دینے کیلئے بھیجا تھا یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ مسلم جب کوفہ آئے تھے تو یہاں کے باشندوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا، اور اٹھارہ ہزار کوفیوں نے حضرت حسینؓ کی خلافت اور ان کی حمایت میں جنگ کرنے پر بیعت کی تھی مسلمؓ نے اپنی گرفتاری کے قبل ان ظاہری حالات کو دیکھ کر حضرت حسینؓ کو خط بھیجا تھا کہ سارا شہر آپ کا منتظر ہے، فوراً تشریف لائیے حضرت حسینؓ نے یہ خط پا کر سفر کی تیاریاں شروع کر دیں، اس وقت آپ کو کوفہ کے نئے حالات کی کوئی اطلاع نہ ہوئی تھی، تمام اہل مکہ و مدینہ کوفیوں کی غداری اور بے وفائی سے واقف تھے حضرت علیؓ اور حسنؓ کے ساتھ ان لوگوں نے جو کچھ کیا تھا، وہ نگاہوں کے سامنے تھا، اس لیے کسی نے بھی حضرت حسینؓ کا کوفہ جانا پسند نہ کیا جب آپ کی تیاریوں کی خبر مشہور ہوئی تو تمام ہوا خواہوں نے آپ کو روکنے کی کوشش کی، اور غالباً سب سے پہلے عمرو بن عبدالرحمٰن نے آکر عرض کیا "میں نے سنا ہے آپ عراق جا رہے ہیں، اگر یہ صحیح ہے تو آپ ایسے شہر میں جا رہے ہیں جہاں دوسرے کی حکومت ہے، اور وہاں اس کے امراء و عمال موجود ہیں جن کے قبضہ میں بیت المال ہے عوام دنیا اور دولت کے بندے ہیں، اس لیے مجھ کو خوف ہے کہ جن لوگوں نے آپ کی مدد کا وعدہ کیا ہے، وہی آپ سے لڑیں گے" حضرت حسینؓ نے عمرو بن عبدالرحمٰن کے ہمدردانہ مشورہ کا مخلصانہ شکریہ ادا کیا، ان کے بعد حضرت عبداللہ ابن عباسؓ آئے اور پوچھا ابن عم! لوگوں میں یہ خبر گرم ہے کہ تم عراق جا رہے ہو، کیا یہ صحیح ہے؟ حسینؓ نے جواب دیا ہاں انشاء اللہ دو ایک دن میں جاؤں گا۔ ابن عباسؓ نے کہا "میں تم کو

---

[1] طبری ج ۷، ص ۲۶۵ تا ۲۶۷

خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، اس ارادہ سے باز آؤ، ہاں اگر عراقیوں نے شامی حاکم کو قتل کرکے شہر پر قبضہ کر لیا ہو اور اپنے دشمنوں کو وہاں سے نکال دیا ہو تو بخوشی جاؤ، لیکن اگر عراقیوں نے تم کو ایسی حالت میں بلایا ہے کہ ان کا حاکم موجود ہے، اس کی حکومت قایم ہے، اس کے عمال خراج وصول کرتے ہیں تو یقین مانو کہ انھوں نے تم کو محض جنگ کے لیے بلایا ہے، مجھکو یقین ہے کہ یہ سب تم کو دھوکا دیجائیں گے، تم کو جھٹلائیں گے، تمھاری مخالفت کرینگے، اور تمھیں بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے، اور جب تمھارے مقابلہ کیلئے بلائے جائینگے تو تمھارے سب سے بڑے دشمن ثابت ہونگے" حضرت حسینؓ نے فرمایا "میں استخارہ کرونگا، دیکھوں کیا جواب ملتا ہے"۔

ابن عباسؓ کے بعد ابن زبیرؓ آئے، انھوں نے یہ معلوم کرکے کہ عراقی پورے طور پر آپکی امداد کے لیے آمادہ ہیں، پہلے کوفہ جانے کا مشورہ دیا، لیکن پھر اس خیال سے کہ اس سے حضرت حسینؓ کو کوئی بدگمانی نہ پیدا ہو[1]، یہ صورت پیش کی کہ اگر آپ حجاز ہی میں رہکر حصول خلافت کی کوشش کیجئے تو ہم سب بیعت کرکے آپ کی مدد کریں گے، اور آپکے خیر خواہ رہیں گے، حضرت حسینؓ نے فرمایا میں نے اپنے والد بزرگوار سے یہ حدیث سنی ہے کہ "حرم کا ایک مینڈھا ہے جس کی وجہ سے اس کی حرمت اٹھ جائے گی"، میں چاہتا ہوں کہ میں وہ مینڈھا نہ بنوں" اس کے بعد ابن زبیرؓ نے حضرت حسینؓ سے بہت اصرار کیا کہ آپ حرم میں بیٹھے رہیے، باقی تمام کام میں انجام دوں گا، لیکن حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ اگر میں حرم سے ایک بالشت بھی باہر قتل کیا جاؤں، تو وہ مجھے حرم میں قتل ہونے سے زیادہ پسند ہے، اور کسی طرح حرم میں قیام کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

اس کے دوسرے دن پھر ابن عباسؓ آئے اور کہا "ابن عم میرا دل نہیں مانتا، صبر کی

---

[1] اس لیے کہ خلافت کے جو مدعی ہو سکتے تھے ان میں سے ایک ابن زبیرؓ بھی تھے۔

صورت بنانا چاہتا ہوں، مگر حقیقۃً صبر نہیں کر سکتا، مجھے اس راستہ میں تمھاری ہلاکت کا خوف ہے، عراقیوں کی قوم فریبی ہے، تم ہر گز ان کے فریب میں نہ جاؤ، مکہ ہی میں رہو، تم اہل حجاز کے سردار ہو، اگر ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ وہ واقعی تمھیں بلانا چاہتے ہیں تو ان کو لکھو کہ پہلے وہ اپنے دشمنوں کو نکال دیں، پھر تم جاؤ، لیکن اگر نہیں رکتے اور یہاں سے جانے ہی پر اصرار ہے تو یمن چلے جاؤ، وہ ایک وسیع ملک ہے، وہاں قلعے اور گھاٹیاں ہیں، تمھارے باپ کے حامی ہیں، اور بالکل الگ تھلگ مقام ہے، تم اسی گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر لوگوں کو دعوتی خطوط لکھو، اور ہر طرف اپنے داعیات بھیجو، مجھ کو امید ہے کہ اس طرح امن و عافیت کے ساتھ تمھارا مقصد حاصل ہو جائے گا، یہ سن کر حضرت حسینؓ نے فرمایا، مجھ کو یقین ہے کہ آپ میرے شفیق ناصح ہیں، لیکن اب تو میں ارادہ کر چکا ہوں، حضرت ابن عباسؓ جب بالکل مایوس ہو چکے تو فرمایا اچھا اگر جاتے ہی ہو تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ، مجھ کو خطرہ ہے کہ تم بھی عثمانؓ کی طرح اپنے بچوں اور عورتوں کے سامنے نہ قتل کر دیے جاؤ، اور وہ غریب دیکھتے رہ جائیں" لیکن کارکنان قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا، اس لیے ابن عباسؓ کی ساری کوششیں ناکام ثابت ہوئیں، اور حضرت حسینؓ کسی بات پر رضامند نہ ہوئے،[1] پھر ابو بکر بن حارث نے آکر عرض کیا کہ "آپ کے والد ماجد صاحبِ اقتدار تھے، ان کی طرف مسلمانوں کا عام رجحان تھا، ان کے احکام پر سر جھکاتے تھے، شام کے علاوہ تمام ممالک اسلامیہ انکے ساتھ تھے، اس اثر و اقتدار کے باوجود جب وہ معاویہ کے مقابلہ میں نکلے تو دنیا کی طمع میں لوگوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا، تنہا ساتھ ہی چھوڑنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے سخت مخالف ہو گئے، اور خدا کی مرضی پوری ہو کر رہی، ان کے بعد عراقیوں نے آپ کے

---

[1] طبری ج ۷ ص ۲۷۴، ۲۷۵،

بھائی کے ساتھ جو کچھ کیا وہ بھی آپ کی نگاہ کے سامنے ہے۔ ان تجربات کے بعد بھی آپ اپنے والد کے دشمنوں کے پاس اس امید پر جاتے ہیں کہ وہ آپ کا ساتھ دیں گے، شامی آپ سے زیادہ مستعد اور مضبوط ہیں، لوگوں کے دلوں میں ان کا رعب ہے، یاد رکھئے کہ آپ کے پہونچتے ہی تمام کوفیوں کی طرح طمع دلا کر توڑ لیں گے، اور یہ سگِ دنیا فوراً ان سے مل جائیں گے، اور جن لوگوں کو آپ کی محبت کا دعویٰ ہے اور جنہوں نے مدد کا وعدہ کیا ہے، وہی لوگ آپکو چھوڑ کر آپ کے دشمن بن جائیں گے۔ ابوبکر حارث کا یہ پرزور استدلال بھی حضرت حسینؓ کے عزم راسخ کو بدل نہ سکا، آپ نے جواب دیا خدا کی مرضی پوری ہو کر رہے گی[1]۔ اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ اور دوسرے خاص خاص ہوا خواہوں نے روکنا چاہا، مگر قضائے الٰہی نہیں ٹل سکتی تھی۔

مکہ سے کاروان اہل بیت کی روانگی اور ہوا خواہوں کی آخری کوشش

غرض ترویہ کے دن ذی الحجہ ۶۰ھ میں اہل بیت مکہ سے روانہ ہوا، عمرو بن سعید بن العاص اموی حاکم مکہ کے سواروں نے روکنے کی کوشش کی، لیکن حضرت حسینؓ زبردستی آگے بڑھتے چلے گئے، اور تنعیم ہوتے ہوئے مزید دو منزل آگے بڑھے اور بڑھتے ہوئے صفاح پہونچے، یہاں فرزدق شاعر ملا، آپ نے اس سے عراق کے حالات پوچھے، اس نے کہا، آپ نے ایک باخبر شخص سے حال پوچھا، لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں، لیکن تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں، قضائے الٰہی آسمان سے اترتی ہے، خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے، آپ نے سن کر فرمایا، تم نے سچ کہا، للہ الامر یفعل ما یشاء، وکل یوم ربنا فی شان، اگر خدا کا حکم ہمارے موافق ہوا تو اسکی نعمتوں پر اس کے شکر گزار رہوں گا، شکر گزاری میں وہی مددگار ہے، اور خدا کا فیصلہ ہمارے خلاف

---

[1] مسعودی ج ۲ ص ۲۵۷ بر حاشیہ نفح الطیب،

ہو تو بھی ہماری نیت حق و تقویٰ ہے، فرزدق سے گفتگو کے بعد قافلہ آگے بڑھا۔

راستہ میں عبداللہ بن جعفر کا خط ملا: میں خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، میرا خط ملتے ہی فوراً لوٹ آئیے، مجھے ڈر ہے کہ جدھر آپ جارہے ہیں، وہاں آپ کی ہلاکت اور آپ کے اہلِ بیت کی بربادی ہے، اگر خدانخواستہ آپ ہلاک ہوگئے تو دنیا تاریک ہوجائے گی، آپ ہدایت یابوں کا علم اور مومنوں کا آسرا ہیں، آپ سفر میں جلدی نہ کیجئے، خط کے بعد ہی میں بھی پہونچتا ہوں، اس خط کے بعد عبداللہ نے عمرو بن سعید بن حاکم مکہ سے کہا کہ وہ اپنی جانب سے بھی ایک خط لکھ کر حسینؓ کو واپس بلالے، عمرو بن سعید نے کہا، تم مضمون لکھ دو میں اس پر مہر لگادوں گا، چنانچہ عبداللہ نے عمرو کی جانب سے حسب ذیل خط لکھا:-

"میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تم کو اس راستہ سے پھیر دے جدھر تم جارہے ہو، میں نے سنا ہے کہ تم عراق جارہے ہو، میں تم کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں کہ افتراق و انشقاق سے بازآؤ، اس میں تمہاری ہلاکت ہے، میں تمہارے پاس عبداللہ بن جعفر اور اپنے بھائی کو بھیجتا ہوں، تم ان کے ساتھ لوٹ آؤ، میں تم کو امان دیتا ہوں اور میں تمہارے ساتھ صلہ رحمی اور بھلائی کے ساتھ پیش آؤں گا، تمہارا مددگار رہوں گا، تم میرے جوار میں نہایت اطمینان اور راحت کے ساتھ رہوگے، اس تحریر پر خدا وکیل اور شاہد ہے۔"

عمرو نے اس تحریر پر اپنی مہر کردی، اور عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن عمرو دونوں اس کو لیکر حضرت حسینؓ کے پاس گئے، حضرت حسینؓ نے خط پڑھ کر فرمایا کہ "میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے، اس میں آپ نے مجھے ایک حکم دیا ہے، میں اس

۱؎ ابن اثیر ج ۴ ص ۳۳

حکم کو پورا کروں گا، خواہ اس کا نتیجہ میرے موافق نکلے یا مخالف۔ عبد اللہ اور یحییٰ نے پوچھا کیا خواب تھا، فرمایا میں نے اسے نہ کسی سے بیان کیا ہے اور نہ مرتے دم تک بیان کروں گا، اس گفتگو کے بعد عمرو بن سعید کے خط کا جواب لکھا کہ "جو شخص اللہ عز وجل کی طرف بلاتا ہے عمل صالح کرتا ہے، اور اپنے اسلام کا معترف ہے۔ وہ خدا اور اس کے رسول سے اختلاف کیونکر کر سکتا ہے، تم نے مجھے امان، بھلائی اور صلہ رحمی کی دعوت دی ہے، پس بہترین امان اللہ تعالیٰ کی امان ہے، جو شخص دنیا میں خدا سے نہیں ڈرتا، خدا قیامت کے دن اس کو امان نہیں دیگا، اس لیے میں دنیا میں خدا کا خوف چاہتا ہوں، تاکہ قیامت کے دن اس کی امان کا مستحق رہوں، اگر خط سے تمھاری نیت واقعی میرے ساتھ صلہ رحمی اور نیکی کی ہے تو خدا تم کو دنیا اور آخرت دونوں میں جزائے خیر دے، والسلام[1]،

ابن زیاد کے انتظامات اور حضرت حسینؓ کے قاصد قیس کا قتل

ادھر کاروانِ اہل بیت منزلیں طے کر رہا تھا، دوسری طرف اموی حکام ان کے مقابلہ کے لیے اپنے انتظامات کر رہے تھے، چنانچہ آپ کی آمد کی خبر سنکر ابن زیاد نے قادسیہ سے لیکر خفان، قطقطانہ اور جبل لعلع تک سواروں کا تانتا باندھ دیا تھا کہ اہل بیت کے قافلہ کی نقل وحرکت کی خبریں دم بدم ملتی رہیں اور اہل کوفہ اور حضرت حسینؓ میں خط وکتابت اور نامہ وپیام کا سلسلہ قائم نہ رہ سکے حضرت حسینؓ نے مقام حاجز میں پہونچ کر قیس بن مسہر صیداوی کو اپنی آمد کا اطلاعی خط دیکر کوفہ روانہ کیا، لیکن اموی حکام نے پہلے سے راستوں کی ناکہ بندی کر لی تھی، اس لیے قیس قادسیہ میں گرفتار کر لیے گئے، اور ابن زیاد کے پاس کوفہ بھجوا دیے گئے، ابن زیاد نے انھیں یہ گستاخانہ حکم دیا کہ قصر کی چھت پر چڑھ کر کذاب ابن کذاب حسینؓ ابن علیؓ کو

---

[1] طبری ج ۷ ص ۲۷۶ تا ۲۸۱

گالیاں دو، قیس بن حکم پر قصر کے اوپر چڑھ گئے، لیکن ایک فدائی حسینؓ کی زبان اسکی دشنام سے کس طرح آلودہ ہو سکتی تھی، چنانچہ اس موقع پر بھی انھوں نے وہی فرض ادا کیا جس کے لیے وہ بھیجے گئے تھے، یعنی حضرت حسینؓ کی آمد کی ان الفاظ میں اطلاع دی کہ "لوگو میں حسینؓ فاطمہؓ بنت رسول اللہ کے لخت جگر اور بہترین مخلوق کا ہر کارہ ہوں، حاجز تک پہنچ چکے ہیں، ان کی مدد تمھارا فرض ہے، یہ کہکر ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت بھیجی، اور حضرت علیؓ کے لیے استغفار کیا، ابن زیاد نے اس عدول حکمی اور اس اہانت پر حکم دیا کہ اس کو بلند مقام سے نیچے گرا کر مار ڈالا جائے، اس حکم کی اسی وقت تعمیل ہوئی، اور مسلم کے بعد حضرت حسینؓ کا یہ دوسرا فدائی ان کی راہ میں نثار ہو گیا[1]

حسینؓ اور عبداللہ بن مطیع کی ملاقات

بطن رملہ سے آگے بڑھ کر عربوں کے ایک چشمہ پر حضرت حسینؓ کی ملاقات عبداللہ بن مطیع سے ہوئی، جو عراق سے لوٹ رہے تھے، عبداللہ بن مطیع نے پوچھا فدیت بابی وامی یا ابن رسول اللہ آپ خدا اور اپنے جد امجد کے حرم کے باہر کیوں نکلے، فرمایا، کوفہ والوں نے بلایا ہے کہ معالم حق زندہ کیا جائے اور بدعتوں کو مٹایا جائے عبداللہ نے عرض کی آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں آپ ہرگز کوفہ کا قصد نہ کیجئے، آپ وہاں یقیناً شہید کر دیے جائیں گے، فرمایا جو کچھ خدا نے لکھ دیا ہے اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے[2]،

ایک جانباز کا ایثار

عبداللہ بن مطیع سے ملاقات کے بعد حضرت حسینؓ نے مقام زرود میں منزل کی، قریب ہی ایک خیمہ نظر آیا، پوچھا کس کا خیمہ ہے، معلوم ہوا زہیر بن قیس کا، وہ حج سے فارغ ہو کر کوفہ جا رہے ہیں، حضرت حسینؓ نے ان کو بلا بھیجا، مگر انھوں نے ملنے سے

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۳۴ [2] اخبار الطوال ص ۲۵۸، ۲۵۹،

انکار کیا، ان کے انکار پر ان کی بیوی نے کہا سبحان اللہ! ابن رسول اللہ بلاتے ہیں، اور تم نہیں جاتے، بیوی کے اس کہنے پر وہ چلے گئے، اور حضرت حسینؓ سے ملاقات کی، آپ سے ملتے ہی دفعۃً خیالات بدل گئے، اسی وقت اپنا خیمہ اکھڑوا کے حضرت حسینؓ کے خیمہ کے قریب نصب کرایا، اور بیوی کو طلاق دیکر کہا تم اپنے بھائی کے ساتھ گھر لوٹ جاؤ میں نے جان دینے کی ٹھان لی ہے، اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوئے کہ تم میں سے جو لوگ شہادت کے طلبگار ہوں وہ میرے ساتھ چلیں، اور جو لوگ نہ چاہتے ہوں وہ آگے بڑھ جائیں، لیکن اس صدائے حق کا کسی نے جواب نہ دیا، اور سبھوں نے کوفہ کا راستہ لیا، اور زہیر حضرت حسینؓ کے ساتھ زرود سے آگے بڑھے[۱]،

مسلم کے قتل کی خبر ملنا | ابھی تک حضرت حسینؓ مسلم بن عقیل کے قتل سے بالکل بے خبر تھے، مقام ثعلبیہ میں ایک اسدی سے جو کوفہ سے آرہا تھا، مسلم اور ہانی کے قتل کا حال معلوم ہوا یہ وحشتناک خبر سنکر آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، اس اطلاع کے بعد ہواخواہوں نے ایک مرتبہ پھر سمجھایا، اور قسمیں دلا دلا کر اصرار کیا کہ آپ یہیں سے لوٹ چلیے، کوفہ میں آپ کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے، یہ سب آپ کے دشمن ہو جائیں گے، لیکن مسلم کے بھائی مصر ہوئے کہ خدا کی قسم جب تک ہم اپنے بھائی کا بدلہ نہ لے لیں گے یا قتل نہ ہو جائیں گے، اس وقت تک نہیں لوٹ سکتے، حضرت حسینؓ نے فرمایا، جب یہ لوگ نہ ہوں گے تو پھر ہماری زندگی لطف، دم کی، غرض یہاں سے بھی قافلہ آگے بڑھا،

حضرت حسینؓ کے پاس عبداللہ بن یقطر کے قتل کی خبر اور مسلم کے بیانات کا پہنچنا | حضرت حسینؓ جن جن چشموں سے گذرتے تھے، لوگ جوق درجوق ساتھ ہوتے جاتے تھے، زبالہ پہونچ کر عبداللہ بن یقطر

---

[۱] اخبار الطوال ص ۲۵۹،

کے قتل کی خبر ملی۔ عبداللہ کو آپ نے راستہ سے مسلم کے پاس خط دیکر بھیجا تھا، لیکن راستہ ہی میں حصین بن نمیر کے سواروں نے ان کو گرفتار کرکے ابن زیاد کے پاس بھجوادیا، اس نے زہیر بن قین کی طرح انھیں بھی حضرت حسین رضہ پر لعنت بھیجنے کا حکم دیا، لیکن اس فدائی نے بھی وہی نمونہ پیش کیا، جو اس کے پیشرو پیش کر چکے تھے، انھوں نے کہا، لوگو! فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لڑکے حسین رضہ آرہے ہیں، تم لوگ ابن مرجانہ (ابن زیاد) کے مقابلہ میں ان کی مدد کرو، ابن زیاد نے انھیں بھی قصر امارت کی بلندی سے گروادیا، جسم کی ساری ہڈیاں چور چور ہو گئیں، اور اس دردناک طریقہ سے حسین رضہ کے ایک اور فدائی کا خاتمہ ہو گیا۔[1]

یاد ہوگا کہ مسلم بن عقیل نے محمد بن اشعث اور عمرو بن سعد سے وصیت کی تھی کہ وہ ان کے بعد حضرت حسین رضہ کو اہل کوفہ کی بے وفائی کی اطلاع دیکر انھیں یہاں آنے سے روک دیں، ان دونوں نے یہ وصیت پوری کی، اور حضرت حسین رضہ کے پاس آدمی بھیجے، لیکن عبداللہ بن لقطر کے قتل کی خبر ملنے کے بعد ان دونوں کے قاصد پہنچے، جب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔[2]

حضرت حسین رضہ کی پہلی تقریر اور ہجوم کا منتشر ہونا

حضرت حسین رضہ کو جب مسلسل یہ دل شکن خبریں ملیں، تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کرکے تقریر کی کہ مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن لقطر کے قتل کی دردناک خبریں موصول ہو چکی ہیں، ہمارے شیعوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے، اس لیے تم میں سے جو شخص لوٹنا چاہے، وہ خوشی سے لوٹ سکتا ہے، ہماری جانب سے اس پر کوئی الزام نہیں، یہ تقریر سن کر عوام کا ہجوم چھٹنے لگا اور صرف وہی جان نثار باقی رہ گئے جو مکہ سے ساتھ آئے تھے۔[3]

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۶ [2] اخبار الطوال ص ۲۰۰ [3] طبری ج ۷ ص ۲۹۴،

زبالہ سے بڑھ کر بطن عقبہ میں قافلہ اترا، یہاں ایک شخص ملا، اس نے نہایت لجاجت کے ساتھ استدعا کی کہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، آپ لوٹ جائیے، خدا کی قسم آپ نیزوں کی انی اور تلواروں کی دھار کے مقابلہ میں جا رہے ہیں، جن لوگوں نے آپ کو بلایا ہے، اگر انھوں نے آپ کے لیے راستہ صاف کر دیا ہوتا، اور ان کے جنگ میں کام آنے کی توقع ہوتی تو یقیناً آپ جا سکتے تھے، لیکن موجودہ حالات میں کسی طرح جانا مناسب نہیں، فرمایا جو تم کہتے ہو میں بھی جانتا ہوں، لیکن خدا کے حکم کے خلاف نہیں کیا جا سکتا[1]،

محرم ۶۱ھ کے خونی سال کا آغاز اور حر کی آمد

بطن عقبہ کے بعد قافلہ شراف میں اترا، یہاں سواریوں کو پانی وغیرہ پلا کر ذی حسم کی طرف مڑ کر پہاڑ کے دامن میں خیمہ زن ہوا، اب محرم ۶۱ھ کا خون آشام سال شروع ہو چکا تھا، ذی حسم میں حر بن تمیمی جو حکومت شام کی جانب سے حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو گھیر کر کوفہ لانے کے لیے بھیجا گیا تھا، ایک ہزار سواروں کے ساتھ پہنچا، اور حضرت حسینؓ کے قافلہ کے سامنے قیام کیا، ظہر کے وقت حضرت حسینؓ نے اذان دینے کا حکم دیا، اور اقامت کے بعد نکل کر حر کے دستہ کے سامنے حمد و ثنا کے بعد حسب ذیل تقریر کی "لوگو! میں خدا اور تم لوگوں سے عذرخواہ ہوں، میں تمھارے پاس خود سے نہیں آیا، بلکہ میرے پاس اس مضمون کے تمھارے خطوط اور تمھارے قاصد آئے، کہ ہمارا کوئی امام نہیں، آپ آئیے، شاید خدا آپ کے ذریعہ ہمیں سیدھے راستہ پر لگا دے، اب میں آگیا ہوں، اگر تم لوگ عہد و میثاق کر کے مجھے پورا اطمینان دلا دو تو میں تمھارے شہر چلوں، اور اگر ایسا نہیں کرتے اور ہمارا آنا تمھیں ناگوار ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں لوٹ جاؤں، یہ تقریر سن کر سب خاموش رہے، کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، آپ نے اقامت کا حکم دیا،

---

[1] طبری ج ۷، ص ۲۹۵،

اور حر سے پوچھا میرے ساتھ نماز پڑھو گے یا علیحدہ؟ حر نے کہا کہ نہیں آپ کے ساتھ ہی پڑھونگا حر کی یہ اقتداء فی الصلوٰۃ اُن کے لئے پہلی فال نیک تھی، چنانچہ اس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی نماز کے بعد حضرت حسینؓ اپنے خیمہ میں چلے آئے اور حر اپنے فرودگاہ پر لوٹ گیا،

اس کے بعد عصر کے وقت حضرت حسینؓ نے قافلہ کو کوچ کا حکم دیا، اور کوچ سے پہلے نماز باجماعت ادا کی، نماز کے بعد حسب ذیل تقریر کی: "لوگو! اگر تم لوگ خدا سے ڈرو اور حقدار کا حق پہچانو، تو یہ خدا کی رضامندی کا موجب ہوگا، ہم اہل بیت خلافت کے ان دعویداروں کے مقابلہ میں جنھیں اس کا کوئی استحقاق نہیں، اور جو تم پر ظلم و زیادتی کے ساتھ حکومت کرتے ہیں، خلافت کے حقیقی مستحق ہیں، اگر اب تم کو ہمارا آنا ناگوار ہے اور تم ہمارا حق نہیں پہچانتے اور تمھاری رائے اس سے مختلف تھی جو تمھارے خطوط اور تمھارے قاصدوں سے معلوم ہوئی تھی تو میں لوٹ جاؤں[۱]۔"

حضرت حسینؓ اور حُر میں تند گفتگو اس تقریر پر حُر نے پوچھا، قاصد اور خطوط کیسے؟ حر کے اس استعجاب پر حضرت حسینؓ نے کوفیوں کے خطوط سے بھرے ہوئے دو تھیلے منگا کر اس کے سامنے انڈلوا دیئے، ان خطوط کو دیکھ کر حر نے کہا ہم لوگوں کا اس جماعت سے کوئی تعلق نہیں جنھوں نے یہ خطوط لکھے، ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ آپ سے جس جگہ ملاقات ہو جائے، اس جگہ سے آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں، اور آپ کو لیجا کر ابن زیاد کے پاس کوفہ پہنچا دیں، حضرت حسینؓ نے فرمایا، تمھاری موت اس سے زیادہ قریب ہے، یہ کہہ کر کاروان اہل بیت کو لوٹانا چاہا، لیکن حر نے مزاحمت کی، حضرت حسینؓ نے فرمایا تیری ماں تجھے روئے تو کیا چاہتا ہے، حر نے کہا آپ کے علاوہ اگر کوئی دوسرا عرب یہ کلمہ زبان سے نکالتا تو میں بھی برابر کا جواب دے

---

[۱] طبری ج ۷، ص ۲۹۷ - ۲۹۸،

لیا، لیکن خدا کی قسم آپ کی ماں کا نام میں عزت ہی کے ساتھ لوں گا، امام نے فرمایا، آخر چاہتے کیا ہو؟ حر نے کہا، صرف اس قدر کہ آپ میرے ساتھ ابن زیاد کے پاس چلے چلئے، فرمایا میں تمھارا کہنا نہیں مان سکتا، حر نے کہا تو پھر میں آپ کو چھوڑ بھی نہیں سکتا، اس رد و قدح میں دونوں میں تلخ و تند گفتگو ہو گئی، حر نے کہا مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ہے، صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ جہاں ملیں آپ کو لیجا کر کوفہ پہنچا دوں، اس لیے مناسب یہ ہے کہ ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ پہنچائے اور نہ مدینہ واپس کرے، اس درمیان میں میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں، اور آپ یزید کو لکھئے، شاید خدا عافیت کی کوئی صورت پیدا کر دے، اور میں آپ کے معاملہ میں آزمائش سے بچ جاؤں، حر کے اس مشورہ پر حضرت حسینؓ عذیب اور قادسیہ کے بائیں جانب ہٹ کے چلنے لگے، حر بھی ساتھ ساتھ چلا[1]،

خطبہ آگے بڑھ کر مقام بیضہ میں آپ نے پھر ایک پُرجوش خطبہ دیا کہ "لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ظالم، محرمات الٰہی کو حلال کرنے والے، خدا کے عہد توڑنے والے سنتِ رسولؐ کے مخالف اور خدا کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور اس کو قولاً اور عملاً غیرت نہ آئی، تو خدا کو حق ہے کہ اس کو اس بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کرے، لوگو خبردار ہو جاؤ، ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کی ہے، اور رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی ہے، ملک میں فساد پھیلایا ہے، حدود الٰہی کو بیکار کر دیا ہے، مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں، خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر دیا ہے، اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے، اس لیے مجھ کو غیرت آنے کا زیادہ حق ہے، میرے پاس تمھارے خطوط آئے، تمھارے قاصد آئے کہ تم نے بیعت کر لی ہے، اور تم مجھ

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۰،

بے یار و مددگار نہ چھوڑو گے، پس اگر تم اپنی بیعت پوری کروگے، تو راہ راست کو پہونچو گے،
میں علیؓ اور فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا حسینؓ ہوں، میری جان تمھاری
جانوں کے برابر اور میرے اہل تمھارے اہل کے برابر ہیں، میری ذات تم لوگوں کے لیے نمونہ ہے، اور
اگر تم ایسا نہ کروگے اور اپنا عہد توڑ کر میری بیعت کا حلقہ اپنی گردن سے نکال ڈالو گے تو میری
عمر کی قسم یہ بھی تمھاری ذات سے بعید اور تعجب انگیز فعل نہ ہوگا، تم اس سے پہلے میرے باپ
بھائی، میرے ابن عم مسلم کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو، وہ فریب خوردہ ہے جو تمھارے فریب
میں آگیا، تم نے اپنے فعل سے اپنا حصہ ضائع کر دیا، جو شخص عہد شکنی کرتا ہے وہ گویا
اپنی ذات سے عہد توڑتا ہے، عنقریب خدا مجھ کو تمھاری امداد سے بے نیاز کر دے گا،
والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ[1]"

یہ تقریر سن کر حرؓ نے کہا کہ میں آپ کو خدا کو یاد دلاتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ
اگر آپ نے جنگ کی تو قتل کر دیے جائیں گے، حضرت حسینؓ نے فرمایا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو،
کیا تمھاری شقاوت اس حد تک پہونچ جائے گی کہ مجھے قتل کردوگے، میں نہیں سمجھتا تمھارے
اس کہنے پر تم کو اس کے سوا اور کیا جواب دوں جو اوسی کے چچا زاد بھائی نے اوسی کو اس وقت
جب اوسی نے انھیں قتل ہونے سے ڈرا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دینے سے روکا تھا کہ تم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد کے لیے نکلوگے تو قتل کر دیے جاؤگے، اس پر انھوں نے یہ جواب دیا،

سامضی وما بالموت عار علی الفتی | اذا ما نوی خیرا وجاھد مسلما

میں عنقریب روانہ ہوتا ہوں اور موت جوانمرد کیلئے عار نہیں ہے، جبکہ اسکی نیت نیک ہو اور مسلمانوں
کی طرح جہاد کرے،

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۰، ۴۱،

حر نے یہ جواب سنا تو الگ ہٹ کر چلنے لگا،

قیس بن مسہر کے قتل کی خبر ملنا

عذیب الہجانات پہنچکر حضرت حسینؓ کے چار انصار ملے، جو طرماح بن عدی کی رہنمائی میں کوفہ کی خبریں لیے ہوئے آرہے تھے، حر نے کہا یہ لوگ کوفہ کے باشندے ہیں اس لیے میں انھیں روک لونگا، یا لوٹا دونگا، حضرت حسینؓ نے فرمایا یہ میرے انصار ہیں اور ان لوگوں کے برابر ہیں جو میرے ساتھ آئے ہیں، اس لیے اپنی ذات کی طرح انکی حفاظت بھی کرونگا، اور اگر تم اپنے عہد و پیمان پر قایم نہ رہے تو جنگ کرونگا، یہ عزم سن کر حر رک گیا۔ اور حضرت حسینؓ نے کوفیوں سے پوچھا کہ اہلِ کوفہ کا کیا حال ہے؟ مجمع بن عدی نے کہا، اشرافِ کوفہ کو بڑی بڑی رشوتیں دی گئی ہیں، ان کی تھیلیاں زر و سیم سے بھر دی گئی ہیں، اس لیے وہ سب آپ کے خلاف متحد اور مشتعل ہو رہے ہیں، البتہ عوام کے دل آپ کی طرف مائل ہیں، لیکن کل ان کی تلواریں آپ پر کھنچی ہوں گی، یہ حال سنکر آپ نے قاصد قیس بن مسہر کا حال پوچھا، معلوم ہوا قتل کر دیے گئے، قیس کے قتل کی خبر سنکر آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے، اور رخسار مبارک پر آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔

اور زبان پر یہ آیت جاری ہو گئی،

فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا (احزاب۔ ۳)	مسلمانوں میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اپنی منت پوری کی (یعنی شہید ہوئے) اور بعض ان میں سے ایسے ہیں جو (شہادت کے) منتظر ہیں، اور انھوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی

[1] قیس کے لیے دعا فرمائی کہ "خدایا ہم کو اور ان لوگوں کو جنت عطا فرما، اور اپنے رحمت کے مستقر میں ہمارے اور ان کے لیے اپنے ذخیرۂ ثواب کا بہترین حصہ جمع فرما!"

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۱،

طرماح بن عدی کا اپنے وطن چلنے کی دعوت دینا

حضرت حسینؓ کا یہ تاثر دیکھ کر طرماح بن عدی نے کہا، آپ کے ساتھ کوئی بڑی جماعت بھی نہیں ہے، اتنے آدمیوں کے لیے تو یہی لوگ کافی ہیں، جو آپ کے ساتھ چل رہے ہیں، (حر کا دستہ) میں نے کوفہ سے روانگی کے بیشتر وہاں انسانوں کا اتنا بڑا ہجوم دیکھا کہ اس سے پہلے ایک میدان میں کبھی نہ دیکھا تھا، اور یہ انبوہ عظیم آپ کے مقابلہ میں بھیجنے کے لیے جمع کیا گیا تھا، اس لیے میں آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں کہ اگر آپ کے امکان میں ہو تو اب آپ ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھیے، اگر آپ ایسے مقام پر جانا چاہتے ہیں جہاں کے لوگ اس وقت تک آپ کی پوری حفاظت کرتے رہیں جب تک آپ کی کوئی صحیح رائے قائم نہ ہو جائے، اور جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں، اس کے متعلق کوئی آخری فیصلہ نہ کرلیں، تو ہمارے ساتھ چل کر ہمارے پہاڑ کے دامن میں قیام کیجیے، خدا کی قسم یہ پہاڑ ایسا ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہم نے سلاطین غسان و حمیر و نعمان بن منذر اور تمام ابیض و احمر کو روکا ہے، خدا کی قسم جو ہمارے یہاں آیا کبھی ذلیل نہیں ہوا، چلیے میں آپ کو ساتھ لے چل کر وہاں ٹھہراتا ہوں، وہاں سے آپ باجہ و سلمی قبائل طے کو بلا لیجیے، وہ دس دن کے اندر اندر سواروں اور پیادوں کا ہجوم کر دیں گے، پھر جب تک آپ کا دل چاہے قیام کیجیے، اگر وہاں کوئی ہنگامی حادثہ پیش آگیا تو بیس ہزار طائی بہادروں سے آپ کی مدد کریں گے جو آپ کے سامنے اپنی تلواروں کے جوہر دکھائیں گے، اور کوئی شخص آپ کے قریب نہ پہونچنے پائے گا، حضرت حسینؓ نے ان کی دعوت کے جواب میں ان کا شکریہ ادا کیا کہ خدا تم کو اور تمھاری قوم کو جزائے خیر دے، ہم میں اور ان لوگوں میں عہد ہو چکا ہے، اس عہد کی رو سے اب ہم نہیں لوٹ سکتے، ہم کو یہ بھی نہیں معلوم کہ ہمارے اور ان کے معاملات کیا صورت اختیار کریں گے، یہ جواب سن کر طرماح دوبارہ امداد کے لیے آنے کا وعدہ

کرکے بال بچوں سے ملنے کے لیے گھر چلے گئے اور حسب وعدہ واپس بھی ہوئے، مگر حضرت حسین رضؓ کی شہادت اس قدر جلد ہو گئی کہ طرماح کو آتے ہوئے راستہ میں اس کی خبر ملی[1]

قصر بنی مقاتل کی منزل اور خواب | عذیب الہجانات سے بڑھکر قصر بنی مقاتل میں قافلہ اترا، یہاں ایک خیمہ نصب تھا، حضرت حسین رضؓ نے پوچھا کس کا خیمہ ہے، معلوم ہوا عبید اللہ ابن حر جعفی کا، فرمایا، انھیں بلالاؤ، آدمی نے جاکر ان سے کہا، انھوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر جواب دیا، میں صرف اسی لیے کوفہ سے چلا آیا تھا کہ اپنی موجودگی میں وہاں حسین رضؓ کا آنا پسند نہ کرتا تھا، اس لیے اب میں ان کا سامنا کرنا نہیں چاہتا، آدمی نے آکر حضرت حسین رضؓ کو یہ جواب سنا دیا، اسے سن کر حضرت حسین رضؓ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور اپنی مدد کے لیے کہا، لیکن عبید اللہ نے آپ کو بھی وہی جواب دیا، جو پہلے آدمی کو دے چکے تھے، حضرت حسین رضؓ نے فرمایا، اگر تم میری مدد نہیں کرتے تو کم از کم خدا کا خوف کرکے مجھ سے لڑنے والے زمرہ میں تو شامل نہ ہو، عبید اللہ نے کہا، انشاء اللہ ایسا نہ ہوگا، اس کے بعد حضرت حسین رضؓ اپنی فرودگاہ پر لوٹ آئے، تھوڑی رات گئے آنکھ لگ گئی تھی کہ آپ پھر انا للہ وانا الیہ راجعون اور الحمد للہ رب العالمین پڑھتے ہوئے بیدار ہو گئے، آپ کے صاحبزادہ زین العابدین نے پوچھا، ابا آپ نے الحمد للہ وانا للہ کیوں پڑھا؟ فرمایا میری آنکھ لگ گئی تھی کہ میں نے خواب میں ایک سوار دیکھا، وہ کہہ رہا تھا کہ قوم جارہی ہے، اور موت اس کی طرف بڑھ رہی ہے، یہ خواب ہماری موت کی خبر ہے، شیر دل صاحبزادے نے جواب دیا، ابا خدا آپ کو برے وقت سے بچائے، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ فرمایا، خدا کی قسم حق پر ہیں، عرض کیا جب حق کی

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۲-۴۳

راہ میں موت ہے تو کوئی پرواہ نہیں ہے، فرمایا خدا میری جانب سے تم کو اسکی جزائے خیر دے، اس خواب کی صبح کو یہاں سے کوچ کا حکم دیا،

حر کے نام ابن زیاد کا فرمان آنا اور عقر میں کاروان اہلبیت کا قیام

قصر بنی مقاتل سے چل کر قافلہ نینوا میں اترا، حر ساتھ تھا، یہاں اس کو ابن زیاد کا فرمان ملا کہ میرے خط کے دیکھتے ہی حسینؓ کو گھیر کر ایسے چٹیل میدان میں لاکر اتارو جہاں کوئی قلعہ اور پانی کا چشمہ وغیرہ نہ ہو، حر نے یہ فرمان حضرت حسینؓ کو سنا دیا، اور انھیں اسی قسم کے میدان کی طرف لیجانا چاہا، حسینی لشکر والوں نے کہا ہم کو چھوڑ دو، ہم اپنی مرضی سے نینوا، غاضریہ یا شقیقہ میں خیمہ زن ہونگے، حر نے کہا ہم ایسا نہیں کر سکتے، کیونکہ ہمارے ساتھ جاسوس لگا ہوا ہے، اس پر زہیر بن قین نے کہا، یا ابن رسول اللہ آیندہ جو وقت آئے گا، وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا، ابھی لڑنا آسان ہے، اس دستہ کے بعد جو فوجیں آئیں گی، ان کا مقابلہ ہم نہ کر سکیں گے، لیکن خیر خواہ امت نے جواب دیا، "میں اپنی طرف سے لڑائی کی ابتدا نہ کرونگا" زہیر نے کہا اچھا کم از کم اتنا کیجئے کہ سامنے والے قریہ میں منزل کیجئے، وہاں فرات کا ساحل ہے، گاؤں بھی مضبوط و مستحکم ہے، اگر یہ لوگ وہاں جانے میں مزاحم ہونگے تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے، کیونکہ ان سے لڑنا بعد کے آنے والوں کے مقابلہ میں آسان ہے، حضرت حسینؓ نے گاؤں کا نام پوچھا معلوم ہوا "عقر" ذبح کرنا، فرمایا خدایا میں تجھ سے عقر سے پناہ مانگتا ہوں، غرض پنجشنبہ ۲ محرم سنہ ۶۱ھ کو نینوا کے میدان کربلا میں قافلہ خیمہ زن ہوا[1]،

عمر بن سعد کے سامنے رے کی حکومت کا پیش کیا جانا اور حسینؓ کے شہید کرنے کی خدمت سپرد ہونا اور نفس وضمیر کی کشمکش

ادھر اہل بیت نبویؐ کا غریب الوطن قافلہ نینوی کے میدان میں پڑا تھا، دوسری طرف

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۳-۴۴

کوفہ میں ان چند نفوس کے لیے بڑی زبردست تیاریاں ہو رہی تھیں، اسی زمانہ میں دیلمیوں نے دستبیٰ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا تھا، اس لیے عمر بن سعد رے کا حاکم بنا کر دیلمیوں کی سرکوبی پر مامور کیا گیا تھا، اور وہ فوجیں لے کر حمام اعین تک پہنچ چکا تھا کہ اسی دوران میں حضرت حسینؓ کے مقابلہ کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت پیش آئی جو ان کا مقابلہ کر سکے، ابن زیاد نے اس کام کے لیے ابن سعد کو بلا بھیجا، اور کہا کہ حسینؓ کا مقابلہ سب سے مقدم ہے، پہلے ان سے نپٹ لو، اس کے بعد اپنے عہدہ پر واپس جانا، لیکن ابن سعد نے کہا خدا امیر پر رحم کرے، مجھ کو اس خدمت سے معاف رکھا جائے، ابن زیاد نے کہا اگر تم کو اس میں عذر ہے تو رے کی حکومت نہ ملے گی، اس دھمکی پر ابن سعد نے اس مسئلہ پر غور کرنے کی مہلت مانگی، ابن زیاد نے مہلت دی اور ابن سعد نے اپنے ہوا خواہوں سے اس بارہ میں مشورہ لینا شروع کیا، ظاہر ہے کہ حسینؓ کے خون کا بار اٹھانے کی تائید کون کر سکتا تھا، چنانچہ سب نے اس کی مخالفت کی ان کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے آکر کہا ماموں میں آپ کو قسم دلاتا ہوں کہ آپ حسینؓ کے مقابلہ میں جا کر خدا کا گناہ اپنے سر نہ لیجئے، اور قطع رحم نہ کیجئے، خدا کی قسم اگر آپ کی دنیا، آپ کا مال، آپ کی حکومت سب ہاتھوں سے نکل جائے تو اس سے کہیں بہتر ہے کہ آپ خدا سے ملیں اور آپ کے ہاتھ حسینؓ کے خون بے گناہی سے آلودہ ہوں ابن سعد نے کہا انشاء اللہ تمہارے مشورہ پر عمل کروں گا۔

عمار بن عبد اللہ بن یسار اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ابن سعد کو حسینؓ کے مقابلہ کے لیے جانے کا حکم ملنے کے بعد میں ان کے پاس گیا تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ امیر نے مجھے حسینؓ کے مقابلہ میں جانے کا حکم دیا تھا، مگر میں نے انکار کر دیا، عبد اللہ

۱؎ عمر کے والد حضرت سعد بن ابی وقاص آنحضرت صلعم کے رشتہ کے ماموں تھے، اسلئے عمر حضرت حسینؓ کا عزیز تھا

نے کہا خدا تم کو نیک ہدایت دے، تم کبھی بھی ایسا نہ کرنا، اور ہرگز نہ جانا، یہ کہکر عبداللہ چلے
آئے، اس کے بعد انھیں معلوم ہوا کہ ابن سعد جانے کی تیاریاں کر رہا ہے، تو یہ دوبارہ گئے مگر
اس مرتبہ ان کو دیکھ کر ابن سعد نے منہ پھیر لیا، عبداللہ اس کا عندیہ سمجھ کر واپس چلے آئے،
اس فیصلہ کے بعد ابن سعد، ابن زیاد کے پاس گیا، اور کہا کہ آپ نے یہ خدمت میرے سپرد
کی ہے، اور حکومت کا فرمان بھی لکھ چکے ہیں، اس لئے اس کا انتظام کر دیجئے، اور حسینؓ
کے مقابلہ میں میرے ساتھ فلاں فلاں اشرافِ کوفہ کو بھیجئے، ابن زیاد نے کہا تم کو مجھے
اشرافِ کوفہ کے نام بتانے کی ضرورت نہیں، میں اپنے ارادے میں تمہارے احکام کا پابند
نہیں ہو سکتا کہ تمہاری رائے سے فوج کا انتخاب کروں، اگر تم کو جانا ہے تو میری فوج کے
ساتھ جاؤ، ورنہ حکومت کا فرمان واپس کر دو، جب ابن سعد نے دیکھا کہ ابن زیاد اس
کا یہ کہنا بھی نہیں مانتا، تو ناچار وہ فوج کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گیا[1]،

عمر بن سعد کی آمد غرض تیسری محرم ۶۱ھ کو چار ہزار فوج کے ساتھ ابن سعد نینوی پہنچا، اور
عزرہ بن قیس احمسی کو حضرت حسینؓ کے پاس ان کے آنے کا سبب پوچھنے کے لیے بھیجنا چاہا
کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں؟ اور کیا چاہتے ہیں؟ لیکن عزرہ ان لوگوں میں تھا جنھوں نے
حضرت حسینؓ کو بلانے کے خطوط لکھے تھے، اس لیے اب اس کو یہ پوچھنے کے لیے جاتے ہوئے
غیرت معلوم ہوئی، اس لیے انکار کر دیا۔ اس کے انکار پر دوسرے لوگوں کے سامنے یہ
خدمت پیش کی گئی، لیکن مشکل یہ تھی کہ جس کا نام لیا جاتا تھا، وہ حضرت حسینؓ کے بلانے
والوں میں نکلتا تھا، اس لیے کوئی آمادہ نہ ہوتا تھا۔ آخر میں ایک جری شخص کثیر بن
عبداللہ شعبی نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں جاؤں گا، اگر ان کے ساتھ کچھ مقصد ہو تو وہ بھی

---

[1] طبری ج ۷، ص ۳۰۸، ۳۰۹،

پورا کرنے کو تیار ہوں۔ ابن سعد نے کہا میں اور کچھ نہیں چاہتا، ان سے جا کر صرف اتنا پوچھو
کہ وہ کس لیے آئے ہیں؟ چنانچہ کثیر یہ پیام لے کر گیا، ابو ثمامہ صائدی نے حضرت حسینؓ
کو اطلاع دی کہ ابو عبد اللہ آپ کے پاس روئے زمین کا شریر ترین اور خونریز ترین شخص
آرہا ہے، پھر کثیر بن عبد اللہ سے کہا کہ تلوار علیحدہ رکھ کر حسینؓ سے ملاقات کرو، کثیر نے
جواب دیا، خدا کی قسم یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا، میں قاصد ہوں۔ پیام لایا ہوں۔ اگر تم سننا
چاہو گے تو پیام پہنچا دوں گا، ورنہ واپس چلا جاؤں گا، ابو ثمامہ نے کہا اچھا اگر تلوار نہیں رکھتے
تو میں تمہاری تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھے رہوں گا، تم حسینؓ سے گفتگو کر لینا، کثیر نے کہا یہ بھی
نہیں ہو سکتا۔ تم قبضہ بھی نہیں چھو سکتے، ابو ثمامہ نے کہا اچھا تو مجھے پیام بتا دو میں جا کر
حسینؓ کو پہنچا دوں گا، کثیر اس پر بھی آمادہ نہ ہوا، اور بلا پیام پہنچائے ہوئے لوٹ گیا
اس کی واپسی کے بعد ابن سعد نے قرہ بن سعد حنظلی کو بھیجا، یہ سنجیدہ اور سمجھے ہوئے آدمی
تھے۔ انہوں نے جا کر سلام کے بعد ابن سعد کا پیام پہنچایا، حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ
"تمہارے شہر والوں نے مجھے خطوط لکھ کر بلایا ہے، اب اگر تم لوگ میرا آنا ناپسند کرتے ہو تو
میں لوٹ جاؤں" قرہ نے جا کر ابن سعد کو یہ جواب سنا دیا، جواب سن کر اس نے اطمینان کی
سانس لی اور کہا کہ "اب امید ہے خدا مجھ کو حسینؓ کے ساتھ جنگ کرنے سے بچا لے گا" اور اپنے
سوال اور حسینؓ کا جواب ابن زیاد کو لکھ کر بھیج دیا، لیکن کاتب ازل اس کا نامۂ اعمال
سیاہ کر چکا تھا، اس لیے ابن سعد کی امن پسندانہ تحریک کے جواب میں اس نے [illegible]
کی روش اختیار کی، اور ابن سعد کو جواب لکھا کہ "تمہارا خط ملا، تم نے جو کچھ لکھا میں سمجھا، تم
حسینؓ اور ان کے کل ساتھیوں سے یزید کی بیعت لے لو، جب وہ بیعت کر لیں گے، اس
وقت پھر دیکھا جائے گا" ابن سعد کو یہ تحریر ملی، تو معلوم ہو گیا کہ ابن زیاد امن و عافیت

نہیں چاہتا[1]،

پانی کی بندش اور اسکے لیے کشمکش

اس کے بعد ہی دوسرا حکم پہنچا کہ حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کر دو، جس طرح متقی زکی امیر المومنین عثمانؓ کے ساتھ کیا گیا تھا، اور ان سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کرو، بیعت کے بعد پھر ان کے بارہ میں غور کروں گا، اس حکم پر ابن سعد نے پانچ سو سواروں کا ایک دستہ فرات پر پانی روکنے کے لئے متعین کر دیا، اس دستہ نے ساتویں محرم سے پانی روک دیا، عبداللہ بن ابی حصین شامی نے امام حسینؓ سے مخاطب ہو کر کہا حسینؓ پانی دیکھتے ہو کیسا آسمان کے جگر جیسا جھلک رہا ہے، لیکن خدا کی قسم تم کو ایک قطرہ بھی نہیں مل سکتا، تم اسی طرح پیاسے مرو گے۔ آپ نے فرمایا، خدایا اسکو پیاسا مار اور اس کی مغفرت نہ فرما[2]، جب حسینی لشکر پر پیاس کا غلبہ ہوا تو حضرت حسینؓ نے اپنے سوتیلے بھائی عباس بن علیؓ کو ۳۰ سوار اور ۲۰ پیادوں کے ساتھ پانی لینے کو بھیجا، یہ گھاٹ پر پہنچے تو عمرو بن حجاج مزاحم ہوا، لیکن عباسؓ نے مقابلہ کر کے ہٹا دیا، اور پیادوں نے ریلا کر کے مشکیں بھر لیں، اور عباسؓ نے انھیں [illegible] لشکر میں پہنچوا دیا[3]،

حضرت حسینؓ اور عمر بن سعد کی خفیہ گفتگو

اس کے بعد حضرت حسینؓ نے ابن سعد کے پاس کہلا بھیجا کہ میں رات کو کسی وقت اپنے اور تمہارے لشکر کے درمیان تم سے ملنا چاہتا ہوں، آپ کی اس خواہش پر ابن سعد بیس آدمیوں کے ساتھ مقررہ مقام پر ملنے کے لئے آیا، حضرت حسینؓ کے ساتھ بھی بیس آدمی آئے تھے، لیکن آپ نے انھیں علیحدہ کر دیا، آپ کی تقلید میں ابن سعد نے بھی اپنے آدمی ہٹا دیئے اور دونوں میں رات کی تنہائی میں بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی، یہ گفتگو ایسی خفیہ تھی کہ اس کی صحیح خبر کسی کو نہ ہوئی، لوگوں نے مختلف قیاسات لگائے

---

[1] طبری ج ۷ ص ۳۱۰، ۳۱۱ [2] ایضاً ص ۳۱۲ [3] اخبار الطوال ص ۲۶۶

ہیں بعض راوی کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم دونوں اپنی اپنی فوجیں یہیں چھوڑ کر یزید کے پاس چلیں، ابن سعد نے کہا میرا گھر ڈھا دیا جائیگا، فرمایا میں بنوا دونگا ابن سعد نے کہا جائداد ضبط کر لی جائے گی، فرمایا میں اس سے بہتر حجاز میں دونگا، لیکن ابن سعد کسی قیمت پر جانے کے لیے آمادہ نہ ہوا، دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت حسینؓ نے فرمایا، کہ مجھے جہاں سے آیا ہوں، وہیں واپس جانے دو، یا یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے دو، پھر اس کے بعد وہ خود کوئی فیصلہ کرے گا، یا کسی سرحدی مقام پر بھیج دو۔[۱]

پہلی روایت تو خیر قابل قیاس ہے، اس لیے صحیح بھی ہو سکتی ہے، لیکن دوسری روایت روایۃً اور درایۃً دونوں حیثیتوں سے کمزور اور ناقابل اعتبار ہے، اس کی روایتی حیثیت یہ ہے کہ اس روایت کا ایک راوی مجالد بن سعید محدثین کے نزدیک پایہ اعتبار سے ساقط ہے، حافظ ذہبی اور ابن حجر دونوں نے اس پر جرح کی ہے، اس کے علاوہ عقبہ بن سمعان کا بیان ہے کہ میں مدینہ سے مکہ، مکہ سے عراق تک برابر حضرت حسینؓ کے ساتھ رہا، اور شہادت تک اُن سے جدا نہ ہوا، مگر آپ نے مدینہ میں، مکہ میں، راستہ میں، عراق میں، لشکرگاہ میں، غرض شہادت تک کہیں بھی کسی گفتگو میں کوئی ایسا خیال ظاہر نہیں فرمایا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ آپ یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے یا کسی سرحدی مقام پر بھیجے جانے کے لیے آمادہ تھے، آپ ہمیشہ یہی فرمایا کہ "مجھے چھوڑ دو، خدا کی زمین بہت وسیع ہے، کہیں چلا جاؤنگا، جب تک لوگ کوئی فیصلہ نہ کریں"[۱]

درایتی حیثیت یہ ہے کہ ابن زیاد کا تو یہی حکم تھا کہ اگر حسینؓ بیعت کر لیں تو پھر ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے، اور ابن سعد دل سے یہی چاہتا تھا، کہ کسی طرح جنگ کی نوبت

---

۱ [illegible] تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۳۹

نہ آنے پائے چنانچہ اس نے ٹالنے کی بڑی کوشش کی تھی، [illegible] کو لکھا کہ حسین رضؓ
واپس جانے پر آمادہ ہیں، لیکن ابن زیاد نے جواب دیا تھا کہ اب وہ بغیر بیعت کیے
نہیں جا سکتے، بیعت کے بعد پھر دیکھا جائیگا، یہ جواب پاکر ابن سعد نے کہا تھا کہ امن و
عافیت نہیں چاہتا، اس لیے حضرت حسین رضؓ کے بیعت پر آمادہ ہونے کے بعد ابن سعد
کا اس کو منظور کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا،

ابن زیاد کا تہدیدی فرمان: ابن سعد گو زیاد کی تند و تیز [illegible] سے لڑنے
پر آمادہ ہو گیا تھا، پھر بھی متعدد وجوہ سے اس کا دل اب تک برابر ملامت کر رہا تھا،
حضرت حسین رضؓ کی ذات گرامی وہ تھی کہ قرابت نبوی کی وجہ سے غیر متعلق اور بیگانہ اشخاص
بھی مشکل سے آپ کے ساتھ کسی بدسلوکی کی جرأت کر سکتے تھے، اور ابن سعد تو آپکا عزیز
بھی تھا، اس لیے نینوی آنے کے بعد بھی وہ برابر جنگ کو ٹالتا رہا کہ شاید اس طرح اس
کشت و خون سے بچنے کی کوئی صورت نکل آئے، ابن زیاد نے [illegible] کو محسوس کیا تو
آخر میں نہایت سخت فرمان بھیجا کہ "میں نے تم کو اس لیے [illegible] ڈھیل
دیتے رہو اور ان کے لیے سفارشی بنو، اور حسین رضؓ کے سفارشی بنکر [illegible] ان کی سلامتی
کی تمنا کرو، تم حسین رضؓ اور ان کے ساتھیوں سے میرا حکم ماننے کو کہو، اگر مان جائیں
تو سب کو ہمارے پاس بھیجدو، ورنہ فوراً حملہ کر دو، کہ وہ [illegible] والے
ہیں، اور اگر یہ کام تم سے نہ ہو سکے تو شمر ذی الجوشن کے حوالہ کر کے الگ ہو جاؤ
ہم نے جو حکم دیا ہے، اسے پورا کریں گے"۔[1]

ابن زیاد نے یہ فرمان شمر ذی الجوشن اور عبداللہ بن ابی المحل کے ذریعہ سے

[1] طبری ج ۷، ص [illegible]

ابن سعد کے پاس بھجوا دیا تھا، عبد اللہ کی پھوپھی ام بنین حضرت علیؓ کو بیاہی تھیں، اور عباس، عبد اللہ اور عثمان ان ہی کے بطن سے تھے، اس لیے عبد اللہ نے شمر سے کہا کہ ہمارے ابن اخت حسینؓ کے ساتھ ہیں، اگر امیر کی رائے ہو تو ان کے پاس امان نامہ بھیجدیا جائے شمر اس پر راضی ہوگیا، اور اسی وقت کاتب سے لکھوا دیا۔ عبد اللہ نے اسے اپنے غلام کزمان کے ہاتھ عباس وغیرہ کے پاس بھجوا دیا، غلام نے انھیں لیجا کر دیا کہ تمھارے ماموں نے یہ امان نامہ دیا ہے، اس پر غیور اور باحمیت بچوں نے جواب دیا کہ ماموں سے جا کر سلام کہنا اور کہنا امان نامہ پہنچا، لیکن ہمیں امان کی ضرورت نہیں، خدا کی امان ابن سمیہ (ابن زیاد) کی امان سے بہتر ہے[1]،

ابن زیاد کا آخری فیصلہ شمر نے ابن زیاد کا یہ فرمان لا کر ابن سعد کو دیا تو پڑھ کر بہت برہم ہوا، اور کہا "تمھارا بُرا ہو، اور جو چیز تم میرے پاس لائے ہو، خدا اس کا بُرا کرے، خدا کی قسم معلوم ہوتا ہے کہ میں نے ابن زیاد کو جو کچھ لکھا تھا، اس کے قبول کرنے سے تم ہی نے اس کو روک کر ہمارا کام بگاڑا ہے، ہم کو امید تھی کہ صلح کی کوئی صورت نکل آئے گی، حسینؓ کے پہلو میں ایک خوددار دل ہے، اس لیے وہ کبھی اس کے سامنے نہ جھکیں گے، شمر ابن سعد کی یہ باتیں سنکر بولا، بتاؤ اب تم کیا کرتے ہو؟ امیر کے حکم کی تعمیل کر کے انکے دشمنوں کو قتل کروگے یا نہیں؟ اگر قتل نہیں کرتے تو فوج ہمارے حوالہ کردو، ابن سعد کے ضمیر اور نفس میں اب بھی کشمکش جاری تھی، لیکن رے کی حکومت نہیں چھوڑی جاتی تھی، اسلئے نفس اور ضمیر کی کشمکش میں بالآخر نفس غالب آگیا، اور وہ اس بازیٔ ستم کے کھیلنے کیلئے آمادہ ہوگیا اور شمر سے کہا کہ میں خود اس کام کو کرونگا، تم پیدل کی نگرانی کرو[2]، ۹ محرم ۶۱ھ

[1] طبری ج ۷، ص ۳۱۶ [2] ایضاً ص ۳۱۷،

کو جنگ کی تیاریاں شروع کردیں، آغاز جنگ سے پہلے شمر نے حسینی فوج کے پاس جاکر ایک مرتبہ پھر عباس رض اور ان کے بھائیوں کو سمجھایا کہ بنی اخت میں تم کو امان دیتا ہوں لیکن اس مرتبہ غیرت مند نوجوانوں نے پہلے سے بھی زیادہ سخت جواب دیا کہ "تجھ پر اور تیری امان پر خدا کی لعنت ہو۔ اگر تو ہمارا ماموں ہوتا تو ہم کو امان دیتا، اور ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیتا[1]"

ایک شب کی اجازت | اسی تاریخ کو عصر کے وقت ابن سعد کچھ لوگوں کو ساتھ لیے ہوئے حضرت حسین رض کی فرودگاہ پر آپ سے ملنے آیا، آپ نے ملاقات کے لیے نکلنے کا عزم کیا، لیکن عباس رض نے روکا کہ آپ تکلیف نہ کیجیے، میں جاتا ہوں، حضرت حسین رض نے فرمایا، اچھا تم ہی جاؤ، مگر یہ پوچھ لینا کہ یہ لوگ کیوں آئے ہیں، چنانچہ عباس رض جاکر ان سے ملے اور آنے کا مقصد پوچھا۔ فوجیوں نے جواب دیا کہ امیر فلاں فلاں مقصد سے آئے ہیں، غالباً اس سے آغاز جنگ کی طرف اشارہ تھا، کیونکہ عباس رض نے انھیں جواب دیا کہ "اچھا ابھی جلدی نہ کرو، میں امام کو تمھارے آنے کا مقصد بتادوں" چنانچہ انھوں نے حضرت حسین رض کو اس کی خبر کی آپ نے فرمایا "اچھا آج رات بھر کی اور مہلت لے لو تاکہ اس آخری رات کو اچھی طرح نمازیں پڑھ لیں، دعائیں مانگ لیں، اور توبہ و استغفار کرلیں، خدا خوب جانتا ہے کہ مجھ کو نماز، اس کی کتاب کی تلاوت اور دعا اور استغفار سے کتنا دلی تعلق ہے، عباس رض نے جاکر ابن سعد کے دستہ سے کہا کہ "آج تم لوگ لوٹ جاؤ، رات کو ہم اس معاملہ پر غور کریں گے، اور جو کچھ فیصلہ ہوگا صبح جواب دیں گے" ابن سعد نے شمر سے پوچھا تمھاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا آپ امیر ہیں، آپ جانیں، شمر کے بعد پھر اور لوگوں سے رائے لی، سب نے مہلت دینے کی رائے دی،

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۷

اور ابن سعد اُس دن لوٹ گیا۔ ان لوگوں کی واپسی کے بعد امام نے اپنے ساتھیوں کو جمع کرکے حسب ذیل خطبہ دیا:۔

خطبہ "میں خدا کا بہترین ثنا خواں ہوں اور مصیبت اور راحت ہر حال میں اس کا شکر گذار ہوں، خدایا میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے ہم لوگوں کو نبوت سے سرفراز کیا اور ہمیں گوش شنوا، دیدۂ بینا اور دل آشنا دیا، ہم کو قرآن سکھایا۔ اور دین میں فہم عطا کی، اب ہمیں اپنے شکر گذار بندوں میں شامل فرما، اما بعد! مجھے کسی کے ساتھی اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار اور کسی کے اہل اپنے اہل بیت سے زیادہ نیکوکار اور صلہ رحمی کرنے والا کوئی دوسرا گھرانا نہیں معلوم ہوتا خدا تم لوگوں کو ہماری جانب سے جزائے خیر دے، میں اُن دشمنوں کی وجہ سے آج کا دن کل ہی کا دن سمجھ رہا ہوں اس لیے میں تم لوگوں کو بخوشی واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں، میری طرف سے کوئی ملامت نہ ہوگی، رات ہو چکی ہے، ایک ایک اونٹ لے لو، اور ایک ایک آدمی میرے ایک ایک اہل بیت کا ہاتھ پکڑ کے ساتھ لے لے، خدا تم سب کو جزائے خیر دے، تم لوگ اپنے اپنے شہروں اور دیہاتوں میں چلے جاؤ، یہانتک کہ خدا یہ مصیبت آسان کردے، میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ لوگ مجھی کو ڈھونڈھیں گے، میرے بعد کسی کی تلاش نہ ہوگی"

جاں نثاروں کی تقریریں اس تقریر پر تمام اعزہ نے یک زبان ہوکر جواب دیا کیا ہم صرف اسلیے چلے جائیں کہ آپ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہم کو یہ دن نہ دکھائے" اس جواب پر حضرت حسین رضی نے بنو عقیل سے فرمایا کہ مسلم کا قتل تمہارے لیے بہت ہو چکا، اس لیے تم کو اجازت دیتا ہوں کہ تم لوگ لوٹ جاؤ۔ لیکن با حمیت بھائیوں نے جواب دیا کہ ہم لوگوں کو کیا جواب دیں گے؟ کیا یہ کہیں گے کہ اپنے سردار، اپنے آقا اور ابن عم کو چھوڑ آئے۔ ان کے لیے ایک

تیر بھی نہ چلایا، ایک نیزہ بھی نہ مارا، تلوار کا ایک وار بھی نہ کیا، اور معلوم نہیں ان کا کیا حشر ہو؟ خدا کی قسم ہم ہرگز ایسا نہیں کرسکتے، ہم لوگ جان و مال اور اہل و عیال سب آپ کے اوپر سے فدا کردیں گے، آپ کے ساتھ لڑیں گے، جو انجام آپ کا ہوگا وہی ہمارا بھی ہوگا، آپ کے بعد جینا بیکار ہے،

بنو عقیل کے بعد مسلم بن عوسجہ اسدی نے اٹھ کر کہا کہ ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں؟ اور خدا کے سامنے آپ کے ادائے حق کا عذر نہ کریں؟ خدا کی قسم میں اس وقت تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا جب تک دشمنوں کے سینوں میں نیزہ نہ توڑ لوں، اور تلوار نہ چلا لوں، خدا کی قسم اگر میرے پاس اسلحہ بھی نہ ہوتے تو دشمنوں سے پتھر مار مار کر لڑتا، اور آپ کے اوپر سے فدا ہوجاتا۔[1]

مسلم بن عوسجہ کے بعد سعد بن عبداللہ حنفی نے اٹھ کر تقریر کی، کہ "خدا کی قسم ہم اس وقت تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے، جب تک خدا کو یہ معلوم نہ ہوجائے کہ ہم نے رسول اللہ کے بعد بھی آپ کا فرمان ملحوظ رکھا، اگر مجھ کو یہ بھی یقین ہوتا کہ میں ستر مرتبہ قتل کیا جاؤں گا اور ہر مرتبہ زندہ کرکے آگ میں جلا کر میری خاک اڑا دی جائے گی تو بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑتا، تا آنکہ اپنے کو موت کے حوالہ کردیتا، نہ کہ ایسی صورت میں جب کہ معلوم ہے کہ مرنا ایک ہی مرتبہ ہے، اور اس موت میں ابدی عزت ہے"

سعد بن عبداللہ حنفی کے بعد زہیر بن قین اٹھ کر بولے "خدا کی قسم مجھے تمنا ہے کہ میں قتل ہوتا، پھر زندہ ہوتا، پھر قتل کیا جاتا، اسی طرح ہزار مرتبہ زندہ ہو ہو کر قتل کیا جاتا اور خدا اس قتل سے آپ کی ذات اور آپ کے اہل بیت کے نوجوانوں کو بچا لیتا، غرض اس

---

[1] یہ خطبہ از جوابات ابن اثیر ج ۴ ص ۴۸ - ۴۹ سے ماخوذ ہیں۔

طریقہ سے ہر جاں نثار نے اپنی اپنی عقیدت اور جاں نثاری کا اظہار کیا[1]۔

شب عاشورہ جمعرات کا دن گذرنے کے بعد عاشورہ کی وہ تاریک رات نمودار ہوئی جس کی صبح کو میدانِ کربلا میں قیامت بپا ہونے والی تھی، درمیان میں صرف ایک ہی رات رہ گئی تھی جس میں حضرت حسینؓ کو حجلۂ عبادت میں جمالِ حقیقت کے ساتھ راز و نیاز کرنا تھی، اور اس کی راہ میں جان دینے کے لیے تیاریاں بھی کرنی تھیں، چنانچہ آپ نے منتشر خیموں کو ایک جگہ ترتیب سے نصب کرایا، ان کی پشت پر خندق کھدوا کر آگ جلوا دی کہ دشمن عقب سے حملہ آور نہ ہو سکیں اور ہتھیاروں کی صفائی کرائی جس وقت آپ کی تلوار صاف کی جا رہی تھی، اس وقت آپ نے چند عبرتناک اشعار پڑھے آپ کی جاں نثار بہن حضرت زینبؓ کو ان اشعار سے ہونے والے واقعات کا کچھ اندازہ ہو گیا تھا، وہ حضرت حسینؓ کے پاس بدحواس دوڑتی ہوئی آئیں، اور چیخ چیخ کر رونے لگیں کہ کاش آج موت میری زندگی کا خاتمہ کر دیتی، ہائے میری ماں فاطمہؓ میرے باپ علیؓ اور میرے بھائی حسنؓ میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا، بھیا ان گذرے ہوؤں کے جانشین اور ہم لوگوں کے محافظ اور ہمارا تم ہی سہارا ہو، بہن کو اس طرح مضطرب و بے قرار دیکھ کر فرمایا زینبؓ حلم و وقار کو شیطان کے حوالہ نہ کرو، لیکن یہ وقت ضبط و تحمل کا نہ تھا، زینبؓ بولیں "بھائی میں آپ پر سے قربان، آپ کے بدلہ میں اپنی جان دینا چاہتی ہوں" بہن کی یہ دلدوز اور محبت بھری باتیں سنکر بھائی کا دل بھی بھر آیا، اور آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، فرمایا زینبؓ ذرا چین سے رہنے دو، یہ جواب سنکر زینبؓ نے منہ پیٹ لیا، اور ڈاڑھیں مار کر رونے لگیں کہ آپ کا اپنے کو مجبور سمجھنا، اور بھی میرے دل کے ٹکڑے اڑا دیتا ہے"

[1] طبری ج ۷ ص ۲۲۲ و ۲۲۳

کہا اور چیخ مار کر بیہوش ہوگئیں، حضرت حسینؓ نے منہ پر پانی کے چھینٹے دیے، جب ہوش آیا، تو صبر کی تلقین کی کہ "زینبؓ خدا سے ڈرو اور خدا سے تسکین حاصل کرو، ایک نہ ایک دن سارے روئے زمین کے باشندے مرجائیں گے، آسمان والوں میں بھی کوئی باقی نہ رہے گا، آسمان و زمین کی تمام چیزیں فانی ہیں، صرف ایک خدا کی ذات باقی رہے گی، میری ماں میرے باپ اور میرے بھائی سب مجھ سے بہتر تھے، اور ہر مسلمان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نمونہ ہے، تم اسی نمونہ سے صبر و تسلی حاصل کرو، میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر میں مرجاؤں تو اسوۂ رسول کے خلاف نہ کرنا، میری موت پر گریبان نہ پھاڑنا، منہ نہ پیٹنا، اور بین نہ کرنا" بہن کو صبر و شکر اور ضبط و تحمل کی تلقین کرکے خیمہ سے باہر تشریف لائے، اور حفاظت کے ضروری انتظامات کرکے صبح صادق تک سب لوگ نماز، دعا، استغفار اور تضرع و زاری میں مصروف رہے۔[1]

قیامت صغریٰ: شب عاشور ختم ہونے کے بعد صبح قیامت نمودار ہوئی، جس میں تاریخ اسلام کا سب سے زیادہ دلدوز واقعہ پیش آنے والا تھا، اور باختلاف روایت جمعہ یا ہفتہ کے دن بعد نماز فجر حسینی فوج لڑنے کے لیے تیار ہوگئی، یہ کوئی لشکر جرار نہ تھا، بلکہ بہتر جاں نثاروں کی ایک مختصر جماعت تھی، جس کی ترتیب یہ تھی کہ میمنہ پر زہیر بن قین تھے، میسرہ پر حبیب ابن مطہر، عباسؓ علمدار کے ہاتھوں میں حسینی علم تھا، ادھر یہ مٹھی بھر جاں نثار تھے، دوسری طرف چار ہزار فوج تھی، حضرت حسینؓ جب میدان جنگ میں جانے کے لیے رہوار پر سوار ہوئے، تو قرآن سامنے رکھا، اور دونوں ہاتھ اٹھا کر بارگاہ ایزدی میں یہ دعا کی،

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۵۳ ملتقطاً

بارگاہِ ایزدی میں دعا | خدایا تو ہر مصیبت میں میرا بھروسہ اور ہر تکلیف میں میرا آسرا ہے، مجھ پر جو جو وقت آئے، ان میں تو ہی میرا پشت و پناہ تھا، بہت سے غم و اندوہ ایسے ہیں جن میں دل کمزور پڑجاتا ہے، کامیابی کی تدبیریں کم ہوجاتی ہیں، اور رہائی کی صورتیں گھٹ جاتی ہیں، دوست اس میں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، اور دشمن شماتت کرتے ہیں، لیکن میں نے اس قسم کے تمام نازک اوقات میں سب کو چھوڑ کر تیری طرف رجوع کیا، تجھی سے اس کی شکایت کی، تو نے ان مصائب کے بادل چھانٹ دیئے، اور ان کے مقابلہ میں میرا سہارا بنا، تو ہی ہر نعمت کا والی، ہر بھلائی کا مالک اور ہر آرزو اور خواہش کا منتہی ہے،

آپ دعا سے فارغ ہوئے تھے کہ شمر نے اس آگ کے شعلوں کو دیکھکر جو خیموں کی پشت پر اُن کی حفاظت کے لیے جلائی گئی تھی، باواز بلند کہا حسینؓ قیامت سے پہلے دنیا ہی میں آگ مل گئی، آپ نے جواب دیا "تو اس میں جلنے کا زیادہ مستحق ہے"، مسلم بن عوسجہ نے عرض کی "یا ابن رسول اللہ شمر زد میں ہے، ارشاد ہو تو تیر چلا کر اس کا خاتمہ کردوں" فرمایا نہیں میں اپنی جانب سے ابتدا کرنا نہیں چاہتا، اور شامی فوج کے قریب جاکر بطور اتمام حجت کے فرمایا:

اتمام حجت | لوگو جلدی نہ کرو پہلے میرا کہنا سن لو، اور مجھ پر سمجھانے کا جو حق ہے اسے پورا کرلینے دو اور میرے آنے کا عذر بھی سن لو، پھر اسکے بعد تمھیں اختیار ہے، اگر میرا عذر قبول کرلوگے، میرا کہنا سچ مانوگے اور انصاف سے کام لوگے تو خوش قسمت ہوگے، اور تمھارے لیے میری مخالفت کی کوئی سبیل باقی نہ رہے گی، اور اگر تم نے میرا عذر قبول نہ کیا اور انصاف سے کام نہ لیا تو

فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ	پس تم اور تمھارے شریک سب مل کر اپنی
ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ	[illegible] بات ٹھہرا لو [illegible]
غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ	[illegible] کر گزرو [illegible] مجھ کو مہلت نہ دو

اِنَّ وَلِیّیَ اللّٰہُ الَّذِی نَزَّلَ الْکِتَابَ ——— سو تم جو کرنا چاہتے ہو کر ڈالو اور مجھے مہلت

وَھُوَ یَتَوَلَّی الصَّالِحِیْنَ ——— نہ دو میرا ولی وہ اللہ ہے جس نے کتاب نازل

(اعراف ۔ ۲۴) ——— کی اور وہی صالحین کا ولی ہوتا ہے۔

آپ کی بہنوں اور صاحبزادیوں نے یہ تقریر سنی تو خیمۂ امامت میں ماتم بپا ہو گیا، ان کے رونے کی آوازیں سن کر آپ نے عباسؓ اور علیؓ کو بھیجا کہ جا کر انھیں خاموش کرو، میری عمر کی قسم ابھی ان کو بہت رونا ہے۔" بہنوں اور لڑکیوں کو خاموش کرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر آخری اتمامِ حجت کے لیے کوفیوں کے سامنے تقریر فرمائی کہ

"لوگو! میرے نسب پر غور کرو میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر اپنے کو ملامت کرو، خیال کرو کہ میرا قتل اور میری آبروریزی تمھارے لیے زیبا ہے، کیا میں تمھارے نبیؐ کی بیٹی کا لڑکا اور اس کے وصی، ابن عم، خدا پر سب سے پہلے ایمان لانے والے، اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب کی تصدیق کرنے والے کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا سید الشہدا حمزہ میرے باپ کے اور جعفر طیار ذو الجناحین میرے چچا نہ تھے؟ کیا تم کو نہیں معلوم کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ دونوں نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں، اگر میں سچ کہتا ہوں، اور یقیناً سچ کہتا ہوں، کیونکہ جب سے مجھے معلوم ہے کہ جھوٹے پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے، اُس وقت سے میں عمداً جھوٹ نہیں بولا، اور اگر مجھ کو جھوٹا سمجھتے ہو تو تم میں اس کے جاننے والے موجود ہیں، ان سے اس کی تصدیق کر لو، جابر بن عبد اللہ انصاری، ابو سعید خدریؓ، سہل بن سعد الساعدی، زید بن ارقمؓ، انس بن مالکؓ ابھی زندہ ہیں، ان سے پوچھو، یہ تمھیں بتائیں گے کہ انھوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے، مجھے بتاؤ کیا اس فرمان میں، میری خونریزی کے لیے

کوئی روک نہیں"۔

اس تقریر کے دوران میں شمر ذی الجوشن نے حضرت حسینؓ کے ایمان پر چوٹ کی حبیب ابن مطہر نے اس کا دندان شکن جواب دیکر کہا کہ امام جو کچھ فرماتے ہیں اس کو تو نہیں سمجھ سکتا کیونکہ خدا نے تیرے قلب پر مہر لگا دی ہے، ذی الجوشن اور حبیب کے اعتراض وجواب کے بعد جناب امام نے پھر تقریر کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا،

"خیر اگر تم کو اس میں شک ہے، تو اسے جانے دو، لیکن کیا اس میں بھی شبہ ہے کہ میں تمہارے نبیؐ کی لڑکی کا بیٹا ہوں، خدا کی قسم آج مشرق سے لیکر مغرب تک روئے زمین پر تم میں اور کسی غیر قوم میں بھی میرے سوا کسی نبی کا نواسہ موجود نہیں ہے، میں خاص تمہارے نبیؐ کی لڑکی کا بیٹا ہوں، مجھے بتاؤ تم لوگ میرے خون کے کیوں خواستگار ہو، کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے؟ کسی کا مال ضائع کیا ہے؟ کسی کو زخمی کیا ہے"۔ ان نصائح اور سوالات کو سنکر سب خاموش رہے، کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، اس کے بعد آپ نے نام لے لیکر سوالات شروع کیے اے شیث بن ربعی اے حجار بن الجبر اے قیس بن اشعث اے یزید بن حارث! کیا تم نے مجھکو نہیں لکھا تھا، پھل پک چکے ہیں، کھجوریں سرسبز ہیں، دریا جوش میں ہیں، فوجیں تیار ہیں، تم فوراً آؤ، ان لوگوں نے جواب دیا، ہم نے نہیں لکھا تھا، فرمایا، سبحان اللہ خدا کی قسم تم نے لکھا تھا، لوگو اگر تم کو میرا آنا ناگوار ہے، تو مجھے چھوڑ دو، تاکہ میں کسی پُرامن خطہ کی طرف چلا جاؤں اس پر قیس بن اشعث بولا، تم اپنے بنی عم کا کہنا کیوں نہیں مان لیتے، ان کی رائے تمہارے مخالف نہ ہوگی، اور ان کی جانب سے کوئی ناپسندیدہ سلوک نہ ہوگا" حضرت حسینؓ نے فرمایا کیوں نہیں، آخر تم بھی تو اپنے بھائی کے بھائی ہو، تم کیا یہ چاہتے ہو کہ بنو ہاشم مسلم بن عقیل کے خون کے علاوہ تم سے اور دوسرے خون کے بدلہ کا بھی مطالبہ کریں، خدا کی قسم میں ذلیل کی طرح

زہیر بن قین کی یہ تقریر سن کر کوفیوں نے انھیں گالیاں دیں، اور ابن زیاد کی تعریف کر کے بولے، خدا کی قسم ہم حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو قتل یا انھیں گرفتار کر کے امیر ابن زیاد کے پاس پہنچائے بغیر نہیں ٹل سکتے، زہیر بن قین نے پھر انھیں سمجھایا کہ خدا کے بندو! فاطمہؓ کا فرزند ابن سمیہ کے مقابلہ میں امداد و اعانت کا زیادہ مستحق ہے، اگر تم ان کی مدد نہیں کرتے تو خدارا انھیں قتل تو نہ کرو، ان کا معاملہ اُن کے اور ان کے ابن عم یزید پر چھوڑ دو، خدا کی قسم وہ حسینؓ کو قتل نہ کرنے کی صورت میں تم سے زیادہ رضامند ہوگا، اس پر شمر ذی الجوشن نے زہیر ابن قین کو ایک تیر مارا، اور کہا خاموش رہو، خدا تمھارا منھ بند کرے، اپنی بک بک سے پریشان کر ڈالا، اس پر زہیر نے کہا، ابن بوال تجھ سے کون مخاطب کرتا ہے؟ تو تو جانور ہے، خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ تو کتاب اللہ کی ان دو آیتوں کو بھی نہیں جانتا، وابشر بالخزی یوم القیامۃ والعذاب الالیم، شمر بولا "خدا تجھ کو اور تیرے ساتھی کو ایک ساتھ قتل کرے" زہیر نے جواب دیا کہ موت سے ڈراتا ہے، خدا کی قسم حسینؓ کے ساتھ جان دینا مجھ کو تیرے ساتھ دائمی زندگی سے زیادہ پسند ہے، پھر آواز بلند کوفیوں سے خطاب کیا کہ "لوگو تم اس سنگدل ظالم کے فریب میں نہ آؤ، خدا کی قسم جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور ان کے اہل بیت کا خون بہائیں گے وہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔"

حر کی آمد کوفیوں کی آنکھوں پر پردے پڑ چکے تھے اور دلوں پر مہر لگ چکی تھی، اس لئے حضرت حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں کی ساری افہام و تفہیم رائگاں گئی، کسی پر کوئی اثر نہ ہوا، اور امام نے زہیر بن قین کو واپس بلا لیا۔ ان کی واپسی کے بعد کوئی وقت منتظر باقی نہ رہا، اور عمر بن سعد حضرت حسینؓ کی طرف بڑھا، اس کی پیش قدمی کے ساتھ ہی اس گروہ اشقیا میں سے دفعتہً اہلبیت پرست روح نکل آئی، یہ حر تھے، عین اس وقت جب طبل جنگ پر چوب پڑنے کو تھی حر کی

آنکھوں کے سامنے تاریکی کا پردہ ہٹ گیا، اور حق کا جلوہ نظر آنے لگا، چنانچہ وہ کوفی فوج کا ساتھ چھوڑ کر حضرت حسینؓ کی فوج میں چلے آئے، اور عرض کیا، میری جانب سے جو گستاخیاں اور بے عنوانیاں ہو چکیں، اب اپنی جان غمگساری کے لیے حاضر کرتا ہوں، امید ہے ابھی در توبہ باز ہوگا، حضرت حسینؓ نے فرمایا تمھاری توبہ قبول ہوگی، تم کو بشارت ہو کہ تم دنیا اور آخرت دونوں میں "حر" آزاد ہو[۱]،

حر کی تقریر حسینی فوج میں شامل ہونے کے بعد حر نے کوفیوں سے کہا "لوگو! حسینؓ نے جو تین صورتیں تمھارے سامنے پیش کی ہیں، ان میں سے کوئی صورت کیوں نہیں منظور کر لیتے، تاکہ خدا تم کو ان کے ساتھ لڑنے سے بچالے، ابن سعد بولا، میں دل سے یہ چاہتا ہوں لیکن افسوس اسکی کوئی سبیل نہیں نکلتی، حر نے پھر کہا، اے اہل کوفہ پہلے تم نے حسینؓ کو بلایا، جب وہ آگئے، تو تم نے انکا ساتھ چھوڑ دیا، اور یہ خیال کرتے رہے کہ ان کی حمایت میں لڑو گے، پھر ان کے مخالف ہو گئے، اور اب ان کے قتل کے درپے ہو، انھیں ہر طرف سے گھیر لیا ہے اور خدا کی وسیع زمین میں کسی طرف ان کو جانے نہیں دیتے کہ وہ اور ان کے اہل بیت کسی پُرامن مقام پر چلے جائیں، اس وقت انکی حالت بالکل قیدی کی ہو رہی ہے کہ وہ اپنی ذات کو نہ کوئی فائدہ پہونچا سکتا ہے، اور نہ نقصان سے بچا سکتا ہے، تم نے ان پر فرات کا پانی بند کر دیا ہے جس پانی کو یہودی، نصرانی، مجوسی سب پیتے ہیں، اور دیہات کے سور اور کتے تک اس میں لوٹتے ہیں، اس کے لیے حسینؓ اور انکے اہل و عیال تشنہ لب تڑپتے ہیں، تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی اولاد کا کیا خوب لحاظ کیا؟ اگر تم توبہ کر کے اپنی روش نہیں چھوڑو گے، تو خدا تمھیں قیامت کے دن پیاسا تڑپائے گا"

جنگ کا آغاز حر کی اس تقریر کے بعد ابن سعد علم لیکر بڑھا، اور پہلا تیر چلا کر اعلان جنگ کر دیا[۲]

۱؎ طبری ج ۷ ص ۳۲۹ تا ۳۳۰، و ابن اثیر ج ۴ ص ۵۳، ۵۴،

اور دونوں طرف سے آدمی نکل نکل کے دادِ شجاعت دینے لگے، شامیوں کی فوج سے یسار اور سالم دو شخص نکلے، ادھر سے تنہا عبداللہ بن عمیر اُن کے جواب میں آئے، اور ایک ہی وار میں یسار کو ڈھیر کر دیا، پاس ہی سالم تھا، اس نے جھپٹ کر عبداللہ پر وار کیا، عبداللہ نے ہاتھ پر روکا، انگلیاں اڑ گئیں، لیکن اپنی کٹی انگلیوں سے سالم کو مار گرایا، عبداللہ کی بیوی بھی ساتھ تھیں، انھوں نے شوہر کو لڑتے دیکھا تو خود بھی ہاتھ میں خیمہ کی ایک چوب لیکر یہ کہتی ہوئی آگے بڑھیں کہ میرے ماں باپ تم پر سے فدا ہوں آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لڑتے رہو، عبداللہ نے انھیں عورتوں کو خیمہ میں لوٹانا چاہا لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑونگی، تمہارے ساتھ جان دونگی، حضرت حسینؓ نے انکی ضد دیکھ کر آواز دی کہ خدا تم کو اہل بیت کی جانب سے جزائے خیر دے، تم لوٹ آؤ، "عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہے" آپ کے ارشاد پر وہ لوٹ گئیں،

اس کے بعد عمرو بن حجاج شامی لشکر کے میمنہ کو لے کر حضرت حسینؓ کی طرف بڑھا، جب آپ کے قریب پہنچے تو فدایانِ حسینؓ گھٹنوں ٹیک کر سینہ سپر ہو گئے، اور نیزوں کے وار سے شامی سواروں کے گھوڑوں کے منہ پھیر دیئے، پھر شامی جماعت سے ابن حوزہ نامی ایک شخص نکل کر باواز بلند پکارا حسینؓ ہیں؟ کسی نے اس کا جواب نہ دیا، دوسری مرتبہ پھر اُس نے یہی سوال کیا، تیسری مرتبہ سوال کرنے پر لوگوں نے کہا ہیں تمہارا کیا مقصد ہے؟ اس نے کہا حسینؓ تم کو دوزخ کی بشارت ہو، حضرت حسینؓ نے جواب میں فرمایا "تو جھوٹا ہے، میں دوزخ میں نہیں بلکہ رب رحیم شفیع و مطاع کے حضور میں جاؤں گا، تیرا نام کیا ہے؟ جواب دیا ابن حوزہ، فرمایا خدایا اسکو آگ میں داخل کر، یہ فقرہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ ابن حوزہ کا گھوڑا بدکا، اور ایک نہر میں گرا، اور ابن حوزہ کا پاؤں رکاب میں رہ گیا، اسی حالت میں گھوڑا [illegible] اور ابن حوزہ [illegible] گھوڑا [illegible] اور ابن حوزہ [illegible]

مر گیا، اس کے بعد شامی فوج سے یزید بن معقل نکلا، اور حسینی لشکر سے بریر بن حضیر مقابل
ہوئے، زبانی مباحثہ کے بعد دونوں نے تلواریں نکالیں، یزید بن معقل نے بریر پر وار کیا، بریر
نے وار خالی دیا، اور جواب میں ایسی کاری تلوار ماری کہ یزید کی خود کاٹتی ہوئی دماغ تک پہنچ گئی
اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا، بریر کو تڑپتا دیکھ کر شامی فوج کے ایک سپاہی رضی بن منقذ نے بریر
پر حملہ کیا، دونوں میں کشتی ہونے لگی، بریر اس کو چت کر کے سینہ پر بیٹھ گئے، رضی کو چت دیکھ کر
کعب بن جابر ازدی شامی نے بریر پر نیزہ سے حملہ کیا، نیزہ ان کی پیٹھ میں پیوست ہو گیا، بریر
زخمی ہو کر رضی کے سینہ سے اتر پڑے، ان کے اترتے ہی کعب نے تلوار سے زخمی کر کے گرا دیا، اس
طرح رضی کی جان بچ گئی، بریر کے بعد عمرو بن قرظہ انصاری بڑھے، اور حضرت حسینؓ کے سامنے
داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے، عمرو بن قرظہ کا بھائی ابن سعد کے ساتھ تھا، عمرو کو
خاک وخون میں غلطاں دیکھ کر پکارا، کذاب ابن کذاب حسینؓ تو نے میرے بھائی کو گمراہ کیا
اور دھوکہ دیکر قتل کرا دیا، آپ نے جواب دیا "خدا نے تیرے بھائی کو نہیں بلکہ تجھ کو گمراہ کیا، تیرے
بھائی کو اس نے ہدایت دی۔" یہ جواب سنکر وہ بولا اگر میں تم کو قتل نہ کروں تو خدا مجھے قتل کرے۔
یہ کہتے ہی حضرت حسینؓ کی طرف جھپٹا، مگر نافع بن ہلال مرادی نے ایسا نیزہ مارا کہ وہ چاروں
شانے چت گرا، مگر اس کے ساتھیوں نے بڑھ کر بچا لیا، ان کے بعد حر بن یزید نکلے، اور
حضرت حسینؓ کے سامنے بڑی شجاعت وبہادری سے لڑے، یزید بن سفیان انکے مقابلہ
کو آیا، حر نے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا، حر کے بعد نافع بن ہلال بڑھے،
شامیوں میں مزاحم بن حریث ان کے مقابل آیا، نافع نے اسے بھی اس کے ساتھیوں کے
پاس پہنچا دیا،

عام جنگ اور مسلم بن عوسجہ کی شہادت ابھی تک لڑائی کا انداز یہ تھا کہ ایک ایک شخص ایک ایک کے

مقابل میں نکلتا تھا، مگر شامی لشکر سے جو نکلا وہ بچ کر نہ گیا: اس لیے عمرو بن حجاج نے پکارا لوگو! جن لوگوں سے تم لڑ رہے ہو یہ سب اپنی جان پر کھیلے ہوئے ہیں، اس لیے آیندہ کوئی شخص تنہا ان کے مقابلہ میں نہ جائے، ان کی تعداد تو اتنی کم ہے کہ اگر تم لوگ ان کو صرف پتھروں سے مارو تو بھی ان کا کام تمام ہو جائے گا، کوفہ والو اطاعت اور جماعت کی پوری پابندی کرو، اس شخص (حسین رضؓ) کے قتل میں کسی شک و شبہ اور تذبذب کی راہ نہ دو، جو دین سے نکل گیا ہے اور جس نے امام کی مخالفت کی ہے، عمر بن سعد کو بھی عمرو بن حجاج کی یہ رائے پسند آئی چنانچہ اس نے فرداً فرداً مبارزت سے روک دیا، اور عام جنگ کا آغاز ہو گیا، عمرو بن حجاج میمنہ کو لیکر حضرت حسینؓ پر حملہ آور ہوا، تھوڑی دیر تک آپس میں کشمکش جاری رہی، اس معرکہ میں مشہور جان نثار مسلم بن عوسجہ اسدی شہید ہوئے، غبار چھٹا تو لاشہ نظر پڑا، حضرت حسینؓ قریب تشریف لے گئے، ابھی کچھ جان باقی تھی، فرمایا، مسلم تم پر خدا رحم کرے فمنھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا حضرت حسینؓ کے بعد حبیب مظہر نے آکر جنت کی بشارت دی، اور کہا اگر مجھ کو یہ یقین نہ ہوتا کہ میں عنقریب تمہارے پاس پہنچوں گا تو تم سے وصیت کرنے کی درخواست کرتا، اور اسے پوری کرتا، مسلم میں بقدر رمق جان باقی تھی، حضرت حسینؓ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ صرف ان کے بارہ میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے لیے جان دیدینا،[1] وصیت کرکے محبوب آقا کے سامنے جان دیدی کہ

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہان نیاز مندے ... کہ بوقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

مسلم کی موت پر شامی فوج میں بڑی خوشی ہوئی۔

[illegible] تیروں کی بارش، اس کے بعد دوسرے ریلے میں شمر شامی میسرہ کو لے کر حسینی میمنہ پر

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۵۸،

حملہ آور ہوا۔ اس حملہ کے بعد ہی شامی چاروں طرف سے حسینی فوج پر ٹوٹ پڑے، بڑا زبردست مقابلہ ہوا، حسینی فوج کے بہادر عبداللہ الکلبی کئی آدمیوں کو قتل کرکے خود شہید ہوئے، اس معرکہ میں حسینی فوج میں کل ۳۲ آدمی تھے لیکن اس پامردی سے ڈٹ کر جدھر رخ کرتے تھے، شامیوں کی صفیں الٹ دیتے تھے، اور ان کی سواریوں کی صفیں درہم برہم ہوجاتی تھیں شامی سواروں کے دستہ کے افسر عروہ بن قیس نے اپنے سواروں کی یہ بے ترتیبی دیکھی تو ابن سعد کے پاس کہلا بھیجا کہ تھوڑے سے آدمیوں نے ہمارے دستہ کا یہ حال کر دیا ہے، اسلیے فوراً کچھ پیدل اور کچھ تیر انداز بھیجو، ورنہ مقابلہ مشکل ہے، اس کی درخواست پر پانچ سو سواروں کا دستہ بھیجا گیا، اس دستہ نے جاتے ہی حسینی لشکر پر تیروں کی بارش شروع کردی، اور تھوڑی دیر میں ان کے تمام گھوڑے زخمی ہوکر بیکار ہوگئے، پھر بھی ان کے استقلال میں کمی نہ آئی، سب سوار گھوڑوں سے اتر پڑے، اور دوپہر تک اس بہادری اور بےجگری سے لڑتے رہے کہ دشمنوں کے دانت کھٹے کردیے،

اہل بیت کے خیموں کا جلایا جانا۔

شامی جنگ کو جلد ختم کرنے کے لیے آگے بڑھنا چاہتے تھے، لیکن حضرت حسینؓ نے اپنے خیموں کی ترتیب کچھ اس طرح رکھی تھی کہ شامی ایک ہی رخ سے حملہ کرسکتے تھے، اس لیے عمر بن سعد نے حکم دیا کہ خیمے اکھاڑ دیے جائیں تاکہ ہر طرف سے حسینی فوج پر حملہ کیا جاسکے، چنانچہ شامی خیمے اکھاڑنے کے لیے آگے بڑھے، لیکن اس میں بھی یہ دشواری آگئی کہ جب وہ حسینی خیموں میں گھسنے کا قصد کرتے تھے تو ادھر ادھر پھیل جاتے تھے، اسلیے حسینی سپاہی انہیں مار لیتے تھے، ابن سعد نے اس صورت میں ناکامی دیکھی تو خیموں میں آگ لگوادی، حضرت حسینؓ نے دیکھا تو فرمایا یہ بھی اچھا ہوا، خیمے اب صاف ہوجائیں گے، تو یہ لوگ پشت سے حملہ آور نہ ہوسکیں گے، حضرت حسینؓ کا یہ خیال بالکل صحیح نکلا، خیموں کے جل جانے سے پشت سے حملہ کا خطرہ جاتا رہا، شمر اہلبیت کے خیمہ میں نیزہ مارکر بولا کہ اس کو مع آدمیوں کے جلادوں

گا، عورتوں نے سنا تو چلاتی ہوئی خیموں سے باہر نکل آئیں، حضرت حسینؓ نے دیکھا تو شمر کو ڈانٹا کہ "تو میرے اہل بیت کو آگ میں جلانا چاہتا ہے، خدا تجھ کو آتش دوزخ میں جلائے" کچھ اس ڈانٹ کے اثر اور کچھ لوگوں کے غیرت دلانے سے شمر لوٹ گیا، اس کے جاتے ہی زہیر بن قین نے کوفیوں کو اہل بیت کے خیموں سے ہٹا دیا۔[1]

جاں بازوں کی شہادت | پچھلے معرکوں میں شمع امامت کے بہت سے پروانے فدا ہو چکے تھے، اب امام کے ساتھ صرف چند جان نثار باقی رہ گئے تھے، ان کے مقابلہ میں کوفیوں کا ٹڈی دل تھا اس لیے ان کے قتل ہونے سے ان میں کوئی کمی نظر نہ آتی تھی، لیکن حسینی فوج میں سے ایک آدمی بھی شہید ہو جاتا تھا تو اس میں نمایاں کمی محسوس ہوتی تھی، یہ صورت حال دیکھ کر عمرو ابن عبداللہ ساعدی نے امام سے عرض کیا کہ "میری جان آپ پر فدا ہو، اب شامی بہت قریب ہوتے جاتے ہیں اور کوئی دم میں پہنچنا چاہتے ہیں، اس لیے چاہتا ہوں کہ پہلے میں جان دے لوں؛ اس کے بعد پھر آپ کو کوئی گزند پہونچے، ابھی میں نے نماز نہیں پڑھی ہے، نماز پڑھ کر خدا سے ملنا چاہتا ہوں" ان کی اس درخواست پر حضرت حسینؓ نے فرمایا "ان لوگوں سے کہو کہ تھوڑی دیر کے لیے جنگ ملتوی کر دیں، تاکہ ہم لوگ ظہر کی نماز ادا کر لیں" آپ کی زبان سے یہ فرمائش سنکر حصین بن نمیر شامی بولا "تمھاری نماز قبول نہ ہوگی" حبیب بن مظہر نے جواب دیا کہ "گدھے آل رسول کی نماز قبول نہ ہوگی، اور تیری قبول ہوگی" یہ جواب سنکر حصین کو طیش آگیا، اور حبیب پر حملہ کر دیا، حبیب نے اس کے گھوڑے کے منہ پر ایسا ہاتھ مارا کہ وہ دونوں پاؤں اٹھا کر کھڑا ہو گیا، اور حصین اس کی پیٹھ سے نیچے آگیا، لیکن اسکے ساتھیوں نے بڑھ کر بچا لیا، اسکے بعد حبیب اور کوفیوں میں مقابلہ ہونے لگا، کچھ دیر تک حبیب نہایت کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، لیکن تن تنہا اتنے بڑے کثیر کے مقابلہ میں ٹھہر سکتے، بالآخر لڑتے لڑتے

[1] طبری ج ۷، ص ۳۴۹، ۳۵۰۔

شہید ہو گئے، ان کی شہادت سے حضرت حسینؓ کا ایک اور بازو ٹوٹ گیا، اور آپ بہت شکستہ خاطر ہوئے، مگر کلمۂ صبر کے علاوہ زبان مبارک سے کچھ نہ نکلا، حر نے آقا کو غمگین دیکھا تو رجز پڑھتے ہوئے بڑھے، اور مشہور جان نثار زہیر بن قین کے ساتھ مل کر بڑی بہادری اور شجاعت سے لڑے، لیکن یہ بھی کب تک لڑتے، آخر میں کوفی پیادوں نے ہر طرف سے حر پر ہجوم کر دیا اور یہ پروانہ بھی شمع امامت پر سے فدا ہو گیا[1]

جان نثاروں کی آخری جماعت کی فدا کاری

اب ظہر کا وقت آخر ہو رہا تھا، لیکن کوفی نماز پڑھنے کے لیے بھی دم نہ لینے دیتے تھے، اس لیے امام نے صلوٰۃ خوف پڑھی، اور نماز کے بعد پھر پورے زور کے ساتھ جنگ شروع ہو گئی، اور اس گھمسان کا رن پڑا کہ کربلا کی زمین تھرا گئی کوفیوں کا ہجوم بڑھتے بڑھتے حضرت حسینؓ کے پاس پہنچ گیا، تیروں کی بارش پر ٹڈی دل کا گمان ہوتا تھا، مشہور جانباز حنفی امام کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے، اور جتنے تیر آئے سب مردانہ وار اپنے سینہ پر روکے، لیکن ایک انسان کب تک مسلسل تیر بازی کا ہدف بن سکتا تھا، بالآخر یہ بھی امام کی راہ میں سینہ چھلنی کر کے فدا ہو گئے، ان کے بعد زہیر بن قین کی باری آئی، یہ بھی داد شجاعت دیتے ہوئے اپنے پیشروؤں سے جا ملے، ان کے بعد نافع بن بلال بجلی جنھوں نے ۱۲ کوفیوں کو قتل کیا تھا، گرفتار کر کے شہید کیے گئے، اب حسینی لشکر کا بڑا حصہ آقائے نامدار پر سے فدا ہو چکا تھا، صرف چند جان نثار باقی رہ گئے تھے، جب انھوں نے دیکھا کہ شامی فوجوں کے مقابلہ میں زیادہ دیر تک ٹھہرنے کی طاقت باقی نہیں رہی تو یہ طے کر لیا کہ قبل اس کے کہ امام ہمام پر کوئی نازک وقت آئے سب کے سب آپ پر سے فدا ہو جائیں، چنانچہ تمام فدائی اہل بیت ایک ایک کر کے پروانہ وار بڑھنے لگے، اس

---

[1] طبری ج ۷، ص ۳۴۴ تا ۳۵۰

جماعت میں سب سے اول عبداللہ اور عبدالرحمن بڑھے، ان کے بعد دو نوجوان سیف بن حارث اور مالک بن عبد نکلے، اس وقت دونوں کی آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں جاری تھیں، امام نے پوچھا روتے کیوں ہو؟ عرض کی اپنی جان کے لیے نہیں روتے، رونا اس پر ہے کہ آپ کو چاروں طرف سے اعدا کے نرغے میں محصور دیکھتے ہیں، اور کچھ نہیں کر سکتے، خاتم دونوں کو متقیوں کی جیسی جزا دے۔ ان دونوں کے بعد حنظلہ بن شبامی نکلے اور کوفیوں کو سمجھایا کہ وہ حسینؓ کے خون بے گناہی کا وبال اپنے سر نہ لیں، لیکن اب اس قسم کی افہام و تفہیم کا وقت نہیں ختم ہو چکا تھا، حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ اب انھیں سمجھانا بے کار ہے آپ کے اس ارشاد پر حنظلہ آپ اور آپ کے اہل بیت پر صلوٰۃ و سلام بھیج کر رخصت ہوئے، اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، ان کے بعد سیف اور مالک دونوں نوجوانوں نے جانیں فدا کیں۔ ان کے بعد عابس بن ابی شبیب اور شوذب بڑھے۔ شوذب شہید ہوئے، لیکن عابس بہت مشہور بہادر تھے۔ ان کے مقابلہ میں کسی شامی کو آنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اس لیے ہر طرف سے ان پر سنگباری شروع کر دی، عابس نے ان کی یہ بزدلی دیکھی تو اپنی زرہ اور خود اتار کر پھینک دی، اور حملہ کر کے بے محابہ دشمن کی صفوں میں گھستے ہوئے چلے گئے اور انھیں درہم برہم کر دیا، لیکن تن تنہا ایک انبوہ کا مقابلہ آسان نہ تھا، اس لیے شامیوں نے انھیں بھی گھیر کر شہید کر دیا، اسی طریقہ سے عمرو بن خالد، جبار بن حارث، سعد، مجمع بن عبداللہ سب جان نثار ایک ایک کر کے فدا ہو گئے۔ اور تنہا سوید بن ابی المطاع باقی رہ گئے[1]۔

علی اکبر کی شہادت | جب سارے فدایانِ اہل بیت ایک ایک کر کے جام شہادت پی چکے،

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۶۱، ۶۲

دو نونہالان اہل بیت کے علاوہ اور کوئی جان نثار باقی نہ رہا، تو اہل بیت کرام کی باری آئی اور سب سے اول ریاض امامت کے گل تر خزانِ نبوی کے تابندہ اختر علی اکبر میدان میں آئے، اور تلوار چمکاتے اور یہ رجز

انا علی بن حسین بن علی	نحن و بیت اللہ اولیٰ بالنبی
میں حسینؓ ابن علی کا بیٹا علی ہوں	خانہ کعبہ کے رب کی قسم ہم نبی کے قریب کے زیادہ حقدار ہیں

تاللہ لا یحکم فینا ابن الدعی
خدا کی قسم نامعلوم باپ کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کرے گا

پڑھتے ہوئے بڑھے، آپ رجز پڑھ پڑھ کر حملہ کرتے تھے، اور بجلی کی طرح کوند کر نکل جاتے تھے، مرہ ابن منقذ تیمی آپ کی یہ برق رفتاری دیکھ کر بولا، اگر علیؓ اکبر میری طرف سے گذریں تو حسینؓ کو بے لڑکا بنا دوں، علی اکبرؓ ابھی کم سن تھے، جنگ و جدال کا تجربہ نہ تھا، مرہ کا طنز سنکر سیدھے اس کی طرف بڑھے، مرہ ایک جہاندیدہ اور آزمودہ کار تھا، جیسے ہی علی اکبرؓ اس کے پاس پہنچے اس نے تاک کر ایسا نیزہ مارا کہ جسم اطہر میں پیوست ہو گیا، نیزہ لگتے ہی شامی ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور اس گلبدن کے جسم کو جس نے پھولوں کی سیج پر پرورش پائی تھی ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیئے ان کی جان نثار پھوپھی جنھوں نے بڑے نازوں سے ان کو پالا تھا خیمہ کے روزن سے یہ قیامت خیز نظارہ دیکھ رہی تھیں، چہیتے بھتیجے کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھ کر بیتاب ہو گئیں یارائے ضبط باقی نہ رہا، اور یا ابن اخاہ کہتی ہوئی خیمہ سے باہر نکل آئیں اور بھتیجے کی لاش کے ٹکڑوں پر گر پڑیں، ستم رسیدہ بھائی حسینؓ نے دکھیاری بہن کا ہاتھ پکڑ کے خیمہ کے اندر کیا کہ ابھی وہ زندہ تھے اور مخدراتِ عصمت مآب پر غیر محرموں کی نظر پڑنے کا وقت نہیں آیا تھا، بہن کو خیمہ میں پہنچانے کے بعد علی اکبرؓ کی لاش اور اپنے تن... جگر کے ٹکڑوں کو بھائیوں کی

مدد سے اٹھوا کر لائے اور خیمہ کے سامنے لٹا دیا۔[1]

یہ بھی عجیب بے کسی کا عالم تھا، تمام اعزہ واقربا شہید ہو چکے ہیں، ایک طرف جاں نثاروں کی تڑپتی ہوئی لاشیں ہیں، دوسری طرف جواں مرگ بیٹے علی اکبرؓ کا پاش پاش بدن ہے، تیسری طرف زینب خستہ حال پر غش طاری ہے۔ اس بیکسی کے عالم میں کبھی علی اکبرؓ کی لاش کو دیکھتے ہیں، اور کبھی آسمان کی طرف نظر اٹھاتے ہیں کہ آج تیرے ایک وفادار بندہ نے تیری راہ میں سب سے بڑی نذر پیش کر کے سنت ابراہیمی پوری کی ہے، تو اسے قبول فرما، لیکن اسوقت بھی زبان پر صبر وشکر کے علاوہ حرف شکایت نہیں آتا کہ

من ازیں درد گراں مایہ چہ لذت یابم — کہ بہ اندازۂ آں صبر وثباتم دادند

خاندان بنی ہاشم کے نونہالوں کی شہادت

حضرت علی اکبرؓ کی شہادت کے بعد مسلم بن عقیل کے صاحبزادے عبداللہ میدان میں آئے، ان کے نکلتے ہی عمرو بن صبیح صیداوی نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ یہ تیر، تیر قضا ہو گیا۔ ان کے بعد جعفر طیارؓ کے پوتے عدی نکلے، انھوں نے بھی عمرو بن نہشل کے ہاتھوں جام شہادت پیا۔ پھر عقیلؓ کے صاحبزادے عبدالرحمن میدان میں گئے ان کو عبداللہ بن عروہ نے تیر کا نشانہ بنایا۔ بھائی کو نیم بسمل دیکھ کر محمد بن عقیل بے تحاشا نکل پڑے، لیکن لقیط بن ناشر نے ایک ہی تیر میں ان کا بھی کام تمام کر دیا، ان کے بعد حضرت حسنؓ کے صاحبزادے قاسم میدان میں آئے، یہ بھی عمرو بن سعد بن نفیل کے ہاتھوں شہید ہوئے، قاسم کے بعد ان کے دوسرے بھائی ابوبکر نے عبداللہ بن عقبہ کے ہاتھوں جام شہادت پیا، امام کے سوتیلے بھائی حضرت عباسؓ نے جب دیکھا کہ جو نکلتا ہے وہ سیدھا حوض کوثر پہنچتا ہے، اور عنقریب برادر بزرگ تن تنہا ہونے والے ہیں، تو بھائیوں سے کہا کہ آقا کے

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۵۷

سامنے سینہ سپر ہو جاؤ، اور ان پر اپنی جانیں فدا کردو، اس آواز پر تینوں بھائی عبد اللہؓ، جعفرؓ اور عثمانؓ حضرت حسینؓ کے سامنے دیوار آہن بنکر جم گئے، اور تیروں کی بارش کو اپنے سینوں پر روکنے لگے، اور زخموں سے خون کا فوارہ چھوٹنے لگا تھا، لیکن انکی جبین شجاعت پر شکن تک نہ آتی تھی آخر میں ہانی بن ثوبیت نے عبد اللہ اور جعفر کو شہید کر کے اس دیوار آہن کو بھی توڑ دیا، اور تیسرے بھائی عثمان کو زید اصبحی نے تیر کا نشانہ بنایا، تینوں بھائیوں کے بعد اب صرف تنہا عباسؓ باقی رہ گئے تھے، یہ بڑھکر حضرت حسینؓ کے سامنے آگئے، اور چاروں طرف سے آپکو بچانے لگے، اور اسی ناموس اکبر کی حفاظت میں جان دی[1]، عباسؓ کے بعد اہل بیت میں خود امام ہمامؓ اور عابد بیمار کے علاوہ کوئی باقی نہ رہ گیا،

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار | اللہ اللہ نیرنگی دہر اور انقلاب زمانہ کا کیسا عجیب اور کیسا عبرتناک منظر ہے، کہ جس کے نانا کے گھر کی پاسبانی ملائکہ کرتے تھے، آج اس کا نواسہ بے برگ و نوا، بے یار و مددگار کربلا کے دشت غربت میں کھڑا ہے، اور روئے زمین پر خدا کے علاوہ اس کا کوئی حامی و مددگار نہیں، غزوۂ بدر میں جس کے نانا کی حفاظت کے لیے آسمان سے فرشتے اترے تھے، آج اس کے نواسہ کو ایک انسان بھی محافظ نہیں ملتا۔ ایک وہ وقت تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے، دشمنان اسلام کی ساری قوتیں پاش پاش ہو چکی تھیں، رحمت عالمؐ کے دامن عفو و کرم کے علاوہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ باقی نہ رہ گئی تھی، اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ابو سفیان جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ بغض و عداوت اور دشمنی اور کینہ توزی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، بے بس و

[1] اخبار الطوال ص ۲۶۸

لاچار دربارِ رسالتؐ میں حاضر کیے گئے تھے، ایک طرف ان کے جرائم کی طویل فہرست تھی۔ دوسری طرف رحمۃ للعالمینؐ کی شانِ رحمت و کرم، تاریخ کو معلوم ہے کہ سرکارِ رسالتؐ سے اس سنگین اور اشتہاری مجرم کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا تھا۔ قتل کی دفعہ عائد نہیں کی گئی، جلاوطنی سزا تجویز نہیں ہوئی، قیدخانہ کی چاردیواری میں بند نہیں کیا گیا بلکہ "من دخل دار ابی سفیان فھو آمن" جو شخص ابی سفیان کے گھر میں چلا جائے، اس کا جان و مال محفوظ ہے۔" کے اعلانِ کرم سے نہ صرف تنہا ابوسفیانؓ کی جان بخشی فرمائی گئی بلکہ انکے گھر کو جس میں بارہا مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہو چکی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے منصوبے ہو چکے تھے دارالامن بنا کر "وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین" کی عملی تفسیر فرمائی گئی،

ایک طرف یہ رحمت، یہ عفو و کرم اور یہ درگذر تھا، دوسری طرف ٹھیک باون۵۲ برس کے بعد زمانہ کا رخ بدلتا ہے، اور ایک دوسرا منظر پیش کرتا ہے، ایک طرف ان ہی ابوسفیانؓ کے پوتے (عبید اللہ بن زیاد) کی طاغوتی طاقتیں ہیں، اور دوسری طرف رحمۃ للعالمینؐ کی ستم رسیدہ اولاد ہے، نبوت کا سارا کنبہ ابوسفیانؓ کی ذریات کے ہاتھوں تہِ تیغ ہو چکا ہے کربلا کا میدان اہلِ بیت کے خون سے لالہ زار بنا ہوا ہے، جگر گوشۂ رسول کی آنکھوں کے سامنے گھر بھر کی لاشیں تڑپ رہی ہیں، اعزہ کے قتل پر آنکھیں خون بار ہیں، بھائیوں کی شہادت پر سینہ وقفِ ماتم ہے، جوان مرگ لڑکوں اور بھتیجوں کی موت پر دل فگار ہے لیکن اس حالت میں بھی وحوش و طیور تک کے لیے امان ہے، لیکن جگر گوشۂ رسولؐ کے لیے امان نہیں اور آج وہی تلواریں جو مکہ میں مفتوحانہ ٹوٹ چکی تھیں، دشتِ کربلا میں خونِ ناب اہلِ بیت کا خون پی کر بھی سیر نہیں ہوئیں، اور حسینؓ کے خون کی پیاس میں نیام سے باہر جاتی ہیں، لیکن پیکرِ صبر و رضا حسینؓ اس حالت میں بھی راضی برضا ہیں، وہ نہ بے بسی میں

کبھی جادۂ مستقیم سے پاؤں نہیں ڈگمگاتے،

سنا ہوگا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع شروع میں اسلام کی دعوت شروع کی تو کفارِ مکہ آپ کے چچا ابوطالب کے پاس جو آپ کے کفیل تھے، آئے اور کہا تمھارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے، ہمارے آباو اجداد کو گمراہ کہتا ہے، ہم کو احمق ٹھہراتا ہے، اس لیے یا تو بیچ سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے، اس پر ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھایا کہ جانِ عم! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈالو کہ میں اٹھا نہ سکوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے ابوطالب تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پائے ثبات میں لغزش دیکھی، تو آبدیدہ ہو کر فرمایا" خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے ہاتھ میں ماہتاب لاکر رکھ دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا، یا خدا اس کام کو پورا کریگا یا میں خود اس پر سے نثار ہو جاؤں گا[1]"

اس جواب کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر بدستور دعوتِ اسلام میں مصروف ہو گئے، اور قریش نے اس کے جواب میں آپ کو سخت سے سخت اذیتیں پہنچانا شروع کیں، لیکن اس راہ کے کانٹے آپ کے لیے پھول تھے، اس لیے یہ تکلیفیں بھی آپ کو دعوتِ اسلام سے نہ روک سکیں، قریش نے اپنی محدود نظر کے مطابق قیاس کیا تھا کہ محمدؐ کو نام و نمود اور جاہ و حشم کی خواہش ہے، چنانچہ ان کا ایک نمایندہ عتبہ بن ربیعہ ان کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور کہا محمدؐ کیا چاہتے ہو، کیا مکہ کی ریاست؟ کیا کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب کچھ تمھارے لیے مہیا کر سکتے ہیں، اور اس پر

---

[1] ابن ہشام ج اول ص ۱۳۹،

بھی راضی ہیں کہ ملک تمھارے زیر فرمان ہوجائے، لیکن تم ان باتوں سے باز آجاؤ، لیکن ان سب ترغیبات کے جواب میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی[۱]

قل ائنکم لتکفرون بالذی	اے محمد ان لوگوں سے کہدو کہ تم لوگ خدا
خلق الارض فی یومین و	کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین
تجعلون لہ انداداً ذالک	پیدا کی اور اسکا مقابل ٹھہراتے ہو، یہ خدا
رب العلمین (حمٰ سجدہ-۲)	سارے جہان کا پروردگار ہے۔

آج باون ۵۲ برس کے بعد حضرت حسینؓ پھر اسی اسوۂ نبویؐ کو زندہ کرتے ہیں اور امت مسلمہ کو حق و صداقت، عزم و استقلال، اور ایثار و قربانی کا سبق دیتے ہیں، اور نا انصاف، حدود اللہ اور سنت رسول اللہ کو پامال کرنے والی، خلق خدا کو اپنی ظالمانہ حکومت کا نشانہ بنانے والی اور محرمات الٰہی کو رسوا کرنے والی حکومت کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں، اور بہ بانگ دہل اعلان فرماتے ہیں کہ "لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ظالم، محرمات الٰہی کو حلال کرنے والے، خدا کے عہد کو توڑنے والے، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والے خدا کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور قولاً و عملاً اسکو بدلنے کی کوشش نہ کی تو خدا کو حق ہے کہ اس شخص کو اس ظالم بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کرے، آگاہ ہوجاؤ ان لوگوں نے شیطان کی حکومت قبول کی ہے، اور رحمٰن کی اطاعت چھوڑدی ہے، ملک میں فساد پھیلادیا ہے، حدود اللہ کو بیکار کردیا ہے، مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں، خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کردیا ہے، اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کردیا ہے، اس لیے مجھے اس کے بدلنے کا حق ہے"[۲]

---

[۱] بعض روایتوں میں اوپر کی آیات ہیں اور بعض میں حمٰ سجدہ کی ابتدائی آیات ہیں [۲] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۰

آج بھی حق و صداقت کی آواز کو خاموش کرنے کے لیے یہ ترغیب دلائی جاتی ہے، کہ حسینؓ تم اپنے بنی عم (یزید) کی اطاعت قبول کر لو، جو کچھ تم چاہتے ہو، اس کو وہ پورا کریں گے اور ان کی جانب سے تمھارے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہ ہوگا، لیکن حضرت حسینؓ جواب دیتے ہیں کہ خدا کی قسم میں ذلیل آدمی کی طرح اُن کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر غلام کی طرح اقرار نہ کروں گا، یہ جواب دیکر یہ آیت تلاوت فرماتے ہیں[1]،

انی عذت بربی وربکم ان	میں نے اپنے اور تمھارے رب سے پناہ
ترجمون انی عذت بربی	مانگی ہے کہ تم مجھے سنگسار کرویں اپنے
وربکم من کل متکبر لایومن	اور تمھارے رب سے ہر مغرور متکبر سے جو یوم آخرت
بیوم الحساب	پر ایمان نہیں رکھتا پناہ مانگی ہے،

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ واھل بیتی کا یہی مقصد تھا،

آفتاب امامت کی شہادت اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ تمام نوجوانان اہل بیت شہید ہو چکے ہیں، اور اب اس خانوادۂ نبوت میں سوائے عابد بیمار اور امام خستہ تن کے کوئی باقی نہیں ہے، لیکن سنگدل شامی اس نوبت کے بعد بھی امام ہمام کو چھوڑنے والے نہ تھے، چنانچہ بالآخر وہ قیامت خیز ساعت بھی آگئی کہ فلکِ امامت کا آفتاب میدانِ جنگ کے افق پر طلوع ہوا، یعنی حضرت حسینؓ شامی فوج کی طرف بڑھے، ابن زیاد کے حکم کے مطابق ساتویں محرم سے حسینی لشکر پر پانی بند کر دیا گیا تھا۔ جب تک عباس علمدار زندہ تھے جان پر کھیل کر پانی لے آتے تھے۔ لیکن ان کے بعد ساقی کوثر کے نواسہ کو کوئی پانی دینے

[1] طبری ج ۷، ص ۳۳۰،

والا بھی باقی نہ تھا، اہل بیت کے خیموں میں جو پانی تھا وہ ختم ہو چکا تھا، اور امام کے لب
خشک تھے، حلق سوکھ رہا تھا، اعزہ کے قتل سے دل فگار ہو رہا تھا، ایک بوند پانی تک نہ تھا
اس لیے کوفیوں کے لیے آپ کا کام تمام کر دینا آسان تھا، لیکن وہ لاکھ سنگدل اور جفا پیشہ
سہی، پھر بھی مسلمان تھے، اس لیے جگر گوشۂ رسولؐ کے خون کا بار عظیم اپنے سر نہ لینا چاہتے
تھے۔ ہمت کرکے بڑھتے تھے، لیکن جرأت نہ پڑتی تھی، ضمیر ملامت کرتا تھا، اور پلٹ جاتے
تھے۔[1] حضرت حسینؓ کی پیاس لحظہ بہ لحظہ زیادہ بڑھتی جاتی تھی، آخر میں آپ نے رہوار کو
فرات کی طرف موڑا کہ ذرا حلق نم کرکے کانٹے دور کریں، لیکن کوفیوں نے روک دیا، یہی
تشنہ لب ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند آدمیوں کے ساتھ کہیں تشریف
لیے جا رہے تھے کہ حسینؓ کے رونے کی آواز کانوں میں آئی، جلدی سے گھر گئے، اور پوچھا
میرے بیٹے کیوں رو رہے ہیں، فاطمہؓ نے کہا پیاسے ہیں، اتفاق سے اس وقت پانی
نہ تھا، لوگوں سے پوچھا لیکن کسی کے پاس نہ نکلا تو آپ نے یکے بعد دیگرے دونوں کو
اپنی زبان مبارک چسا کر ان کی تشنگی فرو کی۔[2]

یہ وہی رحمت عالمؐ کا تشنہ لب نواسہ ہے کہ جب مکہ میں خشک سالی ہوتی تھی،
فصلیں تباہ ہونے لگتی تھیں، سبزہ سوکھ جاتا تھا، اور مخلوق بھوکوں مرنے لگتی تھی، تو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابو سفیان آتے تھے اور کہتے تھے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو، تمہاری قوم خشک سالی سے ہلاک ہوئی
جا رہی ہے، خدا سے پانی کی دعا کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس سب سے بڑے دشمن کی
درخواست پر پانی کے لیے دعا فرماتے تھے، دفعۃً ابر اٹھتا تھا، اور سات دن تک مسلسل اس شدت

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۶۴، ۲۶۵ [2] مستدرک حاکم فضائل حسینؓ

کی بارش ہوتی تھی کہ جل تھل ہوجاتا تھا[1]

لیکن آج باون برس کے بعد اسی رحمت عالم اور دوست و دشمن کو سیراب کرنے والے کا نواسہ ایک قطرہ پانی کے لیے ترستا ہے، اور انہی ابوسفیان کی ذریات کے حکم سے پانی کی ایک بوند اس کے خشک حلق تک نہیں پہنچنے پاتی، آہ! صاحب اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَر کا نواسہ اور یوں تشنہ کام ہے ع

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

آخر جب پیاس کی شدت ناقابل برداشت ہوگئی تو پھر ایک مرتبہ نرغۂ اعدا سے نکل کر فرات کی طرف بڑھے اور ... تک پہنچ گئے، پانی لیکر پینا چاہتے تھے کہ حصین بن نمیر نے ایسا تیر مارا کہ دہن مبارک سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا، آپ نے چلو میں پانی لیکر آسمان کی طرف اچھالا کہ اے بے نیاز لالہ گوں منظر تو بھی دیکھ لے کہ

بجرم عشق توام میکشند غوغائیست　　　تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

چنانچہ خون کی نذر پیش کرکے فرمایا کہ خدایا جو کچھ تیرے نبی کے نواسہ کے ساتھ کیا جارہا ہے، اس کا شکوہ تجھی سے کرتا ہوں کہ مبادا ع

خونِ شہ ریزی و گوئید سزاوار نبود؟

جس قدر امام نڈھال ہوتے جاتے تھے شامیوں کی جسارت زیادہ بڑھتی جاتی تھی چنانچہ جب انہوں نے دیکھا کہ امام میں اب مقاومت باقی نہیں تو آپ اور آپ کے خیموں کی طرف بڑھے، حضرت حسین نے آواز دی، ابوسفیان کے خاندان کے ہوا خواہو! اگر تمہارا کوئی دین و ایمان نہیں ہے، تمہارے دلوں سے قیامت کا خوف بالکل جاتا رہا، تو شریفوں اور

---

[1] بخاری ج اول الجزء الاستسقاء، ص ۱۳۷ ،

جاہلوں کو میرے اہل بیت کی طرف جانے سے روکو، لیکن امام مظلوم کی فریاد کوئی نہ سنتا تھا، بلکہ آپ کی فریاد پر اُن کی شقاوت اور بڑھتی جاتی تھی، اور شمر لوگوں کو برابر ابھار رہا تھا، اس کے ابھارنے پر یہ شوریدہ بخت ہر طرف سے ٹوٹ پڑے، شمشیرِ حسینی ان بادلوں کو ہوا کی طرح اڑا دیتی تھی مگر ایک خستہ دل، خستہ جگر، اور زخموں سے چور ہستی میں سکت ہی کیا باقی تھی، یہ بھی حسین رض ہی کا دل تھا کہ اب تک دشمنوں کے بے پناہ ریلے کو روکے ہوئے تھے، لیکن تابکے، بالآخر وہ وقت آ گیا کہ ماہِ خلافت کو شامیوں نے نرغہ کے تاریک بادلوں میں گھیر لیا، امام کو محصور دیکھ کر اہل بیت کے خیمہ سے ایک بچہ دوڑتا ہوا نکل آیا، اور بحیر بن کعب سے جو حضرت حسین رض کی طرف بڑھ رہا تھا، معصومانہ انداز سے کہا، خبیث عورت کے بچے میرے چچا کو قتل کرے گا، ہاشمی بچہ کی اس ڈانٹ پر اس بزدل نے بچہ پر تلوار کا وار کیا، بچہ نے ہاتھ پر روکا، نازک نازک ہاتھ دیو ہیکل کا وار کس طرح روکتے۔ ہاتھ جھول گیا حضرت حسین رض نے بچہ کو نیم بسمل دیکھ کر سینہ سے چمٹا لیا، اور فرمایا، بیٹا صبر کرو، عنقریب خدا تم کو تمہارے اجداد سے ملا دیگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رض، حمزہ رض، جعفر رض اور حسن رض کے پاس پہونچ جاؤ گے، بچہ کو تسلی دیکر ابن اسد اللہ الغالب رض پھر حملہ آور ہوئے، اور جدھر رخ کر دیا دشمنوں کی صفیں درہم برہم کر دیں۔

میدانِ کربلا میں قیامت بپا تھی، ہر طرف تلواروں کی چمک سے بجلی تڑپ رہی تھی، کہ دفعتہً مالک بن نسیر کندی نے دوشِ نبوی ص کے شہسوار پر ایسا وار کیا کہ تلوار کلاہ مبارک کو کاٹتی ہوئی کاسہ سر تک پہنچ گئی، خون کا فوارہ چھوٹ نکلا، اور سارا بدن خون کے چھینٹوں سے لالۂ احمر ہو گیا، پیراہن مبارک کی رنگینی پکار اٹھی ؎

خرّما سوختہ اند اہلِ بہشت از غیرت ۔۔۔ تا شہیدانِ تو گلگوں کفنے ساختہ اند

لے ابن اثیر ج ۴، ص ۶۶ ۔ ۵ طبری ج ۷، ص ۳۶۴ ،

لیکن اس وقت بھی امام ہمام کے صبر و سکون میں فرق نہ آیا، دوسری ٹوپی منگا کر زخمی فرقِ مبارک پر رکھی، اور اس پر سے عمامہ باندھا، اور شیر خوار بچہ کو بلا کر گود میں لیا کہ اسکے بعد پدری شفقت کا سایہ سر سے اٹھنے والا تھا، کسی سنگدل نے ایسا تیر مارا کہ بچہ گود میں تڑپ کر رہ گیا[۱]۔

جاں نثار بہن یہ قیامت خیز منظر دیکھ کر خیمہ سے نکل آئیں، اور چلاتی ہوئی دوڑیں کہ کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑتا، ابن سعد حضرت حسینؓ کے پاس کھڑا ہوا تھا، اس سے کہنے لگیں، عمر! کیا قیامت ہے، ابو عبد اللہ قتل کیے جا رہے ہیں اور تم دیکھ رہے ہو، گو ابن سعد کی آنکھوں میں جاہ و حشم کی طمع نے پردے ڈال دیے تھے، پھر بھی عزیز تھا، خون میں محبت تھی، زینبؓ کی فریاد سنکر بے اختیار رو دیا، اور اتنا رویا کہ رخسار اور داڑھی پر آنسوؤں کی لڑی رواں ہو گئی، اور فرطِ خجالت سے زینبؓ کی طرف سے منہ پھیر لیا[۲]۔

امام ہمام لڑتے جاتے تھے، اور فرماتے جاتے تھے "آج تم لوگ میرے قتل کے لیے جمع ہوئے ہو، خدا کی قسم میرے بعد کسی ایسے شخص کو قتل نہ کرو گے جس کا قتل میرے قتل سے زیادہ خدا کی ناراضی کا موجب ہوگا، خدا تم کو ذلیل کر کے مجھے اعزاز بخشے گا، اور تم سے اس طرح بدلہ لے گا کہ تمھیں خبر تک نہ ہوگی، خدا کی قسم اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو خدا تم پر سخت عذاب نازل فرمائے گا، اور تم میں باہم خون ریزی کرائے گا، اور جب تک تم پر دونا عذاب نہ کرے گا، اس وقت تک راضی نہ ہوگا[۳]"

---

[۱] اخبار الطوال ص ۲۶۹ یہ اخبار الطوال کا بیان ہے، یعقوبی کا بیان ہے کہ میدان کربلا میں ایک بچہ پیدا ہوا تھا، اذان کے لیے امام کے پاس لایا گیا، کسی نے امام پر تیر چلایا، اتفاق سے وہ آپ کے بجائے بچہ کے حلق میں آ لگا، اور اس معصوم نے دنیا میں آنکھ کھولتے ہی بند کر لی، یعقوبی ج ۲ ص ۲۹۰ [۲] طبری جلد ۷ ص ۳۶۵ [۳] ابن اثیر ج ۴ ص ۶۷

حضرت حسینؓ کی حالت لمحہ بہ لمحہ غیر ہوتی جاتی تھی۔ زخموں سے سارا بدن چور ہو چکا تھا لیکن کسی کو شہید کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ وہ سب اس جبلی معصیت کو ایک دوسرے پر ٹال رہے تھے۔ شمر یہ تذبذب دیکھ کر پکارا، تمہارا برا ہو۔ تمہاری مائیں تم کو روئیں، دیکھتے کیا ہو؟ بڑھ کر حسینؓ کو قتل کر دو۔ اس للکار پر شامی چاروں طرف سے امام ہمام پر ٹوٹ پڑے۔ ایک شخص نے تیر مارا، تیر گردن پر آکر بیٹھ گیا۔ امام نے اس کو ہاتھوں سے نکال کر الگ کیا۔[1] ابھی آپ نے تیر نکالا ہی تھا کہ زرعہ بن شریک تمیمی نے بائیں ہاتھ پر تلوار ماری۔ پھر گردن پر وار کیا۔ ان پیہم زخموں نے امام کو بالکل نڈھال کر دیا۔ اعضا جواب دے گئے۔ اور کھڑے ہونے کی طاقت باقی نہ رہی۔ آپ اٹھتے تھے، اور سکت نہ پاکر گر پڑتے تھے۔ عین اسی حالت میں سنان بن انس نے کھینچ کر ایسا کاری نیزہ مارا کہ فلک امامت زمین بوس ہو گیا۔ سنگ دل اور شقی ازلی خولی بن یزید سر کاٹنے کے لیے بڑھا، لیکن ہاتھ کانپ گئے، تھرا کے پیچھے ہٹ گیا۔ اور سنان بن انس نے اس سر کو جو بوسہ گاہ سرورِ کائنات تھا جسمِ اطہر سے جدا کر لیا۔[2] اور ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ مطابق ستمبر ۶۸۰ء میں خانوادۂ نبویؐ کا آفتابِ ہدایت ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔ اس شقاوت اور سنگدلی پر زمین کانپ اٹھی۔ عرش الہٰی تھرا گیا۔ ہوا خاموش ہو گئی، پانی کی روانی رک گئی، آسمان خون رویا، زمین سے خون کے چھینٹے چھوٹے، شجر و حجر سے نالہ و شیون کی صدائیں بلند ہوئیں، جن و انس نے سینہ کوبی کی، ملائکہ آسمانی میں صفِ ماتم بچھی کہ آج ریاضِ نبویؐ کا گلِ سرسبد مرجھا گیا، علیؓ کا چمن اجڑ گیا اور فاطمہؓ کا گھر بے چراغ ہو گیا۔

چون خون ز حلقِ تشنۂ او بر زمین رسید   جوش از زمین بذرۂ عرشِ برین رسید

---

[1] اخبار الطوال ۲۵۹ [2] طبری و اخبار الطوال حوالہ مذکور۔

نخلِ بلندِ او چو خساں بر زمیں زدند — طوفاں بآسماں ز غبارِ زمیں رسید

باد آں غبار چوں بمزارِ نبیؐ رساند — گرد از مدینہ بر فلکِ ہفتمیں رسید

گرد ایں خیال وہم غلط کرد کاں غبار — تا دامنِ جلالِ جہاں آفریں رسید

ہست از ملال گرچہ بری ذاتِ ذوالجلال

او در دلست و ہیچ دلے نیست بے ملال

ستم بالائے ستم | امام ہمام کو شہید کرنے کے بعد بھی سنگدل اور خونی شامیوں کا جذبۂ عناد فرو نہ ہوا، اور شہادت کے بعد وحشی شامیوں نے اس جسدِ اطہر کو جسے رسولؐ نے اپنے جسدِ مبارک کا ٹکڑا فرمایا تھا، گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا، اس بیمانہ شقاوت کے بعد لٹیرے پردہ نشینانِ عفاف کے خیموں کی طرف بڑھے اور اہلِ بیت کا کل سامان لوٹ لیا، ابھی خانوادۂ نبویؐ میں ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ (عابد بیمار) باقی تھا جس وقت شمر ان کے خیمہ کی طرف آیا، اسوقت زین العابدینؓ بیمار تھے، سپاہی بولے اس کو کیوں چھوڑتے ہو؟ ایک شخص حمید بن مسلم کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا، اس نے کہا سبحان اللہ ابھی وہ کمسن ہیں، کمسنوں کو بھی قتل کرو گے[1]، ابھی یہ سپاہیوں کو سمجھا رہا تھا کہ عمرو بن سعد آگیا، اس نے کہا خبردار کوئی شخص خیموں میں نہ جائے، اور نہ اس بیمار کو ہاتھ لگائے جس نے جو کچھ لوٹا ہو، سب واپس کردے عمرو بن سعد کے اس کہنے پر سپاہیوں نے ہاتھ روک لیا، حضرت عابدؓ پر اس برتاؤ کا بڑا اثر پڑا، آپ نے اس کا شکریہ ادا کیا، لیکن لوٹا ہوا مال کسی نے واپس نہ کیا،[2]

شہدائے بنو ہاشم کی تعداد اور انکی تجہیز و تکفین | حضرت حسینؓ کے ساتھ بہتر[3] آدمی شہید ہوئے، ان

---

[1] یہ صحیح نہیں کہ امام زین العابدین کمسن بچے تھے، بروایت صحیح اسوقت انکی عمر ۲۳ یا ۲۴ سال تھی لیکن اسوقت بیمار تھے اس لیے جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۳ [2] طبری ج ۷ ص [illegible]

میں بیس[20] آدمی خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے،

حسین[1] بن علیؓ، عباس[2] بن علیؓ، جعفر[3] بن علیؓ، عبداللہ[4] بن علیؓ، عثمان[5] بن علیؓ، محمد[6] بن علیؓ، ابوبکر[7] بن علیؓ، علی[8] بن حسین بن علیؓ (علی اکبرؓ) عبداللہ[9] بن حسینؓ، ابوبکر[10] بن حسن، عبداللہ[11] بن حسنؓ، قاسم[12] بن حسنؓ، عون[13] بن عبداللہ بن جعفر طیار، محمد[14] عبداللہ بن جعفرؓ، جعفر[15] بن عقیل بن ابی طالبؓ، عبدالرحمن[16] بن عقیل، عبداللہ[17] بن عقیل، مسلم[18] بن عقیلؓ، عبداللہ[19] بن مسلم بن عقیلؓ، محمد[20] بن ابو سعید بن عقیلؓ

امام کی شہادت کے بعد اہل بیت نبویؐ میں زین العابدینؓ، حسن بن حسنؓ، عمرو بن حسنؓ اور کچھ شیر خوار بچے باقی رہ گئے تھے زین العابدینؓ بیماری کیوجہ سے چھوڑ دیے گئے، اور بچے شیر خواری کیوجہ سے بچ گئے۔

تجہیز و تکفین شہادت کے دوسرے یا تیسرے دن غاضریہ کے باشندوں نے شہدائے کی لاشیں دفن کیں حضرت حسینؓ کا لاشہ بے سر کے دفن کیا گیا، سر مبارک ابن زیاد کے ملاحظہ کے لیے کوفہ بھیجدیا گیا تھا، ابن زیاد کے سامنے جب سر پیش ہوا تو چھڑی سے لب اور دندانِ مبارک کو چھیڑنے لگا۔ حضرت زید بن ارقم بھی موجود تھے، ان سے یہ نظارہ نہ دیکھا گیا، فرمایا، چھڑی ہٹالو، خدائے واحد کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک کو ان لبوں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے، یہ کہکر بے اختیار رو دیے۔ ابن زیاد بولا، خدا تیری آنکھوں کو ہمیشہ رلائے، اگر تو بڈھا پھوس نہ ہوتا، اور تیرے حواس جاتے نہ رہے ہوتے تو تیری گردن اڑا دیتا۔ ابن زیاد کے یہ گستاخانہ کلمات سنکر آپ نے فرمایا "قوم عرب آج سے تم نے غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیا، تم نے ابن مرجانہ کے کہنے سے حسینؓ بن فاطمہؓ کو قتل کر دیا، ابن مرجانہ نے تمھارے بھلے آدمیوں کو قتل کیا، اور برے لوگوں کو غلام بنایا، اور تم نے یہ ذلت گوارا کرلی اس لیے ذلیلوں سے دور رہنا بہتر ہے" یہ کہہ کر اس کے پاس سے چلے گئے[1]

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۶۹، ۷۰۔

اہل بیت کا سفر کوفہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد تمام اہل بیت کو کربلا سے کوفہ لے چلے، اس وقت تک شہداء کی لاشیں اسی طرح بے گور و کفن پڑی ہوئی تھیں، اہلبیت کا یہ ستم رسیدہ اور لٹا ہوا قافلہ اسی راستہ سے گذرا، جب ان بے گور و کفن لاشوں پر عورتوں کی نظر پڑی تو قافلہ میں ماتم بپا ہو گیا، حضرت حسینؓ کی بہن اور صاحبزادیوں نے سر پیٹ لیے، زینبؓ رو رو کر کہتی تھیں کہ

اے محمد گر قیامت سر برون آری ز خاک

سر برون آر و قیامت در میان خلق بین

اے نانا جان محمدؐ جن پر ملائکۂ آسمانی درود و سلام بھیجتے ہیں، یہ دیکھیے حسینؓ کا لاشہ چٹیل میدان میں اعضا بریدہ خاک و خون میں آلودہ پڑا ہے، آپ کی لڑکیاں قید ہیں، آپ کی ذریت مقتول پڑی ہوئی ہے، جس پر خاک اڑ رہی ہے، یہ دردناک بین سن کر دوست دشمن سب رو دیے۔

اسی طریقہ سے یہ قافلہ کوفہ لے کر ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا، اس وقت زینبؓ ننگے پاؤں، نہایت خراب لباس میں، نہایت حقیر حیثیت میں لونڈیوں کے حلقہ میں تھیں، ابن زیاد نے اس زبوں حالت میں دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ زینبؓ نے کوئی جواب نہ دیا، اس کے مکرر سہ کرر سوال پر ایک لونڈی نے کہا، یہ زینب بنت فاطمہؓ ہیں، یہ سنکر اس بدبخت نے کہا خدا کا شکر ہے جس نے تم کو رسوا کیا، تمہیں قتل کیا، اور تمہاری باتوں کو جھوٹا ثابت کیا، زینبؓ نے جواب دیا، "تیرا خیال غلط ہے، خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہم کو محمدؐ سے عزت دی اور ہم کو پاک کیا، ہم نہیں بلکہ فاسق (ابن زیاد) رسوا ہوگا اور فاجر جھٹلایا جائے گا (یعنی تو)" ابن زیاد بولا "تم نے دیکھا خدا نے تمہارے اہل بیت کے ساتھ کیسا سلوک کیا" زینبؓ نے جواب دیا ان کی قسمت

میں شہادت مقدر ہو چکی تھی، اس لیے وہ مقتل میں آئے، اور عنقریب وہ اور تم خدا کے روبرو جمع ہو گے، اس وقت وہ اس کے سامنے اس کا انصاف طلب کریں گے" یہ دندان شکن جوابات سنکر ابن زیاد غصہ سے بے تاب ہو کر بولا "خدا نے تمھارے اہل بیت کے سرکش، و نافرمان آدمی سے میرا غصہ ٹھنڈا کر دیا" شہید بھائی پر یہ چوٹ سنکر زینب رضہ ضبط نہ کر سکیں اور رو کر کہنے لگیں: "میری عمر کی قسم تم نے ہمارے ادھیڑوں کو قتل کیا، ہمارے گھر والوں کو نکالا، ہماری شاخوں کو کاٹا، اور ہماری جڑ کو اکھاڑا، اگر اسی سے تمھاری تسکین ہوتی تو ہو گئی" ابن زیاد زینب رضہ کے یہ بیباکانہ جوابات سنکر بولا: یہ جرأت اور یہ شجاعت! میری عمر کی قسم تمھارے باپ بھی شجاع تھے، زینب رضہ بولیں، عورتوں کو شجاعت سے کیا تعلق۔

اس کے بعد زین العابدین رضہ پر اس کی نظر پڑی، پوچھا، تمھارا کیا نام ہے جواب دیا علی بن حسین رضہ، نام سنکر کہنے لگا، کیا خدا نے علی بن حسین رضہ کو قتل نہیں کیا؟ زین العابدین رضہ خاموش رہے، ابن زیاد نے کہا بولتے کیوں نہیں؟ فرمایا میرے دوسرے بھائی کا نام بھی علی تھا، وہ قتل ہوئے، ابن زیاد نے کہا ان کو خدا نے قتل نہیں کیا، زین العابدین رضہ پھر چپ ہو گئے، ابن زیاد نے پھر پوچھا چپ کیوں ہو؟ انھوں نے جواب میں یہ آیت تلاوت کی،

اللہ یتوفی الانفس حین	اللہ ہی نفسوں کو موت دیتا ہے جب انکی
موتھا وما کان لنفس ان	موت کا وقت آتا ہے اور کسی نفس میں یہ مجال
تموت الا باذن اللہ	نہیں کہ بغیر اذن خداوندی کے مر جائے،

ان کا جواب سنکر کہا تم بھی ان ہی میں ہو، اور ان کے بلوغ کی تصدیق کرا کے قتل کا حکم دیا، حکم سنکر زین العابدین رضہ نے کہا ان عورتوں کو کس کے سپرد کر و گے، حیان نثار پھوپھی زینب رضہ یہ سفاکانہ حکم سن کر تڑپ گئیں، اور ابن زیاد سے کہا ابھی تک تم ہمارے خون سے سیر نہیں ہوئے۔

کیا ہمارا کوئی بھی آسرا باقی نہ رکھوگے؟ یہ کہکر زین العابدین رضؓ سے چمٹ گئیں، اور ابن زیاد سے مصر ہوئیں کہ تمکو خدا کی قسم اگر ان کو قتل کرنا چاہتے ہو تو ان کے ساتھ مجھکو بھی قتل کردو لیکن زین العابدین رضؓ پر مطلق کوئی ہراس طاری نہ ہوا، انھوں نے نہایت سکون اور اطمینان سے کہا، اگر تم مجھے قتل ہی کرنا چاہتے ہو تو عزیزداری کا پاس کرکے اتنا کرو کہ کسی متقی آدمی کو ان عورتوں کے ساتھ کردو، جو ان کو اچھی طرح پہنچا دے، زین العابدین کی یہ درخواست سنکر ابن زیاد ان کا منہ تکنے لگا، اور اس شقی کے دل میں بھی رحم آگیا، حکم دیا کہ اس لڑکے کو ان عورتوں کے ساتھ رہنے کے لیے چھوڑ دو۔

سفر شام | ابن زیاد نے اہل بیت کے حالات اور شہداء کے سروں کا معائنہ کرنے کے بعد انھیں شام روانہ کردیا، اور خدا خدا کرکے اہل بیت کرام کی دربدری کی مصیبت ختم ہوئی، اہلبیت کے ساتھ جو کچھ اہانت آمیز برتاؤ ہوا وہ ابن زیاد کی ذاتی خباثت نفس کا نتیجہ تھا، یزید کا دامن ایک حد تک اس سے بری ہے، اس میں شک نہیں کہ شہادت کا واقعۂ ہائلہ اور اس کے بعد اہل بیت کے ساتھ جو زیادتیاں ہوئیں وہ یزید ہی کی خیرخواہی اور اسی کے عہد میں ہوئیں، اور اس نے اس کا شرعی قصاص بھی نہیں لیا، اس حیثیت سے یقیناً وہ مجرم اور بہت بڑا مجرم ہے، لیکن درحقیقت ان واقعات کو اسکے حکم سے کوئی تعلق نہیں، یہ سب واقعات بغیر اس کے حکم کے اور اس کی لاعلمی میں ہوئے، اس لیے ان کی ذمہ داری زیادہ تر ابن زیاد کے سر ہے، یزید کو تا عمر اس کا قلق رہا، جیسا کہ آئندہ واقعات سے معلوم ہوگا۔

حضرت حسین رضؓ کی خبر شہادت پر یزید کا تاثر اور اس کی برہمی | چنانچہ سب سے اول جب زحر بن قیس نے یزید کے دربار میں حضرت حسین رضؓ اور آپ کے ساتھیوں کی شہادت کی خبر پہنچائی اور نہایت

لہ ابن اثیر ج ۴ ص ۷۰، ۷۱

کیا[1]

شہداء کے سروں کے ملاحظہ کے بعد اہل بیت کے قافلہ کو طلب کیا، اور امرائے شام کے روبرو زین العابدینؓ سے کہا، علی! تمہارے باپ نے میرے ساتھ قطع رحم کیا، میرے حق سے غفلت کی، اور حکومت میں جھگڑا کیا، یہ اسی کا نتیجہ ہے جسے تم دیکھ رہے ہو، زین العابدینؓ نے اس پر یہ آیت تلاوت کی:۔

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا (حدید)
جتنی مصیبتیں روئے زمین پر اور خود تم پر نازل ہوتی ہیں، وہ سب ہم نے ان کے پیدا کرنے سے پہلے کتاب میں لکھ رکھی ہیں؛

یہ جواب سن کر یزید نے اپنے لڑکے خالد سے کہا کہ تم اس کا جواب دو لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا، تو یزید نے خود بتایا، کہ کہو

ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر
تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے اور وہ بہت سی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔

اہل بیت نبویؐ کا معائنہ اور ان سے ہمدردانہ برتاؤ

اس سوال و جواب کے بعد عورتوں اور بچوں کو بلا کر اپنے سامنے بٹھایا، اُس وقت یہ سب نہایت ابتر حالت میں تھے، یزید نے انھیں اس حالت میں دیکھ کر کہا، خدا ابن مرجانہ کا برا کرے، اگر اس کے اور تمہارے درمیان قرابت ہوتی تو تمہارے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا، اور نہ اس طرح سے تم کو بھیجتا، فاطمہ بنت علیؓ کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ یزید کے سامنے پیش کیے گئے تو ہماری حالت دیکھ کر اس پر رقت طاری ہو گئی۔ اور ہمارے لیے کوئی حکم دیا، اور بڑی نرمی اور ملاطفت کا برتاؤ کیا[2]،

---

[1] طبری ج ۷، ص ۳۷۴ [2] ایضاً ص ۳۷۷

علامہ ابن اثیر اسی مجلس کا واقعہ لکھتے ہیں کہ

اہل بیت کے فضائل کا اعتراف | یزید نے امام حسین رض کے سر سے مخاطب ہو کر کہا کہ حسین رض اگر میں تمھارے ساتھ ہوتا تو کبھی تم کو قتل نہ کرتا۔ پھر حاضرین سے مخاطب ہوا کہ تم لوگ جانتے ہو، ان کا یہ انجام کیوں ہوا؟ اس لیے ہوا کہ یہ کہتے تھے کہ ان کے باپ علی رض میرے باپ سے، ان کی ماں فاطمہ رض میری ماں سے، ان کے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دادا سے بہتر تھے، اور وہ مجھ سے زیادہ مستحق تھے، ان کے اس قول کا جواب کہ ان کے باپ علی رض میرے باپ سے بہتر تھے، یہ ہے کہ ان کے باپ اور میرے باپ نے خدا سے محاکمہ چاہا، اور لوگوں کو معلوم ہے کہ خدا نے کس کے حق میں فیصلہ دیا، ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں تو میری عمر کی قسم مجھے اعتراف ہے کہ ان کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں، اور ان کا یہ کہنا کہ ان کے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دادا سے بہتر تھے، تو میں اپنی عمر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کوئی وہ مسلمان جو خدا اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ ہم میں سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مثیل نہیں ٹھہرا سکتا، مگر افسوس انھوں نے قل اللھم مالک الملک کا خدائی فرمان نہیں پڑھا تھا[1]

یزید کے گھر میں حسین رض کا ماتم اور زین العابدین رض کیساتھ برتاؤ | اہل بیت سے گفتگو کے بعد ان سب کو خاص حرم سرا میں ٹھہرانے کا حکم دیا، یزید خود حضرت حسین رض کا رشتہ دار تھا، اس کی عورتیں بھی عزیز تھیں، اس لیے ستم رسیدہ قافلہ کے زنانخانے میں داخل ہوتے ہی یزید کے گھر میں کہرام مچ گیا، اور ساری عورتوں نے نوحہ کیا، تین دن تک کامل یزید کے گھر میں ماتم بپا رہا، اس دوران میں یزید برابر زین العابدین رض کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بلا کر کھلاتا تھا[2]

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۷۳، [2] طبری ج ۷ ص ۳۷۸،

نقصان مال کی تلافی اور سکینہ کی منت پذیری | یاد ہوگا کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد شامی وحشیوں نے اہلِ بیت نبویؐ کا کل ساز و سامان لوٹ لیا تھا، اور ابن سعد کے حکم کے باوجود کسی نے واپس نہ کیا تھا، یزید نے اس کی پوری تلافی کی اور تمام عورتوں سے پوچھ پوچھ کر جن جن کا جس قدر مال و متاع گیا تھا، اس کا دونا مال دلوایا، سکینہ بنت حسینؓ اس کے اس تلافیِ مافات سے بہت متاثر ہوئیں، چنانچہ وہ کہتی تھیں کہ میں نے خدا کے نافرمانوں میں یزید سے بہتر کسی کو نہیں پایا[1]

اگر میری اولاد کی کام آجاتی تو حسینؓ کو بچاتا، اور ہر قسم کی امداد کا وعدہ | چند دن قیام کرنے کے بعد جب اہلِ بیت کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے انھیں عزت و احترام کے ساتھ مدینہ بھجوانا چاہا، اور سب کو بلا کر زین العابدینؓ سے کہا ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو، اگر میں ہوتا تو حسینؓ جو کچھ کہتے میں مان لیتا، اور ان کی جان بچانے کی پوری کوشش کرتا، خواہ اس میں میری اولاد ہی کیوں نہ کام آجاتی، لیکن اب قضائے الٰہی پوری ہو چکی، بہرحال جب بھی تم کو کسی قسم کی ضرورت پیش آئے تو فوراً مجھے لکھنا[2]

شام سے اہل بیت کی مدینہ روانگی اور اس کے لیے انتظامات | ان سب سے مل کر نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ اہلِ بیت کی ضروریات کا کل سامان مہیا کیا جائے اور چند دیانتدار اور نیک شامیوں کے ساتھ انھیں رخصت کیا جائے، اور حفاظت کے لیے مدینہ تک سواروں کا دستہ ساتھ جائے، اس حکم پر جملہ ضروری سامان مہیا کیا گیا، اور یزید نے انھیں رخصت کیا، جو لوگ حفاظت کے لیے ساتھ گئے تھے، انھوں نے پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیے، ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ ہوتے تھے، جہاں قافلہ منزل کرتا تھا، یہ لوگ پردہ کے خیال سے

---

[1] طبری ج ۷، ص ۳۸۱ [2] ایضاً ۳۷۹،

الگ ہٹ جاتے تھے، اسی حفاظت اور لطف و مدارات کے ساتھ قافلہ کو مدینہ پہنچایا، مخدرات اہلِ بیت کے شریف اور منت پذیر دل ان محافظوں کے شریفانہ سلوک سے بہت متاثر ہوئے، چنانچہ فاطمہؓ اور زینبؓ نے اپنے کنگن اور بازو بند اتار کر شکرانہ کے طور پر بھیجے، اور زبانی کہلایا کہ اس وقت ہم معذور ہیں، اسی قدر معاوضہ دے سکتے ہیں، لیکن نعمان ابن بشیرؓ نے اس کو واپس کر دیا، اور کہا اگر ہم نے دنیاوی منفعت کے لیے یہ خدمت کی ہوتی تو یہ چیزیں معاوضہ ہو سکتی تھیں، لیکن خدا کی قسم ہم نے جو کچھ کیا وہ خدمتہً للہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے خیال سے کیا ہے[1]

بعض غیر مستند روایات پر تنقید | اوپر کے واقعات سے اہلِ بیت نبویؐ کے ساتھ یزید کے برتاؤ کا پورے طور پر اندازہ ہوتا ہے، اور ان بے سروپا افسانوں کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے جن سے مخدراتِ عصمت مآب کی سخت توہین ہوتی ہے، البتہ دو ایک واقعات ضرور اس قسم کے ملتے ہیں، جو نازیبا کہے جا سکتے ہیں، اور یقیناً قابلِ ملامت ہیں، لیکن ان واقعات کی صحت ہی محلِ نظر ہے، بہرحال وہ واقعات ہم اس موقع پر بجنسہٖ نقل کرتے ہیں۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ فاطمہ بنت علیؓ نوخیز اور خوبصورت تھیں، جب خاندانِ نبویؐ کی مستورات یزید کے سامنے پیش کی گئیں تو فاطمہؓ کو دیکھ کر ایک شامی وحشی نے کہا، امیر المومنین یہ لڑکی مجھے دیدیجیے، اس کی فرمائش پر فاطمہؓ ڈر گئیں، اور اپنی بڑی بہن کا کپڑا پکڑ لیا، زینبؓ ان سے عمر میں بڑی تھیں، وہ جانتی تھیں کہ یزید شرعاً فاطمہؓ کو کسی کے حوالہ نہیں کر سکتا، اس لیے انھوں نے اس شامی کو ڈانٹا کہ تو جھوٹ بکتا ہے، اگر تو مر بھی جائے تو یہ لڑکی نہ تجھکو مل سکتی ہے، اور نہ یزید کو، چونکہ زینبؓ نے جواب میں یزید کو بھی مخاطب کر لیا تھا،

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۷۶،

اس لیے یزید نے کہا تم جھوٹ کہتی ہو، اگر میں چاہوں تو اس لڑکی کو لے سکتا ہوں۔ زینبؓ نے پھر کہا جب تک تم ہمارا مذہب چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب نہ اختیار کرلو! اس وقت تک تمہارے لیے ہرگز یہ جائز نہیں (یعنی مالِ غنیمت کے طور پر مسلمان عورت پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا) اس پر یزید اور زیادہ برہم ہو گیا، اور یہ کہا یہ خطاب مجھ سے ہے، یہ دین سے نکلوں یا تمہارے باپ اور بھائی دین سے نکلے تھے، زینبؓ نے کہا، خدا کے دین، میرے باپ کے دین میرے نانا کے دین سے تم کو، تمہارے باپ کو اور تمہارے دادا کو ہدایت ملی، یزید نے کہا دشمنِ خدا تو جھوٹ کہتی ہے، زینبؓ نے جواب دیا تو تو جابر امیر ہے، اس لیے ظلم سے بُرا کہتا ہے، اور اپنی بادشاہت کے زعم میں استبداد کرتا ہے، اس جواب پر یزید شرما کر خاموش ہو گیا، شامی نے پھر کہا امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے عنایت ہو، شامی کے دوبارہ کہنے پر یزید نے اس کو ڈانٹا کہ "خدا تجھ کو موت دے اور کبھی بیوی نصیب نہ ہو"!۱

گو یہ طبری کی روایت ہے، لیکن اس کا راوی حارث بن کعب شیعہ۲ ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ یزید کی مخالفت میں اس روایت کا کیا پایہ ہوگا، اس کی تدلیس کا اندازہ اس طرح بھی ہوتا ہے کہ یہی واقعہ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں بھی لکھا ہے، مگر اس میں یزید کی اس تلخ گفتگو کا کوئی ذکر نہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "جب اہلِ بیت کا قافلہ یزید کے پاس پہنچا تو جو شامی وہاں تھے، وہ یزید کے پاس فتح کی مبارکباد دینے کے لیے آئے تھے ان میں سے ایک سرخ رنگ کے آدمی نے اہلِ بیت کی ایک لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے دیدیجئے، زینبؓ بولیں، خدا کی قسم یہ لڑکی نہ تجھ کو مل سکتی ہے اور

---

۱ طبری ج ۷، ص ۳۷۷، ۳۷۸، ۲ لسان المیزان ج ۲ ص ۱۵۶،

نہ خود یزید کو، جب تک وہ اللہ کے دین سے نہ نکل جائے، شامی نے دوبارہ پھر سوال کیا مگر یزید نے روک دیا۔[1]

اس روایت میں یزید کی سخت کلامی کا مطلق تذکرہ نہیں اور اس واقعہ میں جو بدنمائی تھی وہ بھی بالکل نہیں پائی جاتی، درایۃً بھی یہ روایت خلافِ قیاس ہے، کیونکہ جس لڑکی کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے، اس کا نام فاطمہ بنت علیؓ بتایا ہے، اور اس کے لیے جاریہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یعنی وہ اس وقت بہت کمسن لڑکی تھیں، حالانکہ اس وقت فاطمہ بنت علیؓ کی عمر ۲۴، ۲۵ سال سے کم نہ رہی ہوگی، کیونکہ حضرت علیؓ ۴۰ھ میں شہید ہوئے اور ۶۱ھ کا یہ واقعہ ہے، اس لیے اگر حضرت علیؓ کی وفات کے وقت فاطمہؓ کی عمر دو تین سال بھی مانی جائے تب بھی ۶۱ھ میں وہ ۲۴ سال کی ہوں گی، اور جاریہ سے گذر کر وہ پوری بال بچوں والی عورت ہوگئی ہوں گی، کیونکہ جاریہ کمسن اور نوخیز لڑکی کو کہتے ہیں، اس لحاظ سے سرے سے اس واقعہ کی صحت ہی مشتبہ ہو جاتی ہے۔

دوسرا مشہور واقعہ یہ ہے کہ "جب یزید کے سامنے حضرت حسینؓ کا سر لایا گیا تو اس نے چھڑی سے دندانِ مبارک کو ٹھوکا دیا، مگر یہ واقعہ سراسر جھوٹ ہے، یہ واقعہ ابن زیاد کا ہے، جس کو غلط فہم راویوں نے یزید کی طرف منسوب کر دیا۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ "یہ واقعہ بالکل جھوٹ ہے، کیونکہ جن صحابہ سے یہ واقعہ مروی ہے وہ شام میں موجود ہی نہ تھے۔"[2]

ان دو واقعوں کے علاوہ اور کوئی قابلِ ذکر واقعہ کسی مستند تاریخ میں مذکور نہیں ہے، باقی عام طور پر جو پُر درد افسانے شہادت ناموں میں ملتے ہیں وہ محض مجالس عزا

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۵۳ [2] منہاج السنہ ج ۲ ص ۲۴۹،

کی گرمی کے لیے گھڑ لیے گئے ہیں کہ ؎

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیبِ داستاں کے لیے

ورنہ تاریخی حیثیت سے ان کی کوئی حقیقت نہیں، البتہ حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ پر چوٹ اور طعن و طنز کی بہت سی مثالیں ہیں، لیکن یہ تمام باتیں یزید کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ امیر معاویہؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے سوا شروع سے آخر تک قریب قریب تمام اموی فرمانروا اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے، اور یہ ان کی خاندانی چشمک کا نتیجہ تھا۔

واقعہ شہادت پر ایک نظر | درحقیقت حضرت حسینؓ کا واقعہ شہادت بھی منجملہ اُن واقعات کے ہے، جن میں مسلمانوں کے مختلف گروہوں نے بڑی افراط و تفریط سے کام لیا ہے، بعض اسے اتنا گھٹاتے ہیں کہ خاکم بدہن حضرت حسینؓ کو حکومت کا باغی قرار دیکر آپ کے قتل کو جائز ٹھہراتے ہیں اور بعض اتنا بڑھاتے ہیں کہ اس کا اندرونی سلسلہ تکمیلِ نبوت سے ملا دیتے ہیں،

خود اہلِ سنت کے اکابر علما نے اس میں بڑی بڑی نکتہ آفرینیاں کی ہیں، چنانچہ بعضوں نے واقعہ شہادت اور تکمیلِ نبوت میں اس طرح ایک مخفی رشتہ قائم کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تمام انبیاؑ کے انفرادی فضائل ذاتِ پاک محمدیؐ میں جمع کر دیے تھے، اور آپ کی ذات گرامی "حسن یوسف، دمِ عیسیٰ ید بیضا داری" کی حامل اور "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کی مصداق تھی، خدا کی راہ میں شہادت بھی ایک بہت بڑی فضیلت ہے، جس سے اس نے اپنے بہت سے محبوب انبیاؑ کو نوازا، لیکن چونکہ ذاتِ محمدیؐ ان سب سے اعلیٰ و ارفع تھی اور امت کے ہاتھوں شہادت آپ کے مرتبہ نبوت سے فروتر تھی، اسلیے اس منصب کی تکمیل کے لیے آپ کے نواسہ کو جو گویا آپ کے جسدِ اطہر کا ایک ٹکڑا تھے، انتخاب فرمایا، اس طرح سے آپ کی جامعیتِ کبریٰ میں جو خفیف سا نقص باقی رہ گیا تھا، اس کی

تکمیل ہوگئی۔

خوش اعتقادی کا اقتضا یہ ہے کہ ان بزرگوں کے خیالات کو عقیدت کے دل سے قبول کرلیا جائے، لیکن اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو اس قسم کے خیالات کی حیثیت شاعرانہ نکتہ آفرینی اور خوش خیالی سے زیادہ نہیں ہے، کیونکہ نبوت کی تکمیل کے لیے کسی بیرونی جزو کی ضرورت نہیں، نبوت خود ایسا جامع اور کامل وصف ہے، جو اپنی تکمیل کے لیے کسی بیرونی سہارے کا محتاج نہیں، ہزاروں انبیاءؑ ورسلؑ دنیا میں آئے، لیکن کیا ان میں سے سب خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے، اور جن کو یہ منصب نہیں ملا، ان کی نبوت ناقص رہ گئی؟ غالباً اسے کوئی صاحبِ مذہب بھی تسلیم نہ کریگا، پھر ذاتِ پاک محمدیؐ تو خود قصرِ نبوت کی آخری تکمیلی اینٹ تھی جس کے بعد کسی کمال کی حاجت نہیں، اور سورۂ فتح اور سورہ مائدہ نے اس تکمیل پر تصدیقی مہر کردی تھی اور اگر بالفرض تکمیل نبوت کے لیے کسی درجہ پر شہادت کی ضرورت تسلیم بھی کرلی جائے، (اگرچہ اس کی مذہبی سند نہیں ہے) تو غزوۂ احد میں سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی شہادت پر اس کی تکمیل ہوچکی تھی، اور چچا کی شہادت کے بعد نواسے کی شہادت کا انتظار باقی نہ رہ گیا تھا، پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ شہادت گو مرتبۂ نبوت سے فروتر ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں تکمیلِ فرضِ نبوت کے خاطر کیا کیا مصائب نہیں برداشت کیے، ہر طرح کی سختیاں سہیں، دشمنوں کی گستاخیاں برداشت کیں، گلوئے مبارک میں پھندا ڈالا گیا، رستہ میں کانٹے بچھائے گئے، پشتِ مبارک پر نجاستوں کے انبار لادے گئے، سنگباری سے جسم مبارک سے خون کے فوارے چھوٹے، دندانِ مبارک شہید کیا گیا، گھر سے بے گھر ہوئے، جان تک لینے کی تیاریاں کی گئیں، کیا میزانِ آزمائش میں شہادت کے مقابلہ میں یہ قربانیاں ہلکی رہیں گی؟

ہرگز نہیں، ایک مرتبہ جان دیدینا تو پھر بھی آسان ہے لیکن مسلسل مشقِ ستم بنا رہنا اس سے بہت دشوار ہے، اس کے علاوہ اگر مذہبی حیثیت سے اس قسم کی خیال آرائیوں پر غور کیا جائے تو ان کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی، اس کی تائید میں کوئی ضعیف سی ضعیف روایت بھی تو نہیں مل سکتی، اور بغیر حدیث کی شہادت کے اسے کسی طرح قبول نہیں کیا جا سکتا، مذہبِ اسلام میں بہت سی گمراہیاں اسی منصبِ نبوت کے ساتھ افراط و تفریط کرنے سے ہوئی ہیں، اس لیے اس قسم کے تخیلات محض شاعرانہ نکتہ کی حیثیت سے لطف لیا جا سکتا ہے، لیکن اسے اعتقاد نہیں بنایا جا سکتا،

لیکن اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس شہادت کی حیثیت کیا تھی؟ کیا حضرت حسینؓ محض حصولِ خلافت کے لیے کوفہ گئے، مگر اس میں ناکام رہے اور قتل کر دیے گئے یا اس کے اندر کوئی اور راز مضمر تھا، اگر پہلی صورت مان لی جائے تو پھر حسینؓ کی شہادت اور عام حوصلہ مندوں کی قسمت آزمائی میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا، اس کے جواب کے لیے یزید کی ولیعہدی سے لیکر واقعۂ شہادت تک کے حالات پر نظر ڈالنی چاہیئے، کہ یزید کی ولیعہدی کی مذہبی حیثیت کیا تھی؟ اور کن حالات میں مسلمانوں نے اسے ولیعہد تسلیم کیا تھا؟ اور اس کے ہمعصروں میں اس منصب کے لیے اُس سے زیادہ اہلِ اشخاص موجود تھے، یا نہیں؟ اور خلافت کے بعد اس کا طرزِ حکومت کیسا تھا؟

امیر معاویہؓ نے جس طرح یزید کو ولیعہد بنایا تھا، اس کی تفصیل اوپر اُن کے حالات میں گذر چکی تھی گو اس بارہ میں روایات مختلف ہیں، تاہم اتنا قدر مشترک ہے کہ مدینہ کے اربابِ رائے صحابہ نے خوشدلی سے امیر کی یہ بدعت نہیں تسلیم کی تھی، اور عبداللہ بن زبیرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، حسینؓ اور دوسرے نوجوانوں نے علی الاعلان اس کی مخالفت کی تھی،

ابن زبیرؓ نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم خلافت کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے طریقہ کے علاوہ اور کوئی نیا طریقہ نہیں قبول کر سکتے، عبد الرحمٰن بن ابی بکر نے اس سے بھی زیادہ تلخ لیکن صحیح جواب دیا، مروان نے جب مدینہ میں یزید کی ولیعہدی کا مسئلہ پیش کیا تو کہا امیر المومنین معاویہؓ چاہتے ہیں کہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی سنت کے مطابق اپنے لڑکے یزید کو خلیفہ بنا جائیں، عبد الرحمٰن نے جواب دیا یہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی سنت نہیں ہے، بلکہ کسریٰ و قیصر کی ہے، ابو بکرؓ و عمرؓ نے اپنی اولاد کو، یہ جانشین نہیں کیا، بلکہ اپنے خاندان میں سے بھی کسی کو نہیں بنایا، لیکن چونکہ عہد نبوت کے بعد کی وجہ سے بڑی حد تک حریت و آزادی کا خاتمہ ہو چکا تھا، اس لیے کچھ لوگوں نے امیر معاویہؓ کے دبدبہ و شکوہ سے مرعوب ہوکر، کچھ لوگوں نے مال و زر کے طمع میں اور بعضوں نے محض اختلافِ امت کے خطرہ سے بچنے کے لیے یزید کو ولیعہد مان لیا، جو لوگ مخالف تھے، انھوں نے بھی جان کے خوف سے خاموشی اختیار کر لی، بہرحال کسی نے خوشدلی کے ساتھ یزید کو ولیعہد نہیں تسلیم کیا، ابن زبیرؓ، حسینؓ اور عبد الرحمٰنؓ گو خاموش ہو گئے تھے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی ولیعہدی تسلیم نہیں کی تھی، امیر معاویہؓ نے ان سے یہاں تک کہا کہ تم لوگ یزید کو محض خلیفہ کا نام دیدو، باقی عمال کا عزل و نصب، خراج کی تحصیل وصول اور اس کا مصرف سب تمھارے ہاتھوں میں رہے گا، لیکن اس قیمت پر بھی ان لوگوں نے آمادگی ظاہر نہ کی، ان کے انکار پر امیر معاویہؓ بھی مصلحتِ وقت کے خیال سے خاموش ہو گئے،[1]

یہ یزید کی ولیعہدی کی صورت تھی، اس کے علاوہ اگر اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ اس وقت یزید سے بہتر اشخاص اس منصب کے لیے موجود تھے تو یزید کی ولیعہدی اور زیادہ قابل

---

[1] تاریخ الخلفاء، سیوطی ص ۵۵۔

اعتراض ہوجاتی ہے، کیونکہ مذکورہ بالا تینوں بزرگوں میں سے ہر ایک یزید کے مقابلہ میں زیادہ اہل تھا، اکابر صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور بعض دوسرے بزرگ موجود تھے جن کے ہوتے ہوئے یزید کا نام کسی طرح نہیں لیا جاسکتا تھا، لیکن امیر معاویہؓ نے ان تمام شخصیتوں سے قطع نظر کرکے یزید کو ولیعہد بنایا، اس کے بعد جب یزید خلیفہ ہوا تو بھی اس نے اپنے کو اس منصب کا اہل ثابت نہیں کیا، بجائے اس کے کہ وہ ان بزرگوں کے مشورہ سے نظام حکومت چلاتا یا کم از کم امیر معاویہؓ کی طرح نرم پالیسی رکھتا، اس نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی استبداد شروع کردیا، اور عمائد مکہ سے بیعت لینے کے احکام جاری کیے، ایسی صورت میں حضرت حسینؓ یا اس نامنصفانہ حکم کو مان لیتے اور یزید کی غیر شرعی بیعت کو قبول کرکے تاریخ اسلام میں ظلم و ناانصافی کے سامنے سپر ڈالنے کی مثال قایم کرتے یا اس کے خلاف آواز بلند کرکے استبداد کے خلاف عملی جہاد کا سبق دیتے، ان دونوں صورتوں میں آپ نے دوسری صورت اختیار کی اور اس حکومت کے خلاف اٹھکر جو غیر شرعی طریق پر قایم ہوئی تھی، اور جس نے بہت سی اسلامی روایات کو پامال کررکھا تھا، مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے حریت و آزادی کا سبق دیدیا، جس کا ثبوت خود حضرت حسینؓ اور آپ کے دعاۃ کی تقریروں سے ملتا ہے، چنانچہ مسلم بن عقیل پر جب ابن زیاد نے یہ فرد جرم قایم کی کہ "لوگ متحد الخیال تھے، ایک زبان تھے، تم انھیں پراگندہ کرنے، ان میں پھوٹ ڈلوانے اور ان کو آپس میں لڑانے کے لئے آئے تو مسلم نے اس کا یہ جواب دیا۔

کلا لست اتیت ولکن اهل	ہرگز نہیں، میں خود سے نہیں آیا بلکہ شہر (کوفہ)
المصر زعموا ان اباك قتل	والوں کا خیال تھا کہ تمھارے باپ نے ان کے بھلے

---

[1] طبری ج ۷ ص ۲۶۶

خیارهم و سفك دماءهم و
عمل فيهم اعمال كسرى و
قيصر فاتيناهم لنامر بالعدل
وندعوا الى حكم الكتاب

آدمیوں کو قتل کیا، ان کا خون بہایا اور ان میں
کسریٰ و قیصر کا سا طرز عمل اختیار کیا، اسلیے ہم
ان کے پاس آئے تاکہ ہم لوگوں کو انصاف کا
حکم اور کتاب اللہ کے حکم کی دعوت دیں۔

مسلم بن عقیل کے بعد جب حضرت حسینؓ خود تشریف لائے تو مقام بیضہ میں اپنے آنے کے یہ اسباب بیان کیے:-

قال ابو مخنف عن عقبة بن
ابی العیزار ان الحسين خطب
اصحابه واصحاب الحر بالبيضة
فحمد الله واثنى عليه ثم قال
ايها الناس ان رسول الله
صلى الله عليه وسلم قال من راى
سلطانا جائرا مستحلا لحرم
الله ناكثا لعهد الله مخالفا لسنة
رسول الله صلى الله عليه وسلم يعمل
في عباد الله بالاثم والعدوان
فلم يغير عليه بفعل ولا قول
كان حقا على الله ان يدخله
مدخله الا

ابو مخنف عقبہ بن ابی العیزار سے روایت کرتے
ہیں کہ مقام بیضہ میں حسینؓ نے اپنے اور حر کے
ساتھیوں کے سامنے خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد
کہا کہ لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ جس نے ایسے بادشاہ کو دیکھا جو ظالم ہے، خدا کی حرام
کی ہوئی چیزوں کو حلال کرتا ہے، خدا کے عہد کو توڑتا ہے،
سنت رسول کی مخالفت کرتا ہے، خدا کے بندوں میں
گناہ اور زیادتی کیساتھ حکومت کرتا ہے، اور دیکھنے والے
کو اس پر عملاً یا قولاً غیرت نہ آئی تو خدا کو یہ حق ہے کہ
اس بادشاہ کی جگہ اس دیکھنے والے کو دوزخ میں
داخل کرے، میں تمکو آگاہ کرتا ہوں کہ ان لوگوں
(بنی امیہ) نے شیطان کی اطاعت قبول کرلی
ہے، اور رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی ہے،

وان ھؤلاء قد لزموا طاعة
الشیطان وترکوا طاعة الرحمن
واظھروا الفساد وعطلوا الحدود
واستأثروا بالفیء واحلوا حرام
اللہ وحرموا حلالہ وانا احق
من غیری وقد اتتنی کتبکم وقدمت
علی رسلکم ببیعتکم انکم
لا تسلمونی ولا تخذلونی
فان تممتم علی بیعتکم تصیبوا
رشدکم فانا الحسین بن علی
وابن فاطمة بنت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نفسی مع انفسکم
واھلی مع اھلکم، فلکم فیّ
اسوة وان لم تفعلوا ونقضتم
عھدکم وخلعتم بیعتی من
اعناقکم فلعمری ما ھی لکم
بنکر لقد فعلتموھا بابی و
اخی وابن عمی مسلم والمغرور
من اغتر بکم فحظکم اخطأتم

خدا کی زمین پر فتنہ و فساد پھیلا رکھا ہے، حدود اللہ
کو بیکار کر دیا ہے۔ مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے
ہیں، خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور اس
کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے،
اس لیے مجھے ان باتوں پر غیرت آنے کا
زیادہ حق ہے، میرے پاس بلاوے کے تمھارے
خطوط آئے، بیعت کا پیام لیکر تمھارے
قاصد آئے، انھوں نے کہا کہ تم مجھے دشمنوں
کے حوالہ نہ کروگے، اور بے یار و مددگار نہ چھوڑ دوگے
پس اگر تم اپنی بیعت کے حقوق پورے کروگے
تو ہدایت پاؤگے، میں حسین بن علیؓ ابن ابی
طالب اور فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کا بیٹا ہوں، میری جان تمھاری جانوں
کے ساتھ اور میرے اہل بیت تمھارے گھر والوں
کے ساتھ ہیں، تمھارے لیے میری ذات نمونہ ہے
اب اگر تم اپنے فرائض پورے نہ کروگے اور اپنا
عہد و پیمان توڑ کر اپنی گردنوں سے میری
بیعت کا حلقہ اتار دوگے تو خدا کی قسم تم
سے یہ بھی بعید نہیں، تم میرے باپ بھائی،

ولصیبکم خیبتم ومن نکث	اور میرے ابن عم مسلم کیساتھ ایسا کر چکے
فانما ینکث علی نفسہ وسیغنی	ہو، وہ فریب خوردہ جو تمہارے فریب میں
اللہ عنکم والسلام علیکم	آگیا، تم نے نقض عہد کرکے اپنا حصہ ضائع کر دیا،
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ	جو شخص عہد توڑتا ہے اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے،
	اور عنقریب خدا تم کو تمہاری امداد سے بے نیاز
(طبری ج ۷، ص ۳۰۰)	کریگا، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

اس تقریر سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ یزید کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کا آنا محض حصول خلافت کے لیے نہ تھا، بلکہ اس کا مقصد اسلامی خلافت کا احیاء تھا، یعنی موروثی حکومت کے اثر سے اس کے نظام میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں ان کو دور کرکے پھر خلافت راشدہ کی یاد تازہ کر دیجائے، اس کا ثبوت اس طرح بھی ملتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے خود اس کی خواہش نہیں کی، بلکہ جب اہل عراق نے پیہم خطوط سے آپ کو اس کا یقین دلا دیا کہ ان کے لیے یزید کی حکومت ناقابل برداشت ہے، اس وقت آپ نے کوفہ کا قصد فرمایا، اسی لیے آپ کے تشریف لانے کے بعد جب عراقیوں نے دھوکا دیدیا تو آپ واپس جانے پر آمادہ ہوگئے، اور فرمایا کہ تم نے اپنی شکایات کی بنا پر مجھے بلایا تھا، اب جب کہ تم اسے پسند نہیں کرتے تو مجھے بھی اسکی خواہش نہیں ہے، میں جہاں سے آیا ہوں واپس چلا جاؤں گا۔

درحقیقت حضرت امام حسین علیہ السلام کے دعوی خلافت اور شہادت کے بارہ میں افراط و تفریط سے پاک صحیح مسلک یہ ہے کہ نہ آپ شیعی عقیدہ کے مطابق خلیفہ برحق تھے اور نہ خوارج کے عقیدہ کے مطابق نعوذ باللہ باغی جس کا قتل روا ہو، بلکہ آپ کوفیوں کی دعوت پر ایک نیک مقصد تجدید خلافت کے لیے اٹھے تھے، اور اس کی راہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

فضل وکمال | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت حسینؓ کمسن بچہ تھے، اس لیے براہ راست ذات نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے استفادہ کا موقع نہ ملا، لیکن حضرت علیؓ جیسے مجمع البحرین علم وعمل باپ کی تعلیم وتربیت نے اس کی پوری تلافی کر دی، تمام ارباب سیر آپ کے کمالات علمی کے معترف ہیں، علامہ ابن عبد البر، امام نووی، علامہ ابن اثیر تمام بڑے بڑے ارباب سیر اس پر متفق ہیں کہ حسینؓ بڑے فاضل تھے[1]، لیکن افسوس اس اجمالی سند کے علاوہ واقعات کی صورت میں ان کمالات کو کسی سیرت نگار نے قلم بند نہیں کیا ہے،

احادیث نبوی | حضرت حسینؓ خانوادۂ نبوی کے رکن رکین تھے، اس لحاظ سے آپ کو احادیث کا بہت بڑا حافظ ہونا چاہیئے تھا، لیکن صغر سنی کے باعث آپ کو اس کے مواقع کم ملے، اور جو ملے بھی اس میں بھی آپ کا فہم وحافظہ اس لائق نہ تھا کہ سمجھ کر محفوظ رکھ سکتے، اس لیے براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی مرویات کی تعداد کل آٹھ ہے[2]، جو آپ کی کمسنی کو دیکھتے ہوئے کم نہیں کہی جاسکتی، البتہ بالواسطہ روایات کی تعداد کافی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جن بزرگوں سے آپ نے حدیثیں روایت کی ہیں، اُن کے نام حسب ذیل ہیں: حضرت علیؓ، حضرت فاطمہ زہراؓ، ہند بن ابی ہالہ حضرت عمرؓ وغیرہ، جن رواۃ نے آپ سے روایتیں کی ہیں، اُن کے نام یہ ہیں، آپ کے برادر بزرگ حضرت حسنؓ، صاحبزادہ علی اور زید، صاحبزادی سکینہ فاطمہ، پوتے ابو جعفر الباقر، عام رواۃ میں شعبی، عکرمہ، کرز التیمی، سنان بن ابی سنان دولی، عبداللہ بن عمرو بن عثمان، فرزدق شاعر وغیرہ[3]،

---

[1] دیکھو استیعاب ابن عبد البر، تہذیب الاسماء نووی اور اسد الغابہ وغیرہ تراجم حسینؓ

[2] تہذیب الکمال صفحہ ۸۳

[3] تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۳۴۵،

فقہ و فتاویٰ | قضا و افتار میں حضرت علیؓ کا پایہ تمام صحابہؓ میں بڑا تھا، اس موروثی دولت میں حضرت حسینؓ کو بھی وافر حصہ ملا تھا چنانچہ ان کے معاصرین ان سے استفتا کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ابن زبیرؓ کو جو عمر میں ان سے بڑے اور خود بھی صاحب کمال بزرگ تھے، قیدی کی رہائی کے بارہ میں استفتا کی ضرورت ہوئی، تو انھوں نے حضرت حسینؓ کی طرف رجوع کیا، اور ان سے پوچھا، ابو عبد اللہ قیدی کی رہائی کے بارہ میں تمھارا کیا خیال ہے، اس کی رہائی کا فرض کس پر عائد ہوتا ہے، فرمایا، اُن لوگوں پر جن کی حمایت میں وہ لڑا ہو،

اسی طرح ایک مرتبہ ان کو شیر خوار بچہ کے وظیفہ کے بارہ میں استفسار کی ضرورت ہوئی تو اس میں بھی انھوں نے حضرت حسینؓ کی طرف رجوع کیا، آپ نے بتایا کہ پیدائش کے بعد ہی جب سے بچہ آواز دیتا ہے وظیفہ واجب ہو جاتا ہے،

اسی طریقہ سے کھڑے ہو کر پانی پینے کے بارہ میں پوچھا، آپ نے اس سوال پر اسی وقت اونٹنی کا دودھ دوہا کر کھڑے کھڑے پیا، آپ کھڑے ہو کر کھانے میں بھی مضائقہ نہ سمجھتے تھے، چنانچہ بھنا ہوا بکری کا گوشت لے لیتے تھے، اور کھاتے کھلاتے چلے جاتے تھے[1]

آپ کے تفقہ کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ فقیہ اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام باقرؒ کے شاگرد تھے، اور حدیث و فقہ میں ان سے بہت کچھ استفادہ کیا تھا، اور دینی علوم میں امام باقر کو سلسلہ بہ سلسلہ اپنے اسلاف سے بڑا فیض پہنچا تھا،

خطابت | ان مذہبی کمالات کے علاوہ اس عہد کے عرب کے مروجہ علوم میں بھی پوری دستگاہ رکھتے تھے، خطابت اس زمانہ کا بڑا کمال تھا آپ کے والد بزرگوار حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت بڑے خطیب تھے، نہج البلاغہ کے خطبات آپ کے کمال خطابت کے شاہد ہیں، حضرت حسینؓ کو بھی اس موروثی کمال سے وافر حصہ ملا تھا، اور انکا شمار اس عہد کے ممتاز خطیبوں میں تھا، واقعہ شہادت

---

[1] یہ تینوں واقعات استیعاب سے ماخوذ ہیں ج ۱ ص ۱۴۸

کے سلسلہ میں آپ کے بہت سے خطبات[1] گذر چکے ہیں، ان سے آپ کی خطابت کا پورا اندازہ ہو گیا ہوگا،

شاعری | ادب اور تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں آپ کی جانب بہت سے حکیمانہ اشعار منسوب ہیں، لیکن ان کی صحت مشکوک ہے،

کلمات طیبات | آپ کے کلمات طیبات اور حکیمانہ مقولے اخلاق و حکمت کا سبق ہیں، فرماتے تھے، سچائی عزت ہے، جھوٹ عجز ہے، رازداری امانت ہے، حق جوار قرابت ہے، امداد دوستی ہے، عمل تجربہ ہے، حسن خلق عبادت ہے، خاموشی زینت ہے، بخل فقر ہے، سخاوت دولتمندی ہے، نرمی عقلمندی ہے، ایک مرتبہ آپ نے حسن بصریؒ سے چند اخلاقی باتیں کیں، وہ آپ کو پہچانتے نہ تھے، اس لیے یہ باتیں سنکر متعجب ہوئے، آپ جب چلے گئے تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون تھے، لوگوں نے کہا حسینؓ بن علیؓ، یہ سنکر حسن بصریؒ نے کہا تم نے میری مشکل حل کر دی، یعنی اب کوئی تعجب کی بات نہیں[2]

فضائل اخلاق | آپ کی ذات گرامی و فضائل اخلاق کا مجموعہ تھی، ارباب سیر لکھتے ہیں کہ کان الحسین رضی اللہ عنہ کثیر الصلوٰۃ والصوم والحج والصدقۃ وافعال الخیر جمیعھا[3]، یعنی حضرت حسینؓ بڑے نمازی، بڑے روزہ دار، بہت حج کرنے والے، بڑے صدقہ دینے والے اور تمام اعمال حسنہ کو کثرت سے کرنے والے تھے۔

عبادت | فضائل اخلاق میں راس الاخلاق عبادت الٰہی ہے، حضرت حسینؓ کو تمام عبادات خصوصاً نماز سے بڑا ذوق تھا، اس کی تعلیم بچپن میں خود صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے حاصل کی تھی، اس تعلیم کا یہ اثر تھا کہ آپ بکثرت نمازیں پڑھتے تھے کثرت عبادات کی وجہ سے آپ کو بیویوں سے بھی ملنے کا کم موقع ملتا تھا، ایک مرتبہ کسی نے امام زین العابدینؓ سے کہا

---

[1] ان میں سے بہت سے خطبات الحاقی ہیں، لیکن کچھ صحیح بھی ہیں جنکی تصدیق تاریخ سے ہوجاتی ہے [2] یعقوبی ج ۲ ص ۲۹۲، [3] استیعاب و اسد الغابہ تذکرہ حسینؓ،

تمھارے باپ کی اولاد کس قدر کم ہے آپ نے فرمایا" اس پر تعجب کیوں ہے، وہ رات و دن میں ایک ایک ہزار نمازیں پڑھتے تھے، عورتوں سے ملنے کا انھیں موقع کہاں ملتا تھا[۱]" یہ روایت مبالغہ آمیز ہے، کیونکہ زندگی کی دوسری ضروریات کے ساتھ ایک ہزار رکعتیں روزانہ پڑھنا ناممکن ہے، غالباً راوی سے سہو ہو گیا ہے، لیکن اس سے ان کی کثرتِ عبادت کا ضرور پتہ چلتا ہے،

روزہ بھی کثرت کے ساتھ رکھتے تھے، تمام ارباب سیر آپ کی کثرتِ صیام پر متفق ہیں، حج بھی بکثرت کرتے تھے، اور اکثر پاپیادہ حج کیے، زبیر بن بکار مصعب سے روایت کرتے ہیں کہ حسینؓ نے پچیس حج پاپیادہ کیے[۲]،

صدقات و خیرات | مالی اعتبار سے آپ کو خدا نے جیسی فارغ البالی عطا فرمائی تھی، اسی فیاضی سے آپ اس کی راہ میں خرچ کرتے تھے، ابن عساکر لکھتے ہیں کہ حسینؓ خدا کی راہ میں کثرت سے خیرات کرتے تھے[۳] کوئی سائل کبھی آپ کے دروازہ سے ناکام نہ واپس ہوتا تھا، ایک مرتبہ ایک سائل مدینہ کی گلیوں میں پھرتا پھراتا ہوا در دولت پر پہنچا، اس وقت آپ نماز میں مشغول تھے، سائل کی صدا سنکر جلدی جلدی نماز ختم کرکے باہر نکلے، سائل پر فقر و فاقہ کے آثار نظر آئے، اسی وقت قنبر خادم کو آواز دی، قنبر حاضر ہوا آپ نے پوچھا ہمارے اخراجات میں سے کچھ باقی رہ گیا ہے، قنبر نے جواب دیا، آپ نے دو سو درہم اہل بیت میں تقسیم کرنے کے لیے دئیے تھے، وہ ابھی تقسیم نہیں کیے گئے ہیں، فرمایا، اس کو لے آؤ، اہل بیت سے زیادہ ایک مستحق آگیا ہے، چنانچہ اسی وقت دو سو کی تھیلی منگا کر سائل کے حوالہ کر دی، اور معذرت کی کہ اس وقت ہمارا ہاتھ خالی ہے، اس لیے اس سے زیادہ خدمت نہیں کر سکتے[۴]، حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں جب

---

[۱] یعقوبی ج ۲ ص ۱۹۲، ۱۹۳، [۲] تہذیب الاسماء نووی ج ۱ ص ۱۶۳، [۳] ابن عساکر ج ۴ ص ۳۲۳، ۳۲۴، [۴] ایضاً ص ۳۲۳

آپ کے پاس بصرہ سے آپ کا ذاتی مال آتا تھا تو آپ اُسی مجلس میں اسکو تقسیم کر دیتے تھے[1]

صدقات و خیرات کے علاوہ بھی آپ بڑے فیاض اور سیر چشم تھے، شعراء کو بڑی بڑی رقمیں دے ڈالتے تھے۔ حضرت حسن رض بھی فیاض تھے، لیکن آپ کی فیاضی برمحل اور مستحق اشخاص کے لیے ہوتی تھی، اس لیے ان کو حضرت حسین رض کی بے محل فیاضیاں پسند نہ آتی تھیں، چنانچہ ایک مرتبہ ان کو اس غلط بخشی پر ٹوکا۔ حضرت حسین رض نے جواب دیا کہ بہترین مال وہی ہے جس کے ذریعہ سے آبرو بچائی جائے[2]

وقار و سکینہ سکینت اور وقار آپ کا خاص وصف تھا، آپ کی مجلس وقار و متانت کا مرقع ہوتی تھی، امیر معاویہ رض نے ایک شخص سے حضرت حسین رض [illegible] پتہ بتایا کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں داخل ہو تو وہاں لوگوں کا ایک حلقہ نظر آئے گا، اس حلقہ میں لوگ ایسے سکون اور خاموشی سے بیٹھے ہوں گے کہ گویا ان کے سر پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں، یہ ابو عبد اللہ (حسین رض) کا حلقہ ہوگا[3]

انکسار و تواضع لیکن اس وقار و سکینت کے باوجود تمکنت، خود پسندی مطلق نہ تھی، وہ نہایت درجہ خاکسار اور متواضع تھے، ادنیٰ ادنیٰ اشخاص سے بے تکلف ملتے تھے، ایک مرتبہ کہیں تشریف لیے جارہے تھے، راستہ میں کچھ فقراء کھانا کھا رہے تھے، حضرت حسین رض کو دیکھ کر انہیں بھی مدعو کیا، ان کی درخواست پر آپ فوراً سواری سے اتر پڑے اور کھانے میں شرکت کرکے فرمایا کہ تکبر کرنے والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا، اور ان فقراء سے فرمایا کہ میں نے تمہاری دعوت قبول کی ہے اس لیے تم بھی میری دعوت قبول کرو اور ان کو گھر لیجا کر کھانا کھلایا[4]

ایثار و حق پرستی آپکی کتاب فضائل اخلاق کا نہایت جلی عنوان ہے، اسکی مثال کیلئے تنہا واقعہ شہادت کافی ہے کہ حق کی راہ میں سارا کنبہ تہ تیغ کرادیا، لیکن ظالم حکومت کے مقابلہ میں سپر نہ ڈالی،

---

[1] ابن عساکر ج ۴ ص ۳۱۲ [2] ایضاً ص ۳۲۲ [3] ایضاً [4] ایضاً

استقلال رائے | حضرت حسن رضؓ سراپا حلم تھے، آپ کے مزاج میں مطلق گرمی نہ تھی، بنو ہاشم اور بنو امیہ میں بہت قدیم رقابت تھی لیکن حسن رضؓ نے اس رقابت کو بھی دل سے فراموش کر دیا تھا، اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ بنی امیہ کے مقابلہ میں خلافت سے دست بردار ہو گئے، اس باب میں حضرت حسین رضؓ کا حال حضرت حسن رضؓ سے بالکل مختلف تھا، بنی امیہ کے مقابلہ میں آپ کسی دستبرداری اور مصالحت کو پسند نہیں فرماتے تھے، جس پر آپ کی تقریریں شاہد ہیں، اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ جب امام حسن رضؓ نے خلافت سے دست برداری کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت حسین رضؓ نے نہایت سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی لیکن امام حسن رضؓ نے ان کی مخالفت کے باوجود اپنا ارادہ نہ بدلا اور خلافت سے دست بردار ہو کر دنیا کو بتا دیا کہ مسلمانوں کی خیر خواہی کے مقابلہ میں حکومت و سلطنت کی بھی کوئی قیمت نہیں، لیکن حضرت حسین رضؓ کی یہ عصبیت بھی حق پرستی ہی کا نتیجہ تھی، اس لیے دونوں بزرگوں کے اوصاف، اخلاق کے دو مختلف مظاہر تھے،

ذاتی حالات اور ذریعہ معاش | حضرت حسین رضؓ مالی حیثیت سے ہمیشہ فارغ البال رہے، اور بہت عیش و آرام کے ساتھ زندگی بسر کی، حضرت عمر رضؓ نے اپنے زمانہ میں ۵ ہزار ماہانہ وظیفہ مقرر کیا تھا، جو حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ تک برابر ملتا رہا، اس کے بعد حضرت حسن رضؓ نے خلافت سے دستبرداری کے وقت امیر معاویہ رضؓ سے ان کے لیے دو لاکھ سالانہ مقرر کرا دیے تھے، غرض اس حیثیت سے آپ کی زندگی مطمئن تھی:

حلیہ | حضرت امام حسن رضؓ و حسین رضؓ دونوں بھائی شکل و صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے[1]

ازواج و اولاد | آپ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، آپ کی ازواج میں لیلیٰ

[1] اس کا ذکر حدیث کی متعدد کتابوں میں ہے،

حبابؓ، حرارؓ، سکینہؓ، اور غزالہؓ تھیں، ان سے متعدد اولادیں ہوئیں، جن میں علی اکبر،
عبداللہ اور ایک چھوٹے صاحبزادے واقعہ کربلا میں شہید ہوئے، امام زین العابدینؓ
باقی تھے، ان ہی سے نسل چلی، صاحبزادیوں میں سکینہ، فاطمہ اور زینب تھیں،

بعض پچھلی کتابوں میں حضرت امام حسینؓ کی ازواج میں ایک کا نام یزدگرد شاہ ایران
کی لڑکی شہر بانو کا بھی ملتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ حضرت امام زین العابدین ان ہی کے
بطن سے تھے، لیکن کسی قدیم ماخذ میں اس کا ذکر نہیں ہے، اس لیے قابلِ اعتماد نہیں
اور یہ ایرانیوں نے سیاسی مقصد کے لیے گڑھی ہے،

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ

نام ونسب | عبداللہ نام، ابوبکر اور حبیب کنیت، والد ماجد کا نام زبیرؓ اور والدۂ محترمہ کا اسماء تھا، جدی شجرہ یہ ہے، عبداللہ بن زبیرؓ بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی قرشی اسدی، نانہالی نسب نامہ یہ ہے، اسماء بنت ابی بکرؓ بن ابی قحافہ ابن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر،

حضرت عبداللہؓ کی ذات گرامی اپنے خاندان اور اپنی قرابتوں کے لحاظ سے متعدد شرفوں کی حامل تھی، آپ کے والد ماجد حضرت زبیرؓ بن عوام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور عشرہ مبشرہ میں تھے، ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی چچی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ آپ کی دادی تھیں، اس رشتہ سے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے ہونے کا فخر حاصل تھا، یہ ددہالی افتخار ہیں، نانہالی رشتوں کے لحاظ سے بھی آپ کو متعدد فضائل حاصل تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے نانا تھے، آپ کی والدہ حضرت اسماءؓ کو بارگاہ نبوت سے ذات النطاقین کا محبت آمیز لقب ملا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین حرم محترم حضرت عائشہؓ آپ کی خالہ تھیں، غرض ددہال اور ننہال جس افق پر نظر جاتی ہے، آسمان فضائل کے مہر و ماہ نظر آتے ہیں۔

پیدائش | ایسے معزز گھرانے میں حضرت عبداللہؓ کی ذات گرامی وجود میں آئی، سنہ پیدائش

کے بارہ میں روایات مختلف ہیں، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱ھ میں پیدا ہوئے اور بعض سے سنہ ۲ھ ظاہر ہوتا ہے، پہلی روایت زیادہ مستند ہے، تاریخ اسلام میں آپ کی پیدایش کو اس لیے غیر معمولی اہمیت حاصل ہے کہ مہاجرین کے مدینہ آنے کے بعد عرصہ تک ان میں سے کسی کے اولاد نہیں ہوئی، اور یہودیوں نے مشہور کر دیا کہ مسلمانوں کی انقطاع نسل کے لیے انھوں نے سحر کر دیا ہے، عین اسی شہرت کے زمانہ میں ان اوہام باطلہ کی تردید کے لیے حضرت عبداللہؓ پیدا ہوئے، اس لیے مسلمانوں کو آپ کی پیدایش سے غیر معمولی مسرت ہوئی، آپ کی والدۂ محترمہ نومولود فرزند کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئیں، اور آغوشِ رسالت میں دیدیا، آپ نے گود میں لے کر خیر و برکت کی دعا کی، اور تبرکاً کھجور چبا کر اس نومولود کے منہ میں ڈالا، اس طرح دنیا میں آنے کے بعد اس مائدۂ عالم سے جو سب سے پہلی نعمت عبداللہؓ کے منہ میں گئی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لعابِ دہن تھا[1]

بیعت جب سات آٹھ سال کے ہوئے تو حضرت زبیرؓ نے انھیں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا، آپ اُن کو دیکھ کر مسکرائے، اور اس چھوٹے مسلمان سے بیعت لی، اس طرح ان کو بہت صغر سنی میں بیعتِ نبویؐ کا شرف حاصل ہو گیا[2]،

بچپن میں بلندی کے آثار عموماً جو اشخاص مستقبل میں بڑے ہونے والے ہوتے ہیں، ان کے بچپن ہی کے واقعات ان کے روشن اور پُر عظمت مستقبل کا پتہ دیتے ہیں، اگر دنیا کے اکابرِ رجال کے ابتدائی حالات کا پتہ چلایا جائے تو ان کی صغر سنی ہی کے واقعات سے

---

[1] بخاری کتاب العقیقہ باب تسمیۃ المولود غداۃ یولد، پیدایش کا سنہ اصابہ تذکرۂ عبداللہ بن زبیرؓ سے ماخوذ ہے [2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۴۸۔

اُن کی آیندہ عظمت کا پتہ چل جائے گا،

چونکہ حضرت عبداللہؓ کو آگے چل کر اکابر رجال کی فہرست میں داخل ہونا تھا، اور تاریخ اسلام میں اپنے عزم و حوصلہ اور تہور و شجاعت کی داستانیں چھوڑنی تھیں، اس لیے بچپن ہی سے وہ نہایت جری، بیباک، باحوصلہ، بہادر اور خود پرست تھے، بچوں میں عموماً خوف و ہراس غالب ہوتا ہے، اور وہ معمولی معمولی باتوں سے ڈر جاتے ہیں، لیکن عبداللہؓ اس عمر میں بھی بڑے نڈر تھے، اسی زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ ایک شخص نے چیخ مار کر بچوں کو بھگا دیا، لیکن عبداللہ فوراً سنبھل کر لوٹ پڑے اور لڑکوں سے کہا کہ تم لوگ ہم کو اپنا سردار بنا کر اس شخص پر حملہ کر دو، چنانچہ اسی وقت ایک چھوٹی سی فوج مرتب کر کے اُس شخص پر حملہ کر دیا،

بچپن میں جب بیعت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیے گئے، تو ان کے ساتھ ان کے دو اور ہم سن حضرت جعفرؓ کے لڑکے عبداللہ اور ابو سلمہ کے لڑکے عمر بھی بیعت کے لیے پیش کیے گئے، یہ دونوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر جھجکے لیکن عبداللہؓ بڑی دلیری سے آگے بڑھ گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تیزی دیکھ کر مسکرا دیے، اور فرمایا اپنے باپ کا بیٹا ہے[1]،

حضرت عمرؓ درشت آدمی تھے، اس لیے لڑکے انھیں دیکھ کر شرارت بھول جاتے تھے، اور بھاگ نکلتے تھے، ایک مرتبہ ابن زبیرؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے حضرت عمرؓ ادھر سے گذرے تو سب بچے ان کو دیکھ کر بھاگ گئے، لیکن عبداللہؓ بدستور اپنی جگہ کھڑے رہے، حضرت عمرؓ نے پوچھا، تم کیوں نہیں بھاگے، انھوں نے کڑک کر جواب دیا، میں کیوں بھاگتا، نہ میں نے کوئی جرم کیا تھا، اور نہ راستہ تنگ تھا کہ آپ کے لیے چھوڑ دیتا[2]، ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۳۳ [2] یہ دونوں واقعے ابن اثیر ج ۳ ص ۳۹۳ سے ماخوذ ہیں

کہ عبداللہؓ بچپن ہی سے کس قدر جری اور دلیر تھے،

عہد خلفاء

عہد رسالت اور عہد صدیقی میں ابن زبیرؓ کم سن تھے، اس لیے ان دونوں زمانوں کا کوئی واقعہ ذکر کے قابل نہیں ہے، البتہ ایک روایت سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ خندق میں وہ ایک اونچے ٹیلے پر سے غزوۂ خندق کا تماشا دیکھتے تھے، اس وقت ان کی عمر کل چار پانچ سال کی تھی، اس روایت سے بھی ان کی فطری جرأت و بہادری کا پتہ چلتا ہے، ورنہ کم سن بچہ ایسے ہولناک مناظر کے تخیل سے سہم جاتا، لیکن ابن زبیرؓ نے اسے دیکھا، اور محفوظ رکھا[1]

حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانہ میں بھی بچپن ہی تھا، البتہ آخری عہد میں نوجوانی کا آغاز ہوگیا تھا، چنانچہ سنہ ۲۲ھ میں جبکہ ان کی عمر ۱۲ سال کی تھی، سب سے اول یرموک کی جنگ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ شریک ہوئے،[2] اور غالباً یہ اُن کے میدانِ جہاد میں قدم رکھنے کا پہلا موقع تھا، اس شرکت نے ان کی فطری صلاحیت کو ابھار دیا، اور میدانِ جنگ ایسا بھایا کہ پھر مرتے دم تک تلوار ہاتھ سے نہ چھوٹی۔

جنگ طرابلس

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں پورے آزمودہ کار بہادر ہوگئے تھے، اس لیے ان کے اصل کارناموں کا آغاز اسی عہد سے ہوتا ہے، چنانچہ اس عہد میں سب سے اول طرابلس کی جنگ میں شریک ہوئے، اس کی تسخیر درحقیقت عبداللہؓ ہی کی خوش تدبیری کا نتیجہ تھی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ سنہ ۲۶ھ میں جب عبداللہ بن ابی سرح نے طرابلس پر حملہ کیا تو یہاں کا حاکم جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار لشکر جرار کے ساتھ مقابلہ کو نکلا، عرصہ تک دونوں میں نہایت پرزور مقابلہ ہوتا رہا، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوسکا، حضرت عثمانؓ کو میدانِ جنگ

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۵۵ [2] اصابہ ج ۴ ص ۷۱،

کے حالات کی کوئی خبر نہ ملتی تھی، اس لیے آپ نے ابن زبیرؓ کو ایک دستہ کے ساتھ دریافت حال کے لیے بھیجا، یہ طرابلس پہنچے، تو مسلمانوں نے انھیں دیکھ کر تکبیر کا نعرہ لگایا، جرجیر نے اس کا سبب پوچھا، معلوم ہوا مسلمانوں کا امدادی دستہ آیا ہے، یہ سنکر وہ گھبرا گیا، عبداللہ ابن زبیرؓ کے آنے سے پہلے جنگ نہایت بے ترتیب ہو رہی تھی، مقابلہ کا کوئی وقت معین نہ تھا، انھوں نے آتے ہی سب سے پہلے صبح سے دوپہر تک کا وقت مقابلہ کے لیے مقرر کیا، چنانچہ روزانہ صبح سے دوپہر تک مقابلہ ہونے لگا، بعد نماز مجاہدین اپنے اپنے خیموں میں چلے جاتے تھے،

ابن زبیرؓ تمام مجاہدین کو میدانِ جنگ میں دیکھتے تھے، لیکن ابن ابی سرح انھیں کہیں نظر نہ آتا تھا، سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ جرجیر نے اعلان کیا ہے کہ "جو شخص عبداللہ بن سعد کا سر لائیگا، اس کو ایک لاکھ دینار انعام دیا جائیگا اور اپنی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ دیگا" اس اعلان کی وجہ سے وہ کھلے بندوں نہیں نکلتا ہے، یہ سنکر ابن زبیرؓ، عبداللہ بن سعد کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ اس میں خوف کی کیا بات ہے، تم بھی اعلان کرادو کہ "جو شخص جرجیر کا سر لائے گا اس کو ایک لاکھ نقد انعام دیا جائے گا، اس کی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ دیجائیگی اور اس کے پورے ملک کا اسے حکمراں بنا دیا جائے گا" ابن زبیرؓ کے اس مشورہ کے مطابق عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے یہ اعلان کرادیا، اس اعلان پر جرجیر عبداللہ بن سعد سے بھی زیادہ ہراسان ہوگیا،

لیکن جنگ پر اس کا کوئی اثر نہ پڑا، وہ برابر طول کھینچتی چلی جارہی تھی، اور کوئی فیصلہ نہ ہوتا تھا، ایک دن ابن زبیرؓ نے ابن ابی سرح سے کہا کہ جنگ کا سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا، ہم لوگ اپنے ملک سے بہت دور ہیں، ہمارا حریف اپنے ملک کے اندر ہے، اس کو ہر طرح مدد مل رہی ہے، اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ کل ہم لوگ فوج کے ایک حصہ کو آرام کرنے

دیں اور ایک حصہ کو لیکر مقابلہ کے لیے نکلیں، جب معمول کے مطابق رومی تھک کر لوٹ جائیں، تو ہم لوگ تازہ دم فوج لیکر فوراً حملہ کردیں، اس تدبیر سے ممکن ہے خدا ہمیں کامیاب کردے، ابن ابی سرح نے یہ مشورہ عام صحابہ کے سامنے پیش کیا، سب نے اس مفید تجویز کی تائید کی چنانچہ دوسرے دن اسلامی فوج کے تمام منتخب بہادروں کو ساز وسامان سے لیس کرکے خیموں میں چھوڑ دیا گیا، اور باقی مسلمان میدان میں نکلے، صبح سے دوپہر تک نہایت زوردار مقابلہ ہوتا رہا بعد دوپہر جب معمول کے مطابق رومیوں نے اپنے خیموں میں لوٹنا چاہا تو ابن زبیرؓ نے اس کا موقع نہ دیا اور برابر جنگ کا سلسلہ جاری رکھا جب فریقین تھک کر چور ہوگئے، تو ایک دوسرے سے الگ ہوکر اپنے اپنے لشکرگاہ پر لوٹ گئے، رومیوں کے واپس جاتے ہی ابن زبیرؓ تازہ دم فوج لیکر پہنچ گئے، اور رومیوں پر اس طرح اچانک ٹوٹ پڑے کہ ان کو ہتھیار سنبھالنے کا بھی موقع نہ مل سکا، اور انھوں نے نہایت فاش شکست کھائی، اس معرکہ میں جرجیر کی لڑکی بھی گرفتار ہوئی،

رومیوں کو میدان سے ہٹانے کے بعد ابن ابی سرح نے محاصرہ کرکے شہر فتح کیا، اس میں اتنا بڑا مال غنیمت ہاتھ آیا کہ فی سوار تین تین ہزار اور فی پیادہ ایک ایک ہزار دینار حصہ میں پڑا، سبیطلہ کی فتح کے بعد ابن ابی سرح نے سارے طرابلس میں اپنی فوجیں پھیلادیں، اور ابن زبیرؓ فتح کا مژدہ لیکر مدینہ منورہ گئے، اس طرح طرابلس کی فتح کا سہرا درحقیقت ابن زبیرؓ ہی کے سر رہا[1]

طبرستان کی فوج کشی میں شرکت افریقہ کی فتح کے بعد ۳۰ھ میں طبرستان کی فوج کشی میں شریک ہوئے، اور نمایاں حصہ لیا،[2] ان دونوں مہموں کے علاوہ اس عہد کے اکثر معرکوں

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۶۸ تا ۷۰، [2] ایضاً ص ۸۴،

میں ابن زبیرؓ نے داد شجاعت دی، لیکن ان میں ان کے کوئی نمایاں کارنامے نہیں ہیں، اس لیے ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں،

حضرت عثمانؓ کی حفاظت حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دور تک مسلمانوں کا شیرازہ بندھا ہوا تھا، دوران کی تمام قوتیں غیر مسلموں کے مقابلہ میں صرف ہوتی تھیں، اس لیے جدھر رخ کر دیتے تھے فتح و نصرت ان کے قدم لیتی تھی، لیکن چند ہی برسوں میں دفعتہً حالات بدل گئے اور مسلمانوں میں ایسا تفرقہ پیدا ہوا کہ پھر ان کی شیرازہ بندی نہ ہو سکی، ابتدا میں چند اشخاص کو حضرت عثمانؓ کے خلاف کچھ شکایتیں تھیں، فتنہ پردازوں نے انھیں آڑ بنا کر حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسی زبردست آگ جگائی کہ مسلمانوں کی پنتیس ۳۵ سالہ مساعی جل کر خاکستر ہو گئیں۔ اور ۳۵ھ میں شورش پسندوں کی جسارت یہاں تک بڑھ گئی کہ خلیفۃ المسلمین کو قصر خلافت میں گھیر لیا ایسے نازک وقت میں خلیفۂ مظلوم کی حفاظت کے لیے جو سرفروش نکلے تھے، اُن میں ایک عبداللہ ابن زبیرؓ بھی تھے[1]

حضرت عثمانؓ کی شہادت جنگ جمل لیکن حضرت عثمانؓ کے خلاف جو طوفان اٹھایا گیا تھا، وہ ایسا نہ تھا کہ چند مخلصین کے روکنے سے تھم جاتا، چنانچہ اس نے حضرت عثمانؓ کی شمع حیات بجھا کر دم لیا، آپ کی شہادت پر صحابہ میں تین گروہ ہو گئے تھے، ایک گروہ خانہ نشین ہو گیا تھا، دوسرا حضرت علیؓ کے ساتھ آپ کی حمایت میں تھا اور تیسرا خلیفۂ مظلوم کا قصاص لینے پر آمادہ تھا، اس آخری جماعت کے سرگروہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، عبداللہ اور عائشہؓ صدیقہ تھیں، اس اختلاف نے صحابہ کے دو گروہوں کو باہم صف آرا کر دیا حضرت عثمانؓ کے انتقام لینے والے گروہ کی قیادت حضرت عائشہؓ کرتی تھیں، اور حضرت علیؓ ان کے

[1] تاریخ الخلفا سیوطی ص ۱۵۹

اس جنگ میں ابن زبیرؓ اپنی خالہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم کی حفاظت میں اس بہادری اور بے جگری سے لڑے کہ سارا بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا، اختتام جنگ کے بعد شمار کیا گیا تو تلواروں اور نیزوں کے ۴۰ سے زیادہ زخم بدن پر تھے[1]

یزید کی ولیعہدی اور ابن زبیرؓ کی مخالفت جنگ جمل میں خالہ کی محبت اور ناموس نبوت کی حمایت میدان جنگ میں کھینچ لائی تھی، لیکن اس کے بعد صفین کی خانہ جنگی میں مطلق کوئی حصہ نہیں لیا، بلکہ رفع شر کے خیال سے امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اور اس وقت تک اس بیعت پر قایم رہے، جب تک امیر معاویہؓ نے اسلامی خلافت کو موروثی سلطنت بنانے کی کوشش نہیں کی، لیکن جب انھوں نے یزید کو ولیعہد بنانے کا ارادہ کیا تو ابن زبیرؓ نے اس کی بڑی پر زور مخالفت کی، چنانچہ جب امیر معاویہؓ یزید کی بیعت لینے کے لیے مدینہ آئے اور حضرت حسینؓ، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ وغیرہ کو بلایا تو ان لوگوں نے ان سے گفتگو کرنے کے لیے ابن زبیرؓ کو اپنا نمایندہ منتخب کیا، امیر معاویہؓ نے ان بزرگوں سے کہا کہ تم لوگوں کے ساتھ میرا جو طرز عمل ہے، تمھارے ساتھ جس قدر صلہ رحمی کرتا ہوں، اور تمھاری جتنی باتیں انگیز کرتا ہوں، وہ سب تم کو معلوم ہیں، یزید تمھارا بھائی اور تمھارا ابن عم ہے، میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم لوگ صرف نام کے لیے اس کو خلیفہ کا لقب دیدو، باقی عمال کا عزل ونصب، خراج کی تحصیل وصول، اور اس کا صرف، سب تم ہی لوگوں کے ہاتھوں میں رہے گا، اور وہ اس میں کوئی مزاحمت نہ کرے گا، یہ سنکر سب خاموش ہو گئے، کسی نے کوئی جواب نہ دیا، ان کی خاموشی پر امیر معاویہؓ نے ابن زبیرؓ سے کہا، تم ان کے خطیب اور نمایندہ ہو، اس لیے تم جواب دو، انھوں نے کہا اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] اصابہ ج ۴ تذکرہ عبداللہ بن زبیرؓ

ابوبکرؓ و عمرؓ میں سے کسی ایک کا طریقہ انتخاب بھی اختیار کیجئے تو اس کے قبول کرنے میں ہم کو کوئی عذر نہ ہوگا، امیرؓ نے کہا ان دونوں کا طریقہ کیا، ابن زبیرؓ نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت کسی کو خلیفہ نہیں بنایا، آپ کے بعد مسلمانوں نے ابوبکرؓ کو منتخب کر لیا۔ امیر معاویہؓ نے کہا یہ سچ ہے لیکن آج ہم میں ابوبکرؓ جیسی شخصیت کس کی ہے جس پر سب کا اتفاق ہو جائے۔ ایسی صورت میں تو اختلاف کے اور زیادہ بڑھنے کا خوف ہے۔ ابن زبیرؓ نے کہا تو پھر ابوبکرؓ کا طریقہ اختیار کیجئے کہ انھوں نے ایک ایسے شخص کو خلیفہ بنایا جس کا نسبی تعلق قریش سے دور پر ملتا تھا، اور وہ ان کا عزیز بھی نہ تھا، یا عمرؓ کا طریقہ اختیار کیجئے کہ انھوں نے چھ آدمیوں کو نامزد کرکے اُن میں سے ایک کا انتخاب مجلس شوریٰ پر چھوڑ دیا، اور چھوؤں آدمیوں میں سے کوئی بھی نہ ان کی اولاد میں تھا، اور نہ ان کے باپ کی اولاد میں۔ امیر معاویہؓ نے کہا " اس کے علاوہ اور کوئی صورت ہے "؟ ابن زبیرؓ نے کہا " نہیں[1] "

اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کی تفصیل امیر معاویہؓ کے حالات میں گذر چکی ہے، اس لیے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں، امیر معاویہؓ ابن زبیرؓ کی اس دلیری و جرأت سے ہمیشہ ان سے کھٹکتے رہے، چنانچہ اپنی وفات کے وقت جب انھوں نے ابن زبیرؓ اور ان کے معاصرین کے متعلق یزید سے وصیت کی تو ابن زبیرؓ کے خطرے سے اس کو خاص طور سے آگاہ کیا، کہ " جو شخص لومڑی کی طرح کاوے دیکر شیر کی طرح حملہ آور ہوگا وہ عبداللہ بن زبیرؓ ہیں، اگر وہ مصالحت کر لیں تو خیر، ورنہ قابو پانے کے بعد ان کو ہرگز نہ چھوڑنا[2] "

امیر معاویہؓ کا انتقال، حضرت حسینؓ کا سفر کوفہ اور ابن زبیرؓ کا مشورہ | یزید کی ولیعہدی کی بیعت کے چار سال

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۱۴ [2] الفخری ص ۱۰۳ و طبری،

کے حکم سے سرتابی کرے گا؟ پھر ابن زبیرؓ سے کہا اگر یہ کبوتر اس استفسار پر ہاں کہتا تو خاک و خون میں تڑپتا نظر آتا، ابن عضاہ کا یہ جواب سنکر ابن زبیرؓ اس وفد کے ایک دوسرے رکن نعمان بن بشیر کو تخلیہ میں لے گئے اور ان کے سامنے اپنا اور یزید کا موازنہ کیا، نعمان نے کہا مجھکو آپکے تمام فضائل کا [illegible] ہے، یہ اقرار کرانے کے بعد کہا کہ اس کے بعد بھی تم مجھکو یزید کی بیعت کا مشورہ دوگے؟ نعمان نے کہا، اگر آپ میری ذاتی رائے پوچھتے ہیں تو میں کبھی آپ کو مشورہ نہ دوں گا، اور نہ آئندہ اس مقصد کے لیے آپ کے پاس آؤں گا، اس گفتگو کے بعد شامی وفد ناکام واپس چلا گیا، اور یزید کے سامنے بیان دیا کہ ابن زبیرؓ بیعت کے لیے آمادہ نہیں ہیں، مسلم بن عقبہ مری نے نعمان کی شکایت کی کہ انھوں نے ابن زبیرؓ سے تخلیہ میں کچھ گفتگو کی تھی، اور اس گفتگو کے بعد وہ بغیر اپنا کام پورا کیے ہوئے لوٹ آئے۔

ابن زبیرؓ کا دعویٰ خلافت اور شامی فوج کا مدینۃ الرسول کا لوٹنا

شامی وفد کی واپسی کے بعد ابن زبیرؓ نے تہامہ اور اہل حجاز کو اپنی بیعت کی دعوت دی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور محمد بن حنفیہ کے علاوہ باقی اور تمام لوگوں نے بیعت کرلی، بیعت لینے کے بعد انھوں نے یزید کے عمال کو مدینہ سے نکال دیا، اور یہاں سے بنی امیہ کی حکومت اٹھ گئی، یزید کو ان حالات کی خبر ہوئی تو اس نے مسلم بن عقبہ مری کو ایک فوج گراں کے ساتھ حجاز روانہ کیا، اور ہدایت کردی کہ پہلے اہل مدینہ کی تادیب کی جائے (انھوں نے بھی مکہ والوں کی طرح اپنے یہاں سے اموی عمال کو نکال دیا تھا) اور مدینہ سے فراغت کے بعد پھر مکہ میں ابن زبیرؓ کا مقابلہ کیا جائے، چنانچہ اس ہدایت کے مطابق مسلم پہلے مدینہ آیا، یہاں کے باشندے پہلے سے مقابلہ کے لیے تیار تھے، دونوں میں نہایت پُرزور مقابلہ ہوا لیکن اہل مدینہ حکومت کی طاقت کی تاب نہ لاسکے اور شکست کھا گئے، اس معرکہ میں بہت سے انصار شہید ہوئے

اور شامی فوج تین شبانہ روز تک نہایت بے دردی کے ساتھ مدینۃ الرسول کو لوٹتی رہی اور یہاں کے باشندوں کو بے دریغ قتل کرتی رہی، پھر باشندگانِ مدینہ سے بزورِ شمشیر یزید کی بیعت لے کر مکہ روانہ ہوئی[1]

مکہ کا محاصرہ اور یزید کی موت ابھی مسلم مکہ نہ پہنچا تھا کہ اس کا وقت آخر ہو گیا، اور وہ راستہ ہی میں حصین بن نمیر کو اپنا جانشین بنا کر چل بسا، اس وقت ابن زبیرؓ حرم محترم میں پناہ گزین تھے، حصین بن نمیر نے مکہ پہونچ کر حرم کا محاصرہ کر لیا، اور جبل ابو قبیس پر منجنیق نصب کر کے خانہ کعبہ پر آتش باری شروع کر دی، اس آتش باری سے کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا[2]

ابن زبیرؓ اور حصین میں مقابلہ جاری تھا کہ ربیع الاول ۶۴ھ میں یزید کا انتقال ہو گیا اس کی موت سے شامیوں کی ہمت چھوٹ گئی، اور حصین بن نمیر نے ابن زبیرؓ سے کہلا بھیجا کہ جس کے لیے ہم لڑتے تھے وہ مر گیا، اس لیے اب صلح کر کے حرم کے دروازے کھول دو، تاکہ ہمارے آدمی خانہ کعبہ کا طواف کر لیں، اور اب آپس میں ملنا جلنا چاہیے، اس کی اس درخواست پر ابن زبیرؓ نے حرم کے دروازے کھول دیے، اور شامی بلا تکلف طواف کرنے لگے، اس سلسلہ میں ایک دن ابن زبیرؓ اور حصین میں ملاقات ہو گئی؛ یہ وہ وقت تھا کہ یزید کی وفات سے بنی امیہ کی قوت کمزور پڑ چکی تھی، اور اس وقت ان میں کوئی ایسا باجبروت شخص نظر نہ آتا تھا جو حکومت سنبھال سکتا؛ اس لیے حصین نے ابن زبیرؓ کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے کہا، اگر آپ میرے ساتھ شام چلیں، تو وہاں میں آپ کی بیعت کے لیے کوشش کروں۔ ان لوگوں (بنی امیہ) کا معاملہ اب

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۶۴ تا ۲۶۷، ابن اثیر نے اس کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، ہم نے صرف نتیجہ پر اکتفا کی [2] ابو الفداء ج ۲ ص ۱۹۲

کمزور پڑ چکا ہے، اور موجودہ وقت میں آپ سے زیادہ کوئی شخص خلافت کا مستحق نظر نہیں آتا، یہ رازدارانہ گفتگو سنکر ابن زبیرؓ نے حصین کا ہاتھ جھٹک دیا، اور بآواز بلند جواب دیا جب تک ایک ایک حجازی کے بدلہ میں دس دس شامیوں کا سر نہ قلم کر لوں گا اس وقت تک یہ ناممکن ہے، حصین نے مایوس ہو کر جواب دیا "جو شخص تم کو داہیۂ عرب میں شمار کرتا ہے، وہ غلطی پر ہے، میں تم سے راز کی گفتگو کرتا ہوں اور تم چلا کر اس کا جواب دیتے ہو، میں تم کو امن و سلامتی کی طرف بلاتا ہوں اور تم میدان جنگ میں کھینچتے ہو"
ابن زبیرؓ کا یہ رنگ دیکھ کر حصین فوج لیے ہوئے شام چلا گیا[1]،

درحقیقت ابن زبیرؓ کو یہ بہترین موقع ملا تھا، اگر جذبات سے مغلوب ہو کر اسے نہ کھو دیتے اور حصین کی دعوت قبول کر لیتے تو آج بنو امیہ کی تاریخ کا کہیں وجود نہ ہوتا، اور تاریخ اسلام کسی اور رنگ پر ہوتی، مگر ان کی قسمت میں تو مقتول ہونا لکھا تھا،

معاویہ بن یزید کی تخت نشینی اور دست برداری

یزید کے بعد اس کا لڑکا معاویہ تخت نشین ہوا، وہ طبعاً سلیم الفطرت تھا، اس لیے بنی امیہ کی بے عنوانیوں سے بہت جلد بددل ہو گیا اور تخت نشینی کے چند ہی مہینوں کے بعد اپنے اہل خاندان کو جمع کر کے کہا کہ مجھ میں تمہاری حکومت کو سنبھالنے کی طاقت نہیں ہے، اور تم میں کوئی عمر بن الخطابؓ نظر نہیں آتا جسے خلیفہ بنا دوں، اور نہ اہل شوریٰ ہی نظر آتے ہیں کہ ان پر معاملہ چھوڑ دوں، تم اپنے معاملات کو زیادہ سمجھ سکتے ہو اس لیے جسے چاہو خلیفہ بنا لو، یہ کہہ کر خلافت سے دستبردار ہو گیا[2]،

معاویہ بن یزید کی دستبرداری کے بعد بنی امیہ کی خلافت قریب قریب ختم ہو گئی اور تمام اسلامی ممالک نے ابن زبیرؓ کی خلافت تسلیم کر لی تھی، شام میں بھی ان کا کوئی حریف باقی

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۰۷، [2] [illegible] ابن زبیرؓ [illegible] ص ۹۳،

نہ رہا، کیونکہ مروان بن حکم اور دوسرے اکابر بنی امیہ مدینہ میں تھے، لیکن ان میں بھی ابن زبیرؓ
کے مقابلہ کا دم باقی نہ تھا، چنانچہ مروان اُن کی بیعت پر آمادہ ہو گیا تھا، لیکن اس موقع پر
پھر ابن زبیرؓ نے بڑی سیاسی غلطی کی، جو پہلی غلطی سے بھی زیادہ سخت تھی،[1] انھوں نے
انتقام کے جوش میں جس قدر بنی امیہ مدینہ میں تھے، سب کو حکماً نکلوا دیا، ان میں مروان بھی
تھا، بلکہ مروان کا لڑکا عبدالملک اُس وقت بیمار تھا، اس کی بیماری کی وجہ سے مروان سفر
سے معذور تھا، لیکن ابن زبیرؓ کے سخت احکام کے سامنے اس کو قیام کرنے کی ہمت نہ
پڑی، اور اسے بیمار عبدالملک کو لیکر مجبوراً مدینہ چھوڑنا پڑا، بنو امیہ کے مدینہ سے نکلنے
کے بعد ابن زبیرؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور انھوں نے بنی امیہ کی تلاش میں آدمی
دوڑائے، مگر وہ قابو سے باہر ہو چکے تھے،[2] اس غلطی سے بنی امیہ کو قدم جمانے کا موقع
مل گیا، اگر عبداللہ بن زبیرؓ انھیں مدینہ میں رہنے دیتے تو یہ خاندان بنی امیہ میں ان کا
مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا، اور دمشق کا تخت ان کے لیے بالکل خالی ہو جاتا، مگر ان
کی قسمت میں بے دردی کے ساتھ حرم میں ذبح ہونا مقدر ہو چکا تھا، اس لیے خود
اپنے ہاتھوں سے اس کے اسباب مہیا کر دیے۔

شام میں مروان کی بیعت بنی امیہ مدینہ سے نکل کر شام پہونچے، اُس وقت یہاں کی حکومت
بڑی ابتر ہو رہی تھی، گو ابن زبیرؓ کا اثر یہاں بھی پہونچ چکا تھا، تاہم بنی امیہ کے پایہ تخت
ہونے کی وجہ سے ان کے حامیوں کی بھی خاصی جماعت موجود تھی، مروان جس وقت شام
پہونچا، اُس وقت اسے دو قسم کی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، ایک عبداللہ بن زبیرؓ کے
شامی حامیوں کی، دوسرے خود اپنے اہل خاندان کی، اس لیے کہ بنی امیہ میں اس وقت

۱؎ اس سے اوپر حصین بن نمیر کے مشورہ کی مخالفت کا ذکر اوپر گذر چکا ہے ۲؎ یعقوبی ج ۲ ص ۳۰۳ و ۳۰۴

مروان کے علاوہ عمرو بن سعید اور خالد بن یزید بھی خلافت کے دعویدار تھے، چنانچہ عرصہ تک اُن میں کشمکش جاری رہی اور جنگ وجدال تک کی نوبت بھی آگئی، لیکن آخر میں بنی امیہ کے ایک خیر خواہ روح بن زنباع جذامی کی کوششوں سے یہ اختلاف ختم ہوگیا، اور ذی الحجہ ۶۴ھ میں مروان کا انتخاب ہوگیا، اور اس کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید اور عمرو ابن سعید، ولیعہدی کے لیے نامزد کر دیے گئے۔ اس طرح بنی امیہ کی گرتی ہوئی عمارت سنبھل گئی[1]

شام سے ابن زبیرؓ کے داعیوں کا اخراج اور مروان کا قبضہ

گو مروان کی بیعت کے بعد بنی امیہ کے اکھڑے ہوئے پاؤں جم گئے، لیکن ابھی تک تمام ممالک اسلامیہ پر ابن زبیرؓ کا اثر غالب تھا، مصر، کوفہ، بصرہ، عواصم، خراسان میں ان کے داعی دوڑ رہے تھے، بلکہ خود شام میں حمص، قنسرین اور دمشق ان ہی کے زیر اثر تھے۔ خاص پایۂ تخت دمشق پر ابن زبیرؓ کے داعی ضحاک بن قیس کا قبضہ تھا، اس لیے زمام حکومت سنبھالنے کے بعد ہی مروان نے ابن زبیرؓ کے کارکنوں کے اخراج کی طرف توجہ کی، اور سب سے پہلے وہ اموی پایۂ تخت دمشق کی طرف بڑھا، یہاں ابن زبیرؓ کا داعی ضحاک بن قیس تھا، اور دوسرے شامی دحاۃ کی امداد و اعانت بھی اس کو حاصل تھی، اس لیے مروان کا اور اس کا بہت زبردست مقابلہ ہوا، اس مقابلہ میں ضحاک مارا گیا، اور اس کے ساتھی بھاگ نکلے۔ اس کے قتل کی خبر حمص پہنچی تو وہاں کا رکن نعمان بن بشیر بھی حمص چھوڑ کر بھاگا، مگر راستہ میں قتل کر دیا گیا، قرقیسیا کے داعی نے بھی ان دونوں کا انجام دیکھ کر میدان خالی کر دیا، اس کے بعد مروان نے فلسطین پر بھی قبضہ کر لیا، اس طرح شام کے

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو ابن اثیر ج ۴ ص ۱۲۰ تا ۱۲۲

وہ مقامات جو ابن زبیرؓ کے زیر اثر تھے، پھر بنی امیہ کے قبضہ میں آگئے۔[۱]

مصر پر قبضہ | مصر میں عبدالرحمن بن جحدم ابن زبیرؓ کی دعوت میں مصروف تھا، اس لیے شام سے فراغت کے بعد مروان مصر کی طرف بڑھا، عبدالرحمن اس کے مقابلے کے لیے نکلا اس کے نکلنے کے ساتھ دوسری سمت سے عمرو بن سعید اموی مصر میں داخل ہو گیا، عبدالرحمن سے کچھ نہ بن پڑا، اور اس نے گھبرا کر سپر ڈال دی، اور مصر میں بھی مروان کی بیعت ہو گئی، مصر پر قبضہ کے بعد مروان دمشق واپس جا رہا تھا کہ راستہ میں اطلاع ملی کہ عبدالرحمن بن زبیرؓ کے بھائی مصعب دمشق پہونچ گئے ہیں، یہ سنکر مروان نے فوراً عمرو بن سعید کو مصعب کے اخراج کے لیے آگے روانہ کر دیا، اس نے دمشق پہونچ کر مروان کے پہونچنے کے قبل ہی مصعب کو نکال دیا، اور مروان پایۂ تخت میں داخل ہو گیا۔[۲]

مروان کی وفات اور عبدالملک کی تخت نشینی | اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مروان کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید اور عمرو بن سعید ولیعہد نامزد کیے گئے تھے، مصر و شام وغیرہ پر قبضہ کے بعد مروان نے ان دونوں کا نام خارج کر کے اپنے بیٹے عبدالملک کو ولیعہد بنا دیا، اس کے چند ہی دنوں کے بعد اس کا پیام اجل آگیا۔ چنانچہ رمضان ۶۵ھ میں وہ چل بسا، اس کی وفات کے بعد عبدالملک اس کا جانشین ہوا،

مختار ثقفی کا خروج | بنی امیہ اور ابن زبیرؓ کی کشمکش کے زمانہ میں بنی ثقیف کے ایک گمنام مگر عالی دماغ شخص مختار بن ابی عبید ثقفی کو قسمت آزمائی کا حوصلہ پیدا ہوا، مگر اس کے جیسے معمولی آدمی کا کسی سہارے کے بغیر کامیاب ہونا مشکل تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب ابن زبیرؓ کا اثر غالب تھا، اس لیے وہ شروع میں ان کے ساتھ ہو گیا، اور حسن تدبیر سے ان کے مزاج

---

[۱] یعقوبی ج ۲ ص ۳۰۵ تا ۳۰۶، [۲] ایضاً

میں بڑا رسوخ پیدا کر لیا[۵] لیکن چند دنوں کے بعد اس کو اندازہ ہوا کہ ان کے ساتھ رہ کر وہ حصولِ مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا، تو وہ توابین کی تحریک یعنی حضرت امام حسین رضؓ کے خون کا انتقام لینے والی جماعت میں جو اسی زمانہ میں قایم ہوئی تھی شامل ہو گیا، اور جب اس تحریک کے سرگروہ مختلف لڑائیوں میں کام آگئے تو خود اس کا رہنما بن گیا لیکن ابن زبیر رضؓ سے بھی تعلق قایم رکھا، اوران پر اس کو ظاہر نہ ہونے دیا، اور اس تحریک کو مؤثر بنانے کے لیے حضرت امام زین العابدین رضؓ سے اس کی سرپرستی قبول کرنے کی درخواست کی، اس سلسلہ میں اس نے بہت سے گمراہ کن عقائد بھی اختراع کیے تھے، جن کا امام موصوف کو علم تھا، اس لیے انھوں نے اس کی درخواست مسترد کر دی، اور مسجدِ نبویؐ میں تقریر کرکے مختار کی گمراہی اور مکر و زور کا پردہ فاش کیا، اور فرمایا کہ اس شخص نے محض لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے اہلِ بیت کی دعوت کو آڑ بنایا ہے، ورنہ اس کو ان سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان سے مایوس ہونے کے بعد مختار حضرت امام حسین رضؓ کے سوتیلے بھائی محمد بن حنفیہ کے پاس پہنچا، اور ان سے امامت قبول کرنے کی درخواست کی، امام زین العابدین رضؓ نے انھیں بھی روکا، اور کہا کہ "اہلِ بیت کی محبت میں اس کا ظاہر اس کے باطن سے بالکل مختلف ہے، اور وہ یہ دعویٰ صرف محبانِ اہلِ بیت کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے، ورنہ حقیقت میں اس کو اہلِ بیت کی دوستی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ ان کا دشمن ہے، میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہیے" محمد بن حنفیہ نے ابن عباس رضؓ سے رائے لی، اس زمانہ میں ابن زبیر رضؓ ان دونوں کو بیعت کے لیے مجبور کر رہے تھے، اور ان کو ان کا جانب سے خطرہ تھا، اس لیے مختار کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ابن عباس رضؓ نے

---

۵ ابن سعد ج ۵ ص ۷۱

اپنے مشن میں غیر معمولی کامیابی ہوئی، ہزاروں آدمی اس کے ساتھ ہوگئے، اس وقت ابن زبیرؓ کی جانب سے عبد اللہ بن مطیع کوفہ کے عامل تھے، انھوں نے مختار کے پاس عوام کی آمد و رفت دیکھی تو اس کی طرف سے کھٹک گئے، اور مختار سے اس کا سبب پوچھا، اس نے جواب دیا، لوگ عیادت کے لیے آتے ہیں، اس جواب سے وقتی طور پر معاملہ ٹل گیا، لیکن اس قسم کے حیلوں سے اس کی کوششیں زیادہ دنوں تک راز نہیں رہ سکتی تھیں، اور ابھی اس میں اتنی قوت نہیں پیدا ہوئی تھی کہ وہ عبد اللہ بن مطیع کے مقابلہ میں علی الاعلان آجاتا، اس لیے اس کو کوفہ میں کسی با اثر پشت پناہ کی ضرورت تھی، حسن اتفاق سے یہاں کے ایک مقتدر اور با اثر شخص ابراہیم بن اشتر نخعی حضرت علیؓ کے حامیوں میں تھے، مختار کی نظر انتخاب ان پر پڑی، اس نے محمد بن حنفیہ کی جانب سے انھیں ایک فرضی خط دیکر ان کو اپنا حامی بنالیا، اور ابراہیم اس کے پاس آنے جانے لگے، کوفہ کے پولیس افسر ایاس بن نضار کو خبر ہوئی تو انھوں نے روک ٹوک کی، مگر ابراہیم نے اپنی قوت اور اپنے اثر کے زعم میں اس کی ایک نہ سنی، ایاس نے تنبیہ بھی کی کہ تمھاری آمد و رفت سے میرا شبہ بڑھتا ہے اس لیے آیندہ اس کا سلسلہ بند کرکے خاموشی سے گھر میں بیٹھو، ورنہ تمھارا سر قلم کردیا جائیگا، مگر ابراہیم کوفہ کے معزز و مقتدر آدمی تھے وہ اس کی دھمکی کو خاطر میں نہ لائے اور مختار کو اس واقعہ کی اطلاع دیکر اس سے اس کے قتل کی اجازت مانگی، مختار نے اجازت دیدی، اجازت ملنے کے بعد ابراہیم نے نہایت جرأت اور دلیری کے ساتھ ایاس کو قتل کردیا،

عبد اللہ بن مطیع کا اخراج اور عراق پر مختار کا قبضہ

عبد اللہ بن مطیع حاکم کوفہ کو ایاس کے قتل کی اطلاع ہوئی تو اس نے ابراہیم کی گرفتاری کے لیے آدمی بھیجے، لیکن اب معاملہ

دار و گیر کی حد سے آگے بڑھ چکا تھا، اور مختار کی قوت بہت بڑھ چکی تھی، اسکے آدمی ابراہیم کی مدد کو پہونچ گئے، اور ابراہیم نے عبداللہ بن مطیع کے آدمیوں کو بھگا دیا، اور مختار نے عبداللہ کو قصر امارت میں گھیر لیا، عبداللہ نے مقابلہ کیا، مگر شکست کھائی، اور مختار کے آدمیوں نے محل میں اترنے کے لیے کمند ڈال دی، عبداللہ نے جب دیکھا کہ اس کی جان بچنا مشکل ہے، تو امان مانگ لی، مختار نے اس کی جان بخشی کی، اور ایک لاکھ نقد دیکر آزاد کر دیا کہ جہاں دل میں آئے چلا جائے، اور کوفہ اور اس کے ساتھ سارے عراق پر مختار کا قبضہ ہو گیا، اور تمام مقامات پر اس نے اپنے عمال مقرر کر دیے[1] اور عراق میں صرف بصرہ ابن زبیرؓ کے پاس رہ گیا،

محمد بن حنفیہ کی قید اور رہائی | کوفہ پر مختار کے قبضہ کے بعد کوفی شیعان ابن حنفیہ کو آزادی کے ساتھ ابن زبیرؓ کی مخالفت کا موقع مل گیا، چنانچہ انھوں نے علانیہ ابن حنفیہ کی دعوت شروع کر دی، ابن زبیرؓ عرصہ سے ابن عباسؓ اور ابن حنفیہ سے بیعت لینے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن اب تک ان پر جبر نہ کیا تھا، عراق پر مختار کے قبضہ کے بعد جب ان پر اسکی حقیقت ظاہر ہوئی اور ابن حنفیہ اور ابن عباسؓ سے اس کا تعلق معلوم ہوا تو انھوں نے محمد بن حنفیہ اور ان کے ساتھیوں پر بیعت کے لیے دباؤ ڈالا، اور ان کو اور بعض روایتوں کے مطابق ابن عباسؓ کو بھی زمزم کی چار دیواری میں قید کر کے ایک مدت مقرر کر دی کہ اگر وہ لوگ اس مدت میں بیعت نہ کر لیں گے تو انھیں جلا دیا جائے گا، محمد بن حنفیہ نے مختار کو اس کی اطلاع دی، اس نے تھوڑی سی فوج محمد بن حنفیہ کو چھڑانے کے لیے بھیجدی، اور ۴ لاکھ درہم ان کے خرچ کے لیے بھیجے، اس فوج نے محمد بن حنفیہ اور ان کے ساتھیوں

---

[1] یہ تمام حالات ملخصاً اخبار الطوال دینوری ص ۲۹۶ تا ۳۰۰ سے ماخوذ ہیں۔

کو قید سے چھڑایا۔[1]

قاتلینِ حسینؓ کا قتل | عراق پر قبضہ کرنے کے بعد مختار قاتلینِ حسینؓ کی تلاش میں نکلا اور شمر ذی الجوشن، خولی اصبحی اور عمرو بن سعد کو قتل کرکے ان کے سر محمد بن حنفیہ کے پاس بھجوا دیے اور ایک کرسی بنوا کر اپنے اتباع کو یقین دلایا کہ یہ کرسی حامل اسرار اور بنی اسرائیل کے تابوت سکینہ کی طرح متبرک ہے، اسی کرسی پر وہ تمام معرکوں میں نصرت پاتا تھا۔[2]

درحقیقت مختار بنی امیہ اور ابن زبیرؓ دونوں کو زیر کرکے خود حکومت قائم کرنا چاہتا تھا، خونِ حسینؓ کی دعوت کے ذریعہ بنی امیہ کے مقابلہ میں اس کو عوام کی تائید حاصل ہو گئی تھی، اسی طرح ابن زبیرؓ کے مقابلہ میں بھی اسے بہت سے حامی مل گئے، اس لیے اس کو دونوں کے مقابلہ میں آسانی ہوئی، مختار کا تبلیغی مرکز عراق چونکہ ابن زبیرؓ کے قبضہ میں تھا، اسلیے پہلا تصادم ان ہی سے ہوا، پھر عراق پر قبضہ کے بعد جب مختار کی قوت بڑھ گئی تو بنو امیہ کو بھی اس کی جانب سے خطرہ پیدا ہوا، چنانچہ اموی حاکم عبیداللہ بن زیاد نے مختار کے عاملِ موصل عبدالرحمن بن سعید پر فوج کشی کر دی، عبدالرحمن نے اس کو شکست دیکر قتل کر دیا، اسطرح چند دنوں کے اندر مختار کے ہاتھوں تمام قاتلینِ حسینؓ کا خاتمہ ہو گیا۔[3]

کوفی عربوں اور مختار میں مخالفت | مختار اپنے خروج سے اس وقت تک اٹھارہ[18] مہینہ مسلسل عجمیوں کے بل پر بنی امیہ اور ابن زبیرؓ کا کامیاب مقابلہ کرتا رہا،[4] ان تمام معرکوں میں اس کے دست و بازو زیادہ تر عجمی تھے، اس لیے اس کی توجہ تمام تر ان ہی کی جانب مبذول رہی، ان کے مراتب بڑھا دیے، انھیں برابر بٹھانے لگا، [illegible] عرب [illegible] برداشت نہ کر سکے،

۱؎ ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸۔ ۲؎ اخبار الطوال ص ۲۹۰ تا ۳۰۰۔ ۳؎ یعقوبی ج ۲ ص ۳۰۶ و ابو الفداء ج ۱ ص ۹۵۔ ۴؎ چونکہ بنی امیہ اور مختار کی معرکہ آرائیاں ہمارے موضوع سے خارج ہیں، اسلیے ہم نے انھیں قلم انداز کر دیا۔

اس کو اپنا مشیر کار اور ہم جلیس بنایا، اس کے مقابلہ میں عربوں کے ساتھ اس کا طرز عمل نہایت غیر منصفانہ اور اہانت آمیز تھا، انھیں مال غنیمت سے بھی محروم رکھا، اور تقرب و ہم جلیسی سے بھی دور رکھا، عربوں کے لیے یہ اہانت آمیز سلوک سخت اشتعال انگیز تھا، چنانچہ وہ سب اس سے بگڑ گئے اور تمام شرفائے عرب نے مجتمع ہو کر اس کے خلاف غصہ اور نفرت کا اظہار کیا، اس نے جواب دیا "خدا ان کو غارت کرے میں نے تم کو اعزاز بخشا، تم نے غرور کیا، تم کو والی بنایا، تم نے خراج کی رقم گھٹا دی، عجمی تم سے زیادہ مطیع و منقاد اور میرے چشم و ابرو کے پابند ہیں" یہ جواب سن کر عربوں نے کہا کہ یہ کذاب ہے، اور بنی ہاشم کی حمایت کے پردہ میں اپنی دنیا بنانا چاہتا ہے، اور سب کے سب اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، مختار نے ان کی مخالفت دیکھی تو عجمیوں کو جمع کر کے کہا کہ "عربوں نے محض تمہاری وجہ سے میری مخالفت کی ہے، اس لیے ان کے مقابلہ میں تم کو اپنی شرافت اور وفاداری کا ثبوت دینا چاہیے، اس کی اس نفسی دلیل پر چالیس ہزار عجمی عربوں کے مقابلہ میں اس کی حمایت پر آمادہ ہو گئے، اور کوفہ میں دونوں میں نہایت زبردست مقابلہ ہوا، دینوری کی روایت کے مطابق عمر بن سعد اور شمر بھی اس مقابلہ میں عربوں کی جماعت میں تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے قتل کیے جا چکے تھے[1]۔ بہرحال اس معرکہ میں پانسو کے قریب عرب قتل اور دو سو (۲۰۰) گرفتار ہوئے۔ اشراف کوفہ نے اپنا پہلو کمزور دیکھا تو کوفہ چھوڑ کر مصعب کے پاس بصرہ چلے گئے،

مصعب سے کوفی عربوں کی استمداد کوفیوں کو شکست دینے کے بعد مختار نے اشراف کوفہ پر سختی شروع کر دی، اس لیے یہ لوگ کوفہ چھوڑ چھوڑ کر مصعب کے پاس بصرہ چلے گئے، اور ان

---

[1] اخبار الطوال ص ۳۰۶، ۳۰۷،

سے درخواست کی کہ آپ اس کذاب کے مقابلہ میں کیوں نہیں نکلتے، اس نے ہمارے اشراف کو قتل کیا، ہمارے گھروں کو ڈھایا، ہماری جماعت کا شیرازہ بکھیرا، عجمیوں کو ہمارے سر پر چڑھایا، ہمارا مال و متاع ان کے لیے مباح کر دیا، آپ اس کے مقابلہ میں نکلیے، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں، اور کوفہ کے کل عرب آپ کا ساتھ دیں گے،

مصعب اور مختار کا مقابلہ اور مختار کا قتل

اس درخواست پر مصعب نے اپنے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ کو جو خارجیوں کے مقابلہ میں برسرپیکار تھا، بلا کر مختار سے مقابلہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں، مختار کو اس کا علم ہوا تو اس نے احمر بن سمیط کو ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے مذار روانہ کیا، مصعب بھی اپنی فوجیں لیے ہوئے بڑھے، مذار میں دونوں کا مقابلہ ہوا، مختار کی فوج شکست کھا کر کوفہ کی طرف بھاگ نکلی، مصعب نے ہر طرف سے گھیر کر قتل کرنا شروع کیا، اور تعاقب کرتے ہوئے کوفہ تک پہنچ گئے، اس وقت مختار اپنی فوج لے کر خود بڑھا، نہر بصریین کے پاس دونوں میں مقابلہ ہوا، اس معرکہ میں بھی مختار کو شکست ہوئی، اور اس کے بے شمار آدمی مارے گئے اور مختار شکست کھا کر کوفہ میں داخل ہو گیا، مصعب بھی تعاقب میں چلے گئے، مختار دار الامارۃ میں قلعہ بند ہو گیا، مصعب نے دار الامارۃ کو گھیر لیا، اور چالیس دن تک نہایت سختی کے ساتھ محاصرہ قائم رہا، مسلسل دو شکستوں سے مختار کی قوت بہت کمزور پڑ چکی تھی، اس لیے وہ محاصرہ کی تاب نہ لا سکا، جب اس کے سامنے ہلاکت کے سوا کوئی صورت باقی نہ رہی، اس وقت اس نے حمایت اہل بیت کی نقاب الٹ دی، اور اپنے اصلی رنگ میں نمایاں ہو گیا، اور اپنے مقرب خاص سائب بن مالک اشعری سے کہا "اب وقت آگیا ہے، کہ ہمارے ساتھ نکلو، اور دین کے لیے نہیں بلکہ حسب کے لیے

آخری مقابلہ ہو جائے۔ سائب نے یہ غیر متوقع کلمات سنکر انا للہ پڑھا۔ اور پوچھا ابو اسحٰق! ہم لوگ اب تک یہ سمجھ رہے تھے کہ تم مذہب کے لیے یہ جانبازی دکھا رہے ہو، مختار نے نہایت صفائی کے ساتھ جواب دیا "نہیں اپنی عمر کی قسم ہرگز نہیں، یہ تمام لڑائیاں صرف دنیا طلبی کے لیے تھیں، میں نے دیکھا کہ شام پر عبد الملک کا قبضہ ہے، حجاز پر عبد اللہ بن زبیر قابض ہیں، بصرہ مصعب کے ہاتھوں میں ہے، عروض پر نجدہ حروری کا تسلط ہے، خراسان عبد اللہ بن حازم کے زیر فرمان ہے، اور میرے حصہ میں کچھ بھی نہیں، اس لیے مجھ میں بھی قسمت آزمائی کا جذبہ پیدا ہوا، لیکن حسینؓ کے خون کے انتقام کی دعوت کے بغیر مجھ کو کامیابی نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے اس کو آڑ بنایا۔"

اس تقریر کے بعد گھوڑا تیار کرایا، زرہ منگائی، اور اپنے خاص حفاظتی دستہ کو لیکر آخری مقابلہ کے لیے نکلا، اور بڑی بہادری کے ساتھ لڑتا رہا، لیکن اس کی قوت کمزور پڑ چکی تھی، ساتھیوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے، اس لیے انھوں نے عین میدانِ جنگ میں ساتھ چھوڑ دیا، اور مختار کو مجبور ہو کر، پھر قصر امارہ کی جانب پسپا ہو جانا پڑا، اس پسپائی میں اس کے چھ ہزار آدمی قصر میں داخل ہو گئے، مگر وہ خود تین سو آدمیوں کی قلیل جماعت کے ساتھ قصر کے باہر ہی رہ گیا، مصعب کے ساتھیوں نے اس کا راستہ روک دیا، لیکن اس وقت بھی مختار قصر کی دیوار کی آڑ پکڑ کر مقابلہ کرتا رہا، اسی مقابلہ میں بنی حنفیہ کے دو آدمیوں نے تلواروں سے زخمی کر کے گرا دیا، اور سر قلم کر کے مصعب کے سامنے پیش کیا گیا، مصعب نے اس صلہ میں تیس ہزار انعام دیا اور مختاری فتنہ کا خاتمہ ہو گیا۔[۱]

محمد بن حنفیہ کی جلاوطنی | مختار کی زندگی تک محمد بن حنفیہ کا بازو قوی تھا، اسلیے ابن زبیرؓ نے

---

[۱] اخبار الطوال ص ۳۱۰ تا ۳۱۵ ملخصاً،

ان کی رہائی کے بعد ان سے بیعت کے بارہ میں اصرار نہیں کیا۔ مختار کے قتل کے بعد جب محمد بن حنفیہ کا کوئی پشت پناہ باقی نہ رہا۔ تو پھر ابن زبیرؓ نے ان سے بیعت کا مطالبہ شروع کیا۔ اور ان سے کہلا بھیجا کہ "اگر تم آسانی سے بیعت نہ کروگے تو لڑ کر زبردستی بیعت لی جائیگی"۔ لیکن محمد بن حنفیہ نے اس کی بھی پروا نہ کی اور پھر بیعت سے انکار کر دیا یہ وہ زمانہ تھا جب عبدالملک اور ابن زبیرؓ میں مقابلہ ہو رہا تھا۔ عبدالملک کو ابن زبیرؓ کی دھمکی کی خبر ملی تو اس نے محمد بن حنفیہ سے کہلا بھیجا کہ "تم میرے پاس شام چلے آؤ، یہاں اطمینان کے ساتھ رہو گے"۔ عبدالملک محمد بن حنفیہ کا ابن زبیرؓ سے زیادہ دشمن تھا۔ مگر محمد بن حنفیہ اس وقت ابن زبیرؓ کے طرز عمل سے بہت دل برداشتہ تھے، اس لیے عبدالملک کی دعوت قبول کرلی۔ اور شام روانہ ہو گئے۔ مگر مدین پہونچ کر ان کو عبدالملک کی جانب سے فریب کا خطرہ پیدا ہوا، اس لیے وہ ایلہ میں اتر پڑے، یہاں ان کے زہد و ورع کا بڑا چرچا ہوا، عبدالملک کو اس کی خبر ہوئی تو عوام میں ان کی قبولیت اور پذیرائی سے اس کو خطرہ محسوس ہوا، اور اس نے ابن حنفیہ کو لکھ بھیجا کہ جو شخص میری بیعت نہیں کرے گا وہ میرے حدود مملکت میں نہیں ٹھہر سکتا، اس لیے محمد بن حنفیہ پھر مکہ لوٹ گئے، اور بیرون شہر شعب ابی طالب میں قیام کیا، اس وقت پھر ابن زبیرؓ نے بیعت اور شہر مکہ میں آنے کے لئے اصرار کیا جب محمد بن حنفیہ نے دیکھا کہ یہاں رہ کر ابن زبیرؓ کی بیعت سے مفر مشکل ہے تو طائف چلے گئے۔ ابن عباسؓ کو اس کی خبر ملی تو وہ ابن زبیرؓ کے پاس گئے، دونوں میں نہایت تلخ گفتگو ہوئی، اور ابن عباسؓ بھی مکہ چھوڑ کر طائف چلے گئے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ محمد بن حنفیہ کے ساتھ ساتھ ابن زبیرؓ نے ابن عباسؓ سے بھی زبردستی بیعت لینے کے لیے اصرار شروع کیا تھا، ان کے اصرار سے تنگ آکر دونوں ساتھ طائف چلے گئے تھے۔

۱؎ ابن زبیر ج ۱، ص ۲۰۸، ۲۰۹

مختار کے قتل کے بعد ابراہیم بن اشتر جو حضرت علیؓ کے فدائیوں میں تھے مصعب کے امان میں آگئے، کیونکہ اب بنی امیہ اور مصعب کا مقابلہ تھا، اور بنی امیہ کے مقابلہ میں وہ ابن زبیرؓ کو مرجح سمجھتے تھے، مصعب کے ساتھ ملنے کے بعد ابراہیم ان کے معتمد علیہ بن گئے، ابھی تک مختار کی فوج جو آخری پسپائی کے وقت قصر میں داخل ہوگئی تھی، بدستور قلعہ بند تھی، جب اس کا سامانِ رسد ختم ہوگیا تو وہ بھی امان مانگنے پر مجبور ہوگئی، مصعب نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم سپر ڈال کر پوری طرح اطاعت کا اطمینان نہ دلادو گے، اس وقت تک امان نہیں دی جاسکتی، یہ سب بھوکوں مر رہے تھے اس لیے چار و ناچار سپر ڈال کر قلعے سے باہر نکل آئے مصعب نے ان سب کی گردنیں قلم کرادیں۔

ابن زبیرؓ کا غلبہ اور عبدالملک کی تیاریاں مختار کا قتل ابن زبیرؓ کے لیے مختلف حیثیتوں سے نہایت مفید ہوا، اس کا کل مقبوضہ علاقہ ان کے قبضہ میں آگیا، اور دو حریفوں کے بجائے صرف ایک حریف عبدالملک باقی رہ گیا جس سے نپٹنا نسبتہً آسان تھا، اس لیے بنی امیہ کے سامنے پھر ایک مرتبہ موت اور زیست کا سوال پیدا ہوگیا، چنانچہ عبدالملک نے اپنے خاندان کے بہی خواہوں کو جمع کرکے کہا، "ابن زبیرؓ کی قوت اتنی بڑھ گئی ہے کہ اب ہمارے گھر پر ان کی تاخت کا خطرہ ہے، اس سے بچنے کے لیے تم لوگ کیا رائے دیتے ہو، اس سوال پر سب نے بالاتفاق ابن زبیرؓ سے مقابلہ کا مشورہ دیا، چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق عبدالملک نے کل ممالک محروسہ میں فرمان جاری کردیے کہ تمام قبائلیوں کی فوجیں شام کی سرحد پر جمع ہوں، اس حکم پر شامی فوجوں کا انبوہ عظیم جمع ہوگیا،

مصعب کی مقابلہ کی تیاریاں مصعب کو عبدالملک کے انتظامات کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی اپنی فوجیں بڑھائیں، مقام دیرمعانات میں دونوں کا مقابلہ ہوا، مصعب کے آدمی

فوجوں کے ٹڈی دل دیکھ کر گھبرا گئے، اور اس کے مقابلہ میں انھیں اپنی ناکامی کا یقین ہو گیا۔ چنانچہ مصعب نے اپنے بھائی عروہ بن زبیرؓ سے پوچھا کہ حسینؓ نے دشت کربلا میں ایسے نازک وقت میں کیا کیا تھا؟ انھوں نے پوری تفصیل بیان کر کے کہا کہ ابن زیاد نے ان سے اطاعت قبول کرانی چاہی، لیکن حسینؓ نے انکار کر دیا، اور آزادی کی موت کو غلامی کی زندگی پر ترجیح دی، حریت اور آزادی کا یہ درس سنکر مصعب کی رگ و پے میں ایک نئی روح دوڑ گئی، اور وہ یہ رجز پڑھنے لگے۔

فان الالی بالطف من آل ہاشم تآسوا فسنوا للکرام التأسیا

آل ہاشم میں سے ان لوگوں نے مقام طف میں تقلید کی اور شریفوں کے لیے تقلید کی راہ پیدا کر دی

عبد الملک نے اس مرتبہ ابن زبیرؓ کے مقابلہ کے لیے بڑے بڑے انتظامات کیے تھے، ان کے تمام حامیوں کو طمع دلا کر انھیں توڑنے کی کوشش کی تھی[1] عراق کے تمام سردار طمع میں آکر اس سے مل بھی گئے تھے[2]، زفر بن حارث جو قرقیسا میں ابن زبیرؓ کا کارکن تھا عبد الملک کا مطیع ہو گیا تھا[3]

اس سلسلہ میں عبد الملک نے ابراہیم بن اشتر کو بھی جو ابن زبیرؓ کے ساتھ ہو گئے تھے، خط لکھا تھا کہ تم نے محض دشمنی کی بنا پر میری اطاعت نہیں قبول کی۔ اگر تم اپنے زیر اثر اشخاص کے میری اطاعت قبول کر لو، تو وہ علاقہ جو فرات سے سیراب ہوتا ہے، تم کو عطا کر دیا جائے گا، ابراہیم نے یہ خط لا کر مصعب کے سامنے پیش کر دیا، مصعب نے کہا تم نے اتنا بڑا علاقہ کیوں چھوڑ دیا! انھوں نے جواب دیا، اگر مجھ کو مشرق سے لیکر مغرب تک کا علاقہ بھی دیا جائے، تو بھی میں صفیہ کی اولاد کے مقابلہ میں بنی امیہ کی مدد نہ کروں گا، اور یہ خط تنہا میرے ہی پاس

---

[1] اخبار الطوال ص ۳۱۷ [2] طبری ج ۸ ص ۸۰۴ [3] مروج الذہب ج ۲ ص ۲۰۱

نہیں آیا ہے، بلکہ آپ کے تمام بڑے بڑے ممتاز افسروں کو اس قسم کی طمع دلائی گئی ہے جس سے بہتوں کی نیتوں میں فتور اور ارادوں میں تذبذب بھی پیدا ہو گیا ہے، اگر اجازت ملے تو ان سب کی گردنیں اڑادوں مصعب نے کہا وقت کی نزاکت کے لحاظ سے یہ کارروائی مناسب نہیں ہے، اس سے مقتولین کے قبائل میں بددلی پیدا ہوگی، جو ہمارے لیے مضر ہے، ابراہیم نے کہا اگر ایسے لوگوں کو قتل نہ کیا جائے تو کم از کم مشتبہ لوگوں کو گرفتار ہی کر لیا جائے، کامیابی کے بعد چاہے انھیں چھوڑ دیا جائے گا، اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اگر خدانخواستہ کوئی ناخوشگوار صورت پیش آئی تو یہ کارروائی حفظ ماتقدم کا کام دے گی، مصعب نے کہا اگر آج میں ان لوگوں کو قید کرتا ہوں تو کل یہ لوگ اس کو امیر المومنین کے سامنے میرے خلاف ثبوت میں پیش کریں گے، ابراہیم نے کہا اگر آپ اتنا بھی نہیں کرتے تو پھر موت کے سوا چارہ نہیں، بسم اللہ چلیے اور شریفانہ جان دیجئے، میں ہمہ تن فداکاری کے لیے تیار ہوں، اس گفتگو کے بعد دونوں نے فوجیں بڑھا کر دیر جاثلیق میں اتاریں، صبح اٹھ کر دیکھا تو ابراہیم کی پیشین گوئی بالکل صحیح نکلی، تمام مشتبہ لوگ عبدالملک سے مل گئے تھے، اس وقت ابراہیم نے مصعب سے کہا کہ آپ نے دیکھا، میری رائے کس قدر صحیح تھی، لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا[1]

ابراہیم کا قتل | غرض دیر جاثلیق میں فریقین کا مقابلہ ہوا اور ابراہیم، محمد بن مروان کے مقابلہ میں نکلے، اور صبح سے شام تک مقابلہ ہوتا رہا، آخر میں ابراہیم نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ محمد بن مروان کے پاؤں لغزش میں آگئے، مگر عبدالملک کی بروقت کمک نے پھر پیر جما دیئے[2]

---

[1] اخبار الطوال ص ۳۱۷، ۳۱۸ [2] طبری ج ۸، ۸۰۶،

گو مصعب پہلے ہی سے مایوس ہو چکے تھے، لیکن میدانِ جنگ میں انہی کا پلہ بھاری رہا، اور جس قدر جنگ طول کھینچتی جاتی تھی، اسی قدر اموی فوج کا پہلو کمزور پڑتا جاتا تھا۔ اور قریب تھا کہ وہ سپر ڈال کر میدان چھوڑ دے، عین اس موقع پر ابن زبیرؓ کی فوج کے ایک ممتاز آدمی عتاب بن ورقا تیمی کو ابراہیم کی اس شجاعت پر حسد ہوا، اور اس نے کوشش کی کہ اس کامیابی کا سہرا ابراہیم کے سر نہ بندھنے پائے، چنانچہ ابراہیم سے کہا رات ہو چکی ہے، سپاہی تھک چکے ہیں، اس لیے جنگ روک دینی چاہیے، ابراہیم نے کہا دشمن مقابل میں ہے، اس لیے جنگ کس طرح روکی جاسکتی ہے، عتاب نے کہا کم از کم میمنہ ہی کو دم لینے دو، ابراہیم نے اس سے بھی انکار کیا، اس انکار پر ابراہیم کی آتش حسد اور زیادہ مشتعل ہو گئی، اور وہ میمنہ کو جس کی وہ خود کمان کر رہا تھا، میدانِ جنگ سے ہٹا لے گیا، اس کے ہٹنے سے مصعب کی فوج کا ایک بازو کمزور پڑ گیا، محمد بن مروان کے میسرہ نے اس کا اندازہ کرکے نہایت زور شور کا حملہ کر دیا، اس کے حملہ کے ساتھ ہی اموی سوار ہر طرف سے نیزے لے کر ابراہیم پر ٹوٹ پڑے، اور وہ زخمی ہو کر گھوڑے کی پشت سے زمین پر گر گئے، ان کے گرتے ہی امویوں نے بڑھ کر سر تن سے جدا کر لیا، ابراہیم کے قتل سے ابن زبیرؓ کا بڑا زبردست بازو ٹوٹ گیا[1]

عیسیٰ بن یوسف کا بہادرانہ قتل ابراہیم مصعب کے دست راست تھے، اسلئے انکے قتل سے ان کی قوت بہت کمزور پڑ گئی، اور اس کے بالمقابل عبدالملک کو تازہ دم مدد مل گئی، پھر بھی مصعب ہمت نہیں ہارے، اور دوسرے دن پھر مقابلے میں نکلے، لیکن اب ان کی قوت ختم ہو چکی تھی، اس پر مستزاد یہ ہوا کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے مضر و ربیعہ کے قبائل نے

---

[1] مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۵۲۲

ان کا ساتھ چھوڑ دیا، اور مصعب کے ساتھ کل سات آدمی باقی رہ گئے، اس وقت انھوں نے اپنے صاحبزادہ عیسیٰ سے کہا " آپ میرے قتل ہونے میں کوئی شبہہ نہیں ہے، تم خواہ مخواہ اپنی قیمتی جان ضائع نہ کرو، اور مکہ جاکر اپنے چچا سے عراقیوں کی بے وفائی کا حال سنا دو" غیور لڑکے نے جواب دیا " میں قریش کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا کہ باپ کو چھوڑ کر بھاگ آیا " مصعب نے کہا اگر نہیں جاتے تو میرے سامنے میدان میں نکلو، تاکہ جو کچھ مجھ سے ہو سکے تمھاری حفاظت کروں، باپ کے اس حکم پر لڑکا آگے بڑھا، اور لڑتے لڑتے باپ کے اوپر سے فدا ہو گیا،

مصعب کا قتل | عبد الملک اور مصعب کے بہت پرانے تعلقات تھے، لیکن سیاست کی بازی نے دونوں کو میدانِ جنگ میں ایک دوسرے کے مقابل حریفانہ کھڑا کر دیا تھا، مگر گذشتہ تعلقات کا لحاظ کرکے عبد الملک انھیں قتل نہیں کرنا چاہتا تھا، چنانچہ عیسیٰ کے قتل کے بعد اس نے اپنے مشیروں سے مصعب کی جان بخشی کے بارہ میں مشورہ کیا، اس میں اتنا اختلاف پیدا ہوا اور اتنا بڑھا کہ لڑائی تک نوبت پہونچ گئی، مگر عبد الملک کسی قیمت پر بھی مصعب کے خون کا بار اپنے اوپر لینا نہیں چاہتا تھا، چنانچہ اختلاف رائے کے باوجود اس نے مصعب کے بھائی محمد کے ذریعہ امان بھجوا دی، انھوں نے جاکر مصعب سے کہا کہ " امیر المومنین نے تمھاری خطاؤں سے درگذر کرکے تمھاری جان و مال کو امان دیدی ہے تمھارا جہاں دل چاہے چلے جاؤ "، ابھی محمد نے یہ پیام پہنچایا تھا کہ ایک اموی سپاہی مصعب کے لڑکے عیسیٰ کا سر تن سے جدا کرنے کے لئے بڑھا، دل شکستہ باپ سے یہ منظر نہ دیکھا گیا، مصعب اسے ہٹانے کے لیے بڑھے، اس وقفہ میں شامیوں نے اپنے آدمی کو ہوشیار کر دیا، مصعب کا گھوڑا زخمی ہو چکا تھا، اس لیے وہ گھوڑے سے اتر پڑے، عبید اللہ بن زیاد بن ظبیان جو انھیں دیکھ رہا تھا، ان کی طرف لپکا، انھوں نے اس کو زخمی کر دیا، لیکن خود زخموں سے

مجبور ہو رہے تھے، اس لیے زیادہ دیر تک مقابلہ کرنے کی تاب نہ تھی، اس لیے بالآخر عبید اللہ نے ان کا کام تمام کر دیا، اور حضرت زبیرؓ بن عوام کا گوہر آبدار اور ابن زبیرؓ کا دست و بازو پیوند خاک ہوگیا، اور عراق پر عبد الملک کا قبضہ ہوگیا۔[۱]

ابن زبیرؓ سے مقابلہ کی تیاریاں مصعب کے قتل سے عبد اللہ بن زبیرؓ کا بازو بالکل ٹوٹ گیا اور ان کا کوئی سچا ہوا خواہ اور مخلص و معتمد علیہ باقی نہیں رہا، دوسری طرف عراق کا علاقہ نکل جانے سے ابن زبیرؓ کی آمدنی میں بڑی کمی ہوگئی، اور عبد الملک کے لیے ان کا زیر کر لینا آسان ہوگیا، چنانچہ ۷۲ھ میں اس نے ابن زبیرؓ کا قصہ چکانے کا فیصلہ کر لیا، اور ایک دن منبر پر چڑھ کر مجمع سے سوال کیا کہ تم میں سے کون ابن زبیرؓ کے قتل کا بیڑا اٹھاتا ہے؟ اس سوال پر حجاج نے اپنا نام پیش کیا عبد الملک نے تین مرتبہ یہ سوال دہرایا، اور تینوں مرتبہ حجاج ہی نے جواب دیا، اور کہا "میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں نے ایک ڈھال چھین کر لگالی ہے۔[۲]"

حرم کا محاصرہ چنانچہ عبد الملک نے ذیقعدہ ۷۲ھ میں حجاج کو ابن زبیرؓ کے مقابلہ کیلئے روانہ کیا، اس وقت حضرت ابن زبیرؓ حرم محترم میں پناہ گزین تھے، اسلیے حجاج نے مکہ پہنچکر حرم کا محاصرہ کر لیا، اور مسلسل کئی مہینہ تک محاصرہ قائم رہا، اس پوری مدت میں ایسی ہولناک آتش زنی اور سنگباری ہوتی رہی کہ اس کی چمک اور دھماکوں سے معلوم ہوتا تھا کہ آسمان زمین پر آجائے گا۔[۳] ابن زبیرؓ نہایت دلیری اور پامردی کے ساتھ مدافعت کرتے رہے اور انکے اطمینان و سکون میں مطلق فرق نہ آیا، عین سنگباری کی حالت میں وہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے تھے، اور بڑے بڑے پتھر آکر ان کے آس پاس گرتے تھے، مگر وہ اپنی جگہ سے

۱؎ مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۵۲۲-۵۲۳ ۲؎ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۵۱ ۳؎ طبری ج ۸ ص ۸۴۲،

نہ ہٹتے تھے۔[1]

سامانِ رسد کا اختتام اور ابن زبیرؓ کے ساتھیوں کی بے وفائی

ابتدا میں ابن زبیرؓ کے پاس سامانِ رسد کافی تھا، لیکن اتنے طویل محاصرہ کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا، اس لیے آخر میں رسد کی قلت کی وجہ سے سواری کے گھوڑے ذبح کرکے کھانے کی نوبت آگئی، پورے مکہ میں عام قحط پڑ گیا، ہر چیز سونے کے بھاؤ بکنے لگی، چنانچہ ایک شئی دس درہم کو بکتی تھی، باجرہ جیسا معمولی غلہ بارہ درہم فی رطل بکتا تھا، ایسی حالت میں زیادہ دنوں تک استقلال دکھانا مشکل تھا، چنانچہ ابن زبیرؓ کے ساتھی محاصرہ کی سختیوں اور بھوک کی تکلیفوں سے عاجز آکر حجاج کے دامن میں پناہ لینے لگے، اور رفتہ رفتہ دس ہزار آدمی ابن زبیرؓ کا ساتھ چھوڑ کر حجاج سے مل گئے، حتیٰ کہ ابن زبیرؓ کے دو صاحبزادوں حمزہ اور حبیب نے بھی باپ کا ساتھ چھوڑ دیا البتہ ایک صاحبزادے آخر دم تک ثابت قدم رہے اور اسی ثابت قدمی میں مارے گئے۔[2]

حضرت اسماءؓ سے مشورہ اور ان کا شجاعانہ جواب

ابن زبیرؓ نے اپنی بے بسی کا یہ عالم دیکھا تو مایوس ہوکر ایک دن اپنی ماں حضرت اسماءؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "اماں میرے تمام ساتھیوں نے ایک ایک کرکے میرا ساتھ چھوڑ دیا حتیٰ کہ میرے لڑکے بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں، اب صرف چند فداکار باقی رہ گئے ہیں، لیکن ان میں بھی مقابلہ کی تاب نہیں ہے اور ہمارا دشمن ہمارے منشا کے مطابق مطالبات پورے کرنے پر آمادہ ہے، ایسی حالت میں آپ کیا فرماتی ہیں؟" اُس وقت حضرت اسماءؓ کی عمر سو برس سے متجاوز ہوچکی تھی جوان جوان بیٹوں اور پوتوں کے داغ اٹھا چکی تھیں، دل و جگر فگار ہو رہے تھے، نامور بیٹوں میں حضرت عبداللہؓ باقی تھے، ان حالات، اس پیرانہ سالی، اور ایسی خستہ دلی کی حالت

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۸۶ [2] ایضاً

میں صدیق اکبرؓ کی اولوالعزم اور بہادر بیٹی نے آمادہ بہ قتل بیٹے کو جو شریفانہ جواب دیا، دس پر عورتوں کی تاریخ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی، فرمایا "بیٹا تم کو خود اپنی حالت کا صحیح اندازہ ہوگا، اگر تم کو اس کا یقین ہے کہ تم حق پر ہو اور حق کی دعوت دیتے ہو تو جاؤ اسکے لیے لڑو کہ تمھارے بہت سے ساتھیوں نے اس پر جان دی ہے، لیکن اگر تمھارا مقصد دنیا طلبی ہے تو تم سے بڑھکر برا کون خدا کا بندہ ہوگا کہ خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالا، اور اپنے ساتھ کتنوں کو ہلاک کیا، اگر یہ عذر ہے کہ تم حق پر ہو، لیکن اپنے اعوان و انصار کی کمزوری سے لاچار ہو گئے، تو یاد رکھو شریفوں اور دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے، تم کو کب تک دنیا میں رہنا ہے، جاؤ حق پر جان دیدینا زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

ماں کی زبان سے یہ بہادرانہ جواب سنکر کہا "اماں مجھے یہ خوف ہے کہ اگر بنی امیہ میرے قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میری لاش کو مثلہ کرکے سولی پر لٹکائیں گے اور اسکی بے حرمتی کریں گے" بہادر ماں نے جواب دیا "بیٹا ذبح ہونے کے بعد بکری کی کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی، جاؤ خدا سے مدد مانگ کر اپنا کام پورا کرو" یہ حوصلہ افزا کلمات سنکر ابن زبیرؓ کی ڈھارس بندھی، ماں کے سر کا بوسہ دیکر کہا میری بھی یہی رائے ہے، میں مختصر الفاظ میں اپنی صفائی پیش کرکے کہا کہ میں نے یہ صفائی اپنے نفس کی کمزوریوں سے مبرا ظاہر کرنے کے لیے نہیں پیش کی ہے، بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ کو یہ تسکین رہے کہ آپ کے لڑکے نے ناحق بات کے لیے جان نہیں دی، ماں نے جواب دیا، "مجھے امید ہے کہ میں ہر حالت میں صبر و شکر سے کام لونگی، اگر تم مجھ سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے، تو صبر کروں گی، اور اگر کامیاب ہوئے تو تمھاری کامیابی پر خوش ہونگی، اچھا اب جاؤ، دیکھو خدا کیا انجام دکھاتا ہے" ابن زبیرؓ دعا کے طالب ہوئے، ماں نے ان کے حق میں دعا کی اور انھیں خدا کے سپرد کیا، پھر اپنے لیے

صبر و شکر کی دعا مانگی، اور حضرت عبداللہ رضؓ سے کہا "بیٹا پاس آجاؤ کہ آخری مرتبہ تم سے رخصت ہولوں" ابن زبیرؓ نے کہا "میں بھی آخری رخصتی کے لیے حاضر ہوا ہوں کہ اب دنیا میں یہ میرے آخری دن ہیں"۔ حضرت اسماءؓ نے گلے لگا کر بوسہ دیا اور فرمایا "جاؤ اپنا کام پورا کرو"۔ اتفاق سے گلے لگانے میں ابن زبیرؓ کی زرہ پر ہاتھ پڑ گیا۔ پوچھا "بیٹا یہ کیا؟ جان دینے والوں کا یہ شیوہ نہیں ہے"۔

شہادت ماں کے اس فرمان پر انھوں نے جان کی حفاظت کا یہ آخری سہارا بھی اتار دیا اور کپڑے درست کر کے رجزیہ پڑھتے ہوئے رزمگاہ پہونچے، اور آتے ہی اس زور کا حملہ کیا کہ بہت سے شامی خاک و خون میں تڑپ گئے لیکن شامیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس لیے ابن زبیرؓ کے ساتھی ان کے جوابی حملہ کی تاب نہ لا سکے، اور ان کے ریلے سے منتشر ہو گئے۔ ایک خیرخواہ نے ایک محفوظ مقام پر چلے جانے کا مشورہ دیا، فرمایا "ایسی حالت میں مجھ سے برا کون مسلمان ہوگا کہ پہلے اپنے ساتھیوں کو قتل ہونے کے لیے سامنے کر دیا، اور ان کے قتل ہونے کے بعد میں خود ان کی جیسی موت سے بھاگ نکلوں"۔

اب ابن زبیرؓ کی قوت بہت کمزور پڑ گئی تھی، اس لیے شامی برابر بڑھتے آرہے تھے، یہانتک کہ خانہ کعبہ کے تمام پھاٹکوں پر ان کا ہجوم ہو گیا، لیکن ابن زبیرؓ اس حالت میں بھی شیر کی طرح چاروں طرف حملہ آور ہوتے، اور جدھر رخ کر دیتے تھے، شامی کائی کی طرح چھٹ جاتے تھے، حجاج نے جب دیکھا کہ کوئی شامی ان کے پاس جانے کی ہمت نہیں کرتا، تو خود سواری سے اتر پڑا، اور اپنی فوج کو للکار کر ابن زبیرؓ کے علمبردار کی طرف بڑھنے کا حکم دیا، لیکن ابن زبیرؓ نے بڑھ کر اس بڑھتے ہوئے ہجوم کو بھی منتشر کر دیا، اور نماز پڑھنے کے لیے مقام ابراہیم پر چلے گئے، شامیوں نے موقع پا کر ان کے علمبردار کو قتل کر کے جھنڈا

لیا، ابن زبیرؓ نماز پڑھ کر لوٹے تو بڑی دیر تک بغیر علم کے لڑتے رہے[1]،

عین اس حالت میں ایک شامی نے ایسا پتھر مارا کہ ابن زبیرؓ کا سر کھل گیا۔ د
چہرہ سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا۔ داڑھی خون سے تر ہو گئی، اس خونابہ فشانی پر
ابن زبیرؓ نے یہ شجاعانہ شعر پڑھا،

ولسنا علی الاعقاب تدمی کلومنا ولکن علی اقدامنا تقطر الدماء

یعنی ہم وہ نہیں ہیں، پیٹھ پھیرنے کی وجہ سے جن کی ایڑیوں پر خون گرتا ہے، بلکہ (سینہ سپر ہونے کی وجہ
سے) ہمارے قدموں پر خون ٹپکتا ہے۔

یہ رجز پڑھتے جاتے تھے اور پوری شجاعت و دلیری سے لڑتے جاتے تھے لیکن زخموں
سے چور ہو چکے تھے، ساتھیوں کی ہمت پست ہو چکی تھی، شامیوں کا انبوہ کثیر مقابل پر تھا
اس لیے آخر میں انھوں نے ہر طرف سے یورش کر کے قتل کر دیا، اور جمادی الثانی ۷۳ھ
میں قریش کا یہ یگانہ بہادر، حواری رسول کا لخت جگر، اور ذات النطاقین کا نور نظر
ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا[2]،

حجاج کی شقاوت، لاش کی بے حرمتی اور حضرت اسماءؓ کی بہادری سنگدل اور کینہ توز حجاج کی آتش انتقام ابن زبیرؓ کے خون سے بھی نہ بجھی، قتل ہونے کے بعد اس نے سر کٹوا کر عبدالملک
کے پاس بھجوا دیا، اور لاش قریش کی عبرت کے لیے بیرون شہر ایک بلند مقام پر سولی
پر لٹکوا دی[3]۔ حضرت اسماءؓ کو خبر ہوئی، تو انھوں نے کہلا بھیجا کہ خدا تجھے غارت کرے، تو نے
لاش سولی پر کیوں آویزاں کرائی، اس سنگدل نے جواب دیا "ابھی میں اس منظر کو باقی

---

[1] یہ تمام حالات ملخصاً ابن اثیر ج ۴ ص ۲۸۷ تا ۲۸۹ و مستدرک حاکم تذکرہ ابن زبیرؓ سے ماخوذ ہیں
[2] طبری ج ۸ ص ۸۵۰ و مستدرک تذکرہ ابن زبیرؓ [3] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۹۰

رکھنا چاہتا ہوں"! اس کے بعد ستم رسیدہ ماں نے تجہیز و تکفین کی اجازت مانگی، لیکن حجاج نے اس کی بھی اجازت نہ دی، اور اس اولوالعزم اور حوصلہ مند بہادر کی لاش جس نے زندگی میں سات برس تک بنی امیہ کو لرزہ براندام کیے رکھا تھا، شارع عام پر تماشا بنی رہی، قریش آتے تھے، دیکھتے تھے، اور عبرت حاصل کرتے ہوئے گذر جاتے تھے، اتفاقاً ابن عمرؓ کا گذر ہوا وہ لاش کے پاس کھڑے ہوئے، اور تین مرتبہ لاش سے خطاب کر کے کہا، ابوخبیب السلام علیک میں نے تم کو اس میں پڑنے سے منع کیا تھا، تم روزے رکھتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، صلہ رحمی کرتے تھے" حجاج کو اس کی خبر ہوئی تو لاش سولی سے اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھنکوا دی، اور ستم بالائے ستم یہ کیا کہ ستم رسیدہ اسماءؓ کو بلا بھیجا، انھوں نے آنے سے انکار کیا، ان کے انکار پر اس گستاخ نے کہلا بھیجا کہ سیدھی چلی آؤ، ورنہ چوٹی پکڑ کے گھسٹوا بلاؤں گا، صدیق اکبرؓ کی بیٹی نے جواب دیا "خدا کی قسم اب میں اُس وقت تک نہ آؤں گی جب تک تو چوٹی پکڑ کے نہ گھسٹوالے گا" یہ جواب سنکر حجاج نے سواری منگائی، اور حضرت اسماءؓ کے پاس جا کر کہا، سچ کہنا دیکھا خدا نے اپنے دشمن کو کیا انجام دکھایا، دلیر خاتون نے جواب دیا "ہاں تو نے ان کی دنیا خراب کی، لیکن انھوں نے تیری آخرت برباد کر دی تو مجھے (برسبیل) ذات النطاقین کہہ کر شرم دلاتا ہے، تجھکو کیا معلوم کہ یہ کتنا معزز لقب ہے، اور کس کا دیا ہوا ہے، نادان یہ لقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ ہے، میرے پاس دو پٹکے (نطاق) تھے ایک پٹکے سے چیونٹیوں سے بچنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا ڈھک کر لٹکتی تھی، اور دوسرا اپنے مصرف میں لاتی تھی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بنی ثقیف میں کذاب اور مبیر ہوں گے، کذاب تو ہم لوگوں نے دیکھ لیا تھا، مبیر باقی رہ گیا تھا، وہ تو ہے، حضرت اسماءؓ کی یہ بے باکانہ باتیں سنکر حجاج لوٹ گیا[1]

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۵۳،

تدفین | عبد الملک کو جب اس کی خبر ہوئی کہ حضرت اسماء رضہ نے لاش مانگی، مگر حجاج نے دینے سے انکار کیا، تو اس نے اس کو نہایت غضب آلود خط لکھا کہ تم نے لاش ابتک کیوں نہ حوالہ کی، اس ڈانٹ پر اس نے لاش دیدی۔ اور غمزدہ ماں نے غسل دلاکر اپنے نورِ نظر کو مقام حجون میں سپرد خاک کیا، شہادت کے وقت ابن زبیر رضہ کی عمر ۷۲ سال تھی، مدتِ خلافت ساتؔ برس،

علامہ شبلی رحمہ نے حضرت ابن زبیر رضہ کی شہادت اور حضرت اسماء رضہ کے غیر معمولی صبر و استقلال کو نہایت مؤثر پیرایہ میں نظم کیا ہے، اس مقام پر ان کا نقل کرنا بے محل نہ ہوگا، فرماتے ہیں ؎

مسند آرائے خلافت جو ہوئے "ابنِ زبیر رضہ" سب نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھائے یکبار

ابن مروان نے حجاج کو بھیجا پئے جنگ جس کی تقدیر میں مرغانِ حرم کا تھا شکار

حرمِ کعبہ میں محصور ہوئے ابن زبیر رضہ فوجِ بیدین نے کیا کعبۂ ملت کا حصار

دامنِ عرش ہوا جاتا تھا آلودۂ گرد بارشِ سنگ سے اٹھتا تھا جو رہ رہ کے غبار

تھا جو سامانِ رسد چار طرف سے مسدود ہر گلی کوچہ بنا جاتا تھا اک گنجِ مزار

جب یہ دیکھا کہ کوئی ناصر و یاور نہ رہا ماں کی خدمت میں گئے ابن زبیر رضہ آخرکار

جاکے کی عرض کہ اے اختِ حریمِ نبوی صلعم نظر آتے نہیں اب حرمتِ دیں کے آثار

آپ فرمائیے اب آپ کا ارشاد ہے کیا؟ کہ میں ہوں آپ کا اک بندۂ فرمانبردار

صلح کر لوں کہ چلا جاؤں حرم سے باہر یا یہیں رہ کے اسی خاک پہ ہو جاؤں نثار"

بولی وہ پردہ نشینِ حرمِ سترِ عفاف حق پہ گر تو ہے تو پھر صلح ہے مستوجبِ عار

یہ زمیں ہے وہی قربان گہِ اسمٰعیل علیہ السلام فدیۂ نفس ہے خود دینِ خلیلی کا شعار

ماں سے رخصت ہوئے یہ کہہ کے بآدابِ نیاز آپ کے دودھ سے شرمندہ نہ ہونگا زنہار"

پہلے ہی حملہ میں دشمن کی الٹ دیں فوجیں
جس طرف جاتے تھے یہ، ٹوٹتی جاتی تھی قطار

منجنیقوں سے برستے تھے جو پتھر پیہم
ایک پتھر نے کیا آکے سر و رخ کو فگار

خون ٹپکا جو قدم پر، تو کہا از رہِ فخر
یہ ارادہ ہے کہ ہم ہاشمیوں کا ہے شعار"

اس گھرانے نے کبھی پشت پہ کھایا نہیں زخم
"خون ٹپکے گا تو ٹپکے گا قدم پر ہر بار"

زخم کھا کھا کے لڑے جاتے تھے لیکن کبتک
آخر الامر گرے خاک پہ مجبور و نزار

لاش منگوا کے جو حجاج نے دیکھی تو کہا
"اس کو سولی پہ چڑھاؤ کہ یہ تھا قابلِ دار"

لاش لٹکی رہی سولی پہ کئی دن لیکن
ان کی ماں نے نہ کیا رنج والم کا اظہار

اتفاقات سے اک دن جو اُدھر سے نکلیں
دیکھ کر لاش کو بے ساختہ بولیں اک بار

"ہو چکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے یہ خطیب
اپنے مرکب سے اترتا نہیں اب بھی یہ سوار"

کارنامہائے زندگی | عبداللہ بن زبیرؓ کا شمار قریش کے اُن اولوالعزم اور حوصلہ مند بہادروں میں ہے جنھوں نے تن تنہا اس عہد کی سب سے بڑی سلطنت کا برسوں مقابلہ کیا، اور آنے والوں کے سبق کے لیے اپنی شجاعت و بہادری کی داستانیں چھوڑ گئے، انھوں نے سب سے اول امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد ہی ۶۰ھ میں خلافت کا دعویٰ کیا تھا، لیکن یزید کی زندگی میں انھیں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی، معاویہ بن یزید کی دست برداری کے بعد ۶۴ھ میں جب انھوں نے دوبارہ اپنی بیعت کی دعوت دی تو عام مسلمانوں نے انھیں خلیفہ مان لیا، اور دولتِ اسلامیہ کے بیشتر حصوں میں ان کی بیعت ہو گئی۔ اس وقت سے لیکر ۷۳ھ تک وہ برابر بنی امیہ کا مقابلہ کرتے رہے، اس لیے شمار کے

لہ علامہ مرحوم نے خفیف تغیر کے ساتھ یہ واقعہ یعقوبی ج ۲ ص ۳۲۰ سے لیا ہے

اعتبار سے ان کی مدتِ خلافت ساتؔ برس ہے، لیکن واقعہ کے اعتبار سے ان کو ایک دن کے لیے بھی اطمینان وسکون کے ساتھ حکومت کا موقع نہ ملا، کیونکہ دعویِ خلافت سے قتل ہونے تک برابر مختار ثقفی اور اس کے بعد بنی امیہ کا مقابلہ کرتے رہے، اور ایک دن کے لیے بھی انھیں جنگ سے مہلت نہ ملی،

ظاہر ہے کہ ان حالات میں ان کو نظام حکومت اور ملکی نظم ونسق کے قیام کی طرف توجہ کرنے کی فرصت کہاں سے مل سکتی تھی، یہی وجہ ہے کہ انتظامی حیثیت سے ان کے ساتؔ سالہ عہد حکومت کی تاریخ کے اوراق بالکل سادہ ہیں، تاہم تلاش وتفحص سے جو حالات بھی مل سکے ہیں، وہ پیش کیے جاتے ہیں، گو یہ بہت ناقص ہیں، تاہم ان سے ان کے عہد حکومت کے حالات کا سرسری اندازہ ہو جائے گا۔

صوبوں کے عمال گو ابن زبیرؓ کو نظام حکومت کی جانب توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی، تاہم وہ موٹے موٹے کاموں سے غافل نہ تھے، عمال کا عزل ونصب، خراج کی تحصیل وصول، فوج کی نگرانی اور رعایا کی خبر گیری وغیرہ کے انتظامات برابر جاری تھے، چنانچہ آغازِ خلافت میں جن جن مقامات پر ان کا اثر قایم ہو گیا تھا، وہاں ان کے کارکن پہنچ گئے تھے، چنانچہ عبد الرحمن بن حجدم مصر میں، ناتل بن قیس فلسطین میں، ضحاک بن قیس دمشق میں، نعمان ابن بشیر حمص میں، زفر بن حارث قنسرین اور عواصم میں، عبداللہ بن مطیع کوفہ میں، حارث ابن عبداللہ بصرہ میں،[1] اور عبداللہ بن خازم خراسان میں ابن زبیرؓ کا کام کرتے تھے۔

عمال کے مظالم کا تدارک عمال کی زیادتیوں کی پوری نگرانی اور اس کی روک تھام کرتے تھے، جہاں کسی عامل کے متعلق کسی زیادتی کی شکایت موصول ہوتی فوراً معزول کر دیتے،

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۳۰۴

اور اس میں عامل کے قرب واختصاص کا مطلق لحاظ نہ کرتے تھے، ۶۶ھ میں اپنے صاحبزادہ حمزہ کو بصرہ کا عامل بنایا، انھوں نے شرفائے بصرہ کے ساتھ ناروا سلوک کیا، اور کچھ زیادتیاں بھی کیں، ابن زبیرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے فوراً معزول کر دیا، اور ان کے بجائے مصعب کو مقرر کیا۔[1]

رعایا کی خبر گیری ابن زبیرؓ کا زمانہ سراسر شور وفتن تھا، اس لیے انھیں بیک وقت بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا، لیکن یہ اپنے حسن نظام سے ان سب پر قابو حاصل کر لیتے تھے، مصعب کے قتل کے بعد ان پر بڑا نازک وقت آگیا تھا، بصرہ کے تمام سواد پر خارجیوں نے قبضہ کر لیا تھا، خاص بصرہ کا بھی محاصرہ کر چکے تھے، باشندگان بصرہ انکے ہاتھوں مصیبت میں مبتلا تھے، مہلب بن ابی صفرہ نے جو ابن زبیرؓ کی طرف سے خراسان کے عامل تھے، ادھر توجہ کی، اور خوارج کو بصرہ کے علاقہ سے نکال کر اہل بصرہ کو انکے مظالم سے نجات دلائی۔[2]

فوج ابن زبیرؓ کا فوجی نظام نہایت مکمل تھا، بری اور بحری فوجیں ہر وقت تیار رہتی تھیں بری فوجی قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ بیک وقت بنی امیہ، مختار ثقفی اور خوارج کا مقابلہ کرتے تھے، ان کی بحری فوجیں بھی ہر وقت تیار رہتی تھیں، چنانچہ جب مروان مصر کی طرف بڑھا، تو یہاں کے حاکم ابن جحدم نے اس کے روکنے کے لیے بحری فوجیں روانہ کیں۔[3]

سامان رسد مورچوں پر سامان رسد کا خاص اہتمام رہتا تھا، اور رسد کے بڑے بڑے ذخائر مہیا رہتے تھے، چنانچہ حجاج نے جب مکہ کا محاصرہ کیا، اسوقت ابن زبیرؓ کے پاس غلہ پٹا ہوا تھا،[4] گو یہ ذخیرہ طویل محاصرہ کا آخر تک ساتھ نہ دے سکا،

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۳۱ [2] یعقوبی ج ۲ ص [3] کتاب ولاۃ کندی ص ۴۴ [4] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۸۶

امارت و قضا | امارت و قضا کے شعبے حسب دستور جدا جدا تھے، چنانچہ کوفہ اور بصرہ کی مسند قضا پر ہشام بن ہبیرہ، اور عبداللہ بن عتبہ بن مسعود فائز تھے[1]، عبداللہ بن عتبہ وہ شخص ہیں جن کے گھر میں کئی پشتوں سے علم چلا آتا تھا، مختلف زمانوں میں مصر کی قضاء ت پر قاضی شریح اور عابس بھی فائز رہے،

تعمیر کعبہ | ابن زبیرؓ اس پُر آشوب زمانہ میں بھی مذہبی خدمات سے غافل نہ رہے، اس سلسلہ میں خانہ کعبہ کی تعمیر و تجدید ان کا بہت اہم کارنامہ ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے قبل حوادثِ زمانہ سے خانہ کعبہ کی عمارت بہت بوسیدہ ہوگئی تھی اور اس کے گر جانے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا، چنانچہ اسی زمانہ میں قریش نے چندہ کرکے اس کو از سر نو بنوا دیا تھا، لیکن سرمایہ کی قلت کی وجہ سے اصل بنیاد ابراہیمی کا تھوڑا حصہ جسے اب حطیم کہتے ہیں ناتمام چھوڑ دیا گیا تھا،

عہد رسالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش تھی کہ حطیم کا چھوٹا ہوا حصہ بھی کعبہ میں شامل کرکے اصل بنیاد ابراہیمی پر از سر نو اس کی عمارت بنائی جائے، لیکن عرب نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، کعبہ کی عمارت کرنے سے ان کے بھڑک جانے کا خطرہ تھا، اس لیے آپ اس خیال شریف کو عملی جامہ نہ پہنا سکے، بخاری میں ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے اس خیال کا اظہار فرمایا تھا کہ اگر تمھاری قوم جاہلیت سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کی عمارت کو گرا کر اس کا چھوٹا ہوا حصہ بھی اس میں شامل کرا دیتا، اور اس کا دروازہ زمین سے ملا دیتا، اور مشرقی و مغربی دونوں دروازے کھول دیتا[2]

اس کے بعد ابن زبیرؓ اور بنی امیہ کی معرکہ آرائی میں آتش زنی اور سنگباری کی وجہ سے

---

[1] کتاب الولاۃ ص ۳۱۰، [2] بخاری کتاب المناسک باب فضل مکہ و بنیانہا،

اس کی عمارت کو اور زیادہ نقصان پہنچا، اس لیے ابن زبیرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متخیلہ نقشہ کے مطابق از سر نو اس کی تعمیر کا ارادہ کیا، اور حج کے موقعہ پر جبکہ تمام عالم اسلام کے مسلمان حج بیت اللہ کے لیے جمع ہوتے ہیں، انھوں نے ان کے سامنے اس کی تعمیر کا مسئلہ پیش کیا، ابن عباسؓ نے رائے دی کہ صرف کمزور حصہ کی مرمت کرانی چاہیئے، باقی حصہ کو بجنسہ اسی حالت پر رہنے دینا چاہیئے جس حالت میں وہ عہد رسالت میں تھا، اور جس حالت پر لوگوں نے اسلام قبول کیا، بلکہ ان پتھروں کو بھی ویسے ہی چھوڑ دینا چاہیئے جیسے وہ ظہور اسلام کے وقت تھے۔

ابن زبیرؓ نے کہا اگر تم میں سے کسی کا گھر گر جاتا تو اس کو بنوائے بغیر نہ رہتا، میں خدا سے تین مرتبہ استخارہ کے بعد اس کی تعمیر شروع کر دوں گا، چنانچہ تین دن تک انھوں نے اس مسئلہ پر غور کیا، اور غور کرنے کے بعد مکمل تعمیر کرنے کا فیصلہ کر لیا، لیکن دیواروں کے گرانے کا مسئلہ بہت اہم تھا، کیونکہ عوام ان کو کھودنے سے ڈرتے تھے، کہ اسکی پاداش میں کوئی بلائے آسمانی نازل نہ ہو جائے، ابھی یہ تذبذب جاری تھا کہ ایک شخص ہمت کر کے دیوار پر چڑھ گیا[1] اور ایک پتھر اکھاڑ کے گرا دیا، اس کو دیکھ کر لوگوں کا خوف جاتا رہا، اور ان کی ہمت بندھ گئی، چنانچہ دیواروں کی کھدائی شروع ہو گئی، جب دیواریں زمین کے برابر ہو گئیں، تو ابن زبیرؓ نے اس کے چاروں طرف قناتیں کھڑی کر دیں کہ جمال حقیقت کی جلوہ گاہ عام نظروں کا تماشہ گاہ نہ بننے پائے، اور خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر شروع کرا دی، جب بنیادیں بھر چکیں تو ایک مرتبہ پھر لوگوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال پیش کر کے کہا کہ میرے پاس روپیہ کی کمی نہیں ہے، اور کوئی

---

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ خود عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پہلا پتھر کھودا تھا،

مزاحمت کرنے والا بھی نہیں ہے، اس لیے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متخیلہ نقشہ کے مطابق بنواؤں گا، یعنی حطیم کا حصہ بھی خانہ کعبہ کی تعمیر میں شامل کرا دیا جائے گا، چنانچہ اسی نقشہ کے مطابق انھوں نے تعمیر کرایا،

قریش نے اپنی تعمیر کے زمانہ میں خانہ کعبہ کا طول اٹھارہ گز اور اندر جانے کے لیے صرف ایک دروازہ رکھا تھا، وہ بھی بلندی پر تھا، تاکہ ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی شخص اندر داخل نہ ہو سکے، ابن زبیرؓ نے [illegible] چھوٹے ہوئے حصہ حطیم کو بھی شامل کر کے پانچ ہاتھ اور بڑھا دیا، اور جب یہ بھی ناکافی معلوم ہوا تو پانچ کے بجائے دس ہاتھ کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشہ کے مطابق دو دروازے شرقی اور غربی زمین سے ملا کر بنائے تاکہ آنے جانے والوں کو زحمت نہ ہو[1]۔

یہ مشہور مقولہ ہے کہ تاریخ اپنے واقعات دہراتی ہے، ممکن ہے عام طور پر یہ کلیہ صحیح نہ ہو، لیکن کم از کم خانہ کعبہ کی اس تعمیر کے سلسلہ میں جس طرح تاریخ نے یہ واقعہ دہرایا ہے، وہ اپنے اندر بہت بڑا درسِ عبرت رکھتا ہے، ناظرین میں بہتوں کو معلوم ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بیشتر ابرہہ اشرم شاہ حبش نے اس مقصد سے یمن میں ایک کنیسہ تعمیر کرایا تھا کہ عرب کعبہ کو چھوڑ کر اس کا حج کیا کریں، یہ وہی کنیسہ ہے جس کو ایک کنانی نے جوشِ غضب میں گندگی سے آلودہ کر دیا تھا، اور ابرہہ جوشِ غضب میں ہاتھیوں کا غول لے کر کعبہ کو ڈھانے کے لیے چڑھ آیا تھا، لیکن خدا نے اپنے گھر کو اس سے بچا لیا، سورۂ فیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

خدا کی قدرت اور زمانہ کی نیرنگی دیکھو کہ کم و بیش ڈیڑھ صدی بعد اسی کنیسہ کو جو

---

[1] مسلم کتاب الحج نقض الکعبہ و بنائہا،

کعبہ کے مقابلہ میں بنایا گیا تھا، ابن زبیرؓ نے کھدوا کر اس کے ملبہ سے کعبہ کی عمارت تعمیر کرائی، ابرہہ نے یہ کنیسہ بڑے ساز و سامان سے بنوایا تھا، سنگِ رخام کے ستون تھے، رنگ برنگ کے نقشی پتھر اور خوش رنگ پچہ کاری، سنہری پالش اس کی آب و تاب دوبالا کر رہی تھی، ابن زبیرؓ نے یہ تمام بیش قیمت سامان کھود کر کعبہ کی عمارت میں لگایا۔[۱]

غلافِ کعبہ | سیوطی کا بیان ہے کہ ابن زبیرؓ سے پہلے مسوح اور انطاع کا غلاف کعبہ پر چڑھایا جاتا تھا، سب سے اول ابن زبیرؓ نے دیبا کا غلاف چڑھایا[۲] لیکن بروایت صحیح اس اولیت کا سہرا حضرت امیر معاویہؓ کے سر ہے، سب سے پہلے انہی نے کعبہ کو دیبا سے آراستہ کیا تاہم عبداللہ ابن زبیرؓ کی یہ خدمت بھی کم نہیں کہ انھوں نے اپنے زمانہ میں دیبا ہی کے غلاف چڑھوائے۔

فضل و کمال | گو ابن زبیرؓ کو اپنی صغر سنی کے باعث براہِ راست فیضانِ نبوت سے بہرہ یاب ہونے کا موقعہ نہیں ملا تھا، کیونکہ ان کی عمر [illegible] وفات [illegible] ۹ سال سے زیادہ نہ تھی، تاہم حضرت زبیرؓ بن عوام جیسے باپ اور عائشہؓ صدیقہ جیسی خالہ کی آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی، جو مردوں سے زیادہ مذہب کی واقف کار تھیں، اس لیے ابن زبیرؓ کا دامنِ علم مذہبی علوم سے خالی نہ رہا۔

[illegible] | قرآنِ مجید کے وہ بہت اچھے قاری تھے، حضرت ابن عباسؓ جو خود حبر الامۃ تھے، ابن زبیرؓ کے دوسرے فضائل و کمالات کے ساتھ اُن کی قراتِ قرآن کے خاص طور سے معترف تھے۔[۳]

حدیث | گو ابن زبیرؓ کو صغر سنی کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کا کم موقع [illegible] ہم وہ احادیث نبوی سے تہی [illegible] چنانچہ ان سے ۳۳ روایتیں حدیث کی کتابوں

۱؎ [illegible] ج ۳ ص ۱۶۳ ۲؎ تاریخ الخلفاء سیوطی ص [illegible] ۳؎ [illegible] جلد ۲ کتاب التفسیر [illegible]

[illegible]

میں ملتی ہیں، جن میں سے دو روایتیں متفق علیہ ہیں اور ۶ میں بخاری اور ۲ میں مسلم منفرد ہیں[۱]،

ان میں کچھ روایات زبان وحی والہام سے اور کچھ حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت عائشہؓ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ سے مروی ہیں، ان کے تلامذہ میں عباد، عامر، عروہ، محمد، ہشام، عبداللہ، مصعب، عبدالوہاب بن یحییٰ یوسف، مرزوق ثقفی، ثابت بنانی، ابوالشعثا، اور ابوالذبیان قابل ذکر ہیں[۲]،

تعلیم وارشاد | ابن زبیرؓ کے چشمۂ فیض سے عام مسلمان بھی سیراب ہوتے تھے، اور وہ عوام کو تقریر کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور آپ کے افعال کی تعلیم دیتے تھے[۳]،

علمی افادہ واستفادہ | ان کا فضل وکمال ان کے معاصرین میں مسلّم تھا، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے معاصرین سے نہ علمی استفادہ میں عار کرتے تھے، اور نہ ان کے کمالات کے اعتراف میں بخیل تھے، چنانچہ جب کبھی اس قسم کا مسئلہ پیش آتا جس سے وہ ناواقف ہوتے تو بغیر کسی تامل کے مستفتی کو دوسرے معاصرین کے پاس بھیجدیتے تھے، ایک مرتبہ یہ اور عاصم بن عمر بیٹھے تھے، محمد بن ایاس نے آکر سوال کیا کہ ایک دیہاتی نے خلوت سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، آپ دونوں کا اس بارہ میں کیا خیال ہے، ابن زبیرؓ کو صورت مسئولہ کا علم نہ تھا، اسلیے کہدیا کہ مجھے اس بارہ میں علم نہیں ہے، عبداللہ بن عباسؓ کے پاس جاؤ وہ بتائیں گے[۴]،

جو مسائل ان کو نہ معلوم ہوتے اپنے معاصرین سے بے تکلف پوچھ لیا کرتے تھے، چنانچہ شیرخوار کے وظیفہ، کھڑے ہوکر پانی پینے، اور قیدی کو چھڑانے کے بارہ میں حضرت حسینؓ

---

[۱] تہذیب الکمال ص ۱۹۷ [۲] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۱۳ [۳] مسلم کتاب المساجد ومواقع الصلوٰۃ باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ وبیان صفتہ [۴] موطا امام مالک ص ۲۰۸

سے معلومات حاصل کیے تھے[1]،

مختلف زبانوں سے واقفیت | عہد صحابہؓ میں ایسے افراد مشکل سے نکلیں گے جو عربی کے علاوہ دوسری زبانوں سے بھی واقفیت رکھتے ہوں، یہ امتیاز صرف ابن زبیرؓ کو حاصل تھا کہ وہ متعدد زبانوں کے ماہر تھے، اور ان میں نہایت آسانی کے ساتھ گفتگو کر سکتے تھے، ان کے مختلف اقوام کے بہت سے غلام تھے، ان کی زبانیں بھی مختلف تھیں، ابن زبیرؓ ان سب سے ان کی مادری زبان میں گفتگو کرتے تھے[2]

خطابت | خطابت اس عہد کا بڑا کمال سمجھی جاتی تھی، ابن زبیرؓ کا شمار اپنے عہد کے ممتاز خطباء میں تھا، عثمان بن طلحہؓ روایت کرتے ہیں کہ بلاغت میں ابن زبیرؓ کا کوئی حریف نہ تھا جب وہ خطبہ دیتے تو آواز کی کڑک سے پہاڑیاں گونج اٹھتی تھیں[3]، ان کی ایک تقریر نمونۃً نقل کی جاتی ہے، اس سے ان کی خطابت کا اندازہ ہوگا، اس تقریر کی شان نزول یہ ہے کہ ابن زبیرؓ کے بھائی مصعبؓ ان کی جانب سے عراق کے حاکم تھے، ایک مرتبہ ابن زبیرؓ کے پاس عراق سے وفد آیا، انھوں نے اس سے مصعبؓ کے حالات پوچھے، ارکانِ وفد نے مصعبؓ کے حسن سیرت اور عدل پروری کی بڑی تعریف کی، ابن زبیرؓ نے تمام مسلمانوں کی آگاہی کے لئے جمعہ کے بعد مصعبؓ کے حالات کے بارے میں حسب ذیل تقریر کی[4]،

ایھا الناس انی سألت الوفد	لوگو! میں نے وفد سے مصعب کے حالات
عن مصعب فاحسنوا الثناء علیہ	پوچھے، انھوں نے ان کی بڑی تعریف کی،
وذکروا ما احبہ وان مصعبا	اور جیسا میں چاہتا تھا وہی ان سے سنا

---

[1] استیعاب ج اول ص ۳۰۸ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۵۴۹ [3] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۱۳،

[4] امالی ابوعلی قالی جلد اول ص ۲۸۶،

اطبی القلوب حتی ما تعدل بہ
واکا ھواء حتی ما تحول عنہ
استمال الالسن بثنائھا و
القلوب بنصحھا والنفوس
بمحبتھا فھو المحبوب فی
خاصتہ والمحسود فی عامتہ
اطلق اللہ لسانہ من الخیر
وبسط یدہ من البذل

مصعب نے لوگوں کے دلوں کو مسحور کرلیا ہے:
کہ وہ کسی کو ان کے برابر نہیں سمجھتے، اور
خواہشوں کو ایسا فریفتہ کرلیا ہے کہ ان سے
الگ نہیں ہوتیں، انھوں نے اپنے حسن
عمل سے زبانوں کو اپنی تعریف میں اور
دلوں کو اپنی خیر خواہی اور نفوس کو اپنی
محبت کا گرویدہ بنالیا ہے اور وہ اپنے
خاص طبقہ کے محبوب اور عام طبقہ کے پسندیدہ
انسان ہیں، اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ خدا نے
انکی زبان کو بھلائی کے لیے کھولدیا ہے اور
ہاتھ کو سخاوت کے لیے دراز کردیا ہے۔

تاریخ کی کتابوں میں ان کی بڑی لمبی لمبی تقریریں ہیں، ہم نے اختصار کے خیال سے ایک مختصر نمونہ نقل کیا ہے،

اخلاق و عادات ابن زبیرؓ جس گھرانے کے چشم و چراغ تھے، اور جیسے مقدس بزرگوں کے دامن میں انھوں نے پرورش پائی تھی، اس کا قدرتی اقتضا یہ تھا کہ وہ تعلیماتِ اسلام کا عملی نمونہ ہوتے، اسی لیے ان کی زندگی سرتاپا مذہبی رنگ میں رنگ گئی تھی، اور وہ اسوۂ نبوی کا ایک زندہ نمونہ بن گئے تھے،

عبادت عبادتِ الٰہی ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا، اور اس میں بڑی محنت شاقہ برداشت کرتے تھے، نماز اس سکون قلب، اس اخلاص اور استغراق سے پڑھتے تھے کہ قیام کی حالت

میں بے جان ستون معلوم ہوتے تھے[1]، رکوع کا یہ عالم تھا کہ دوسرے لوگ پوری سورۂ بقرختم کردیتے مگران کا رکوع ختم نہ ہوتا[2]، سجدہ کی یہ کیفیت تھی کہ طول سجدہ کی وجہ سے ایسے بے حس وحرکت ہوجاتے کہ چڑیاں اڑاڑکر پیٹھ پر بیٹھتی تھیں[3]، نازک سے نازک مواقع پر بھی نماز کی جانب سے غفلت نہ ہوتی تھی، حجاج کے محاصرہ کے زمانہ میں جب کہ چاروں طرف سے پتھروں کی بارش ہوتی تھی، ابن زبیرؓ حطیم میں نماز ادا کرتے تھے، پتھر آکر پاس گرتے تھے، مگر یہ مطلق متوجہ نہ ہوتے تھے[4]، ان کا معمول تھا کہ ایک رات قیام میں گذارتے، دوسری رکوع میں، اور تیسری سجدہ میں[5]، انکی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی ہوبہو تصویر ہوتی تھی، ابن عباسؓ کہتے تھے، اگر تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھنا چاہتے ہو، تو ابن زبیرؓ کی نماز کی نقل کرو[6]، عمروؓ بن دینار روایت کرتے ہیں کہ میں نے کسی نمازی کو ابن زبیرؓ سے زیادہ اچھی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا[7]۔

روزوں سے بھی یہی شغف وانہماک تھا، کبھی کبھی مسلسل سات سات دن کا روزہ رکھتے تھے[8]، دوشنبہ کا روزہ کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا حج بہت کم ناغہ ہوتا تھا، گو دعویٰ خلافت سے لیکر شہادت تک برابر جھگڑوں میں مبتلا رہے، لیکن حج اس حالت میں بھی ناغہ نہ ہوا، حج کا فرض صرف ایک مرتبہ حج کرنے سے ساقط ہوجاتا ہے، لیکن ابن زبیرؓ نے آٹھ حج کیے[9]، حرم چونکہ نشیب میں ہے، اس لیے جب بارش زیادہ ہوتی تھی، تو کبھی کبھی سیلاب آجاتا تھا، اور پورا حرم تہ آب ہوجاتا ایسی حالت میں بھی ابن زبیرؓ طواف ناغہ نہ کرتے تھے، اور پانی میں پیر کر اسے پورا کرتے تھے[10]۔

---

[1] اصابہ ج ۴ ص ۷۰ [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۲ [3] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۹۲ [4] تاریخ الخلفاء ص ۲۱۳
[5] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۲ [6] مسند ابن حنبل ج اول ص ۲۸۹ [7] تاریخ الخلفاء ص ۲۱۳
[8] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۵۴۹ [9] استیعاب جلد اول صفحہ ۳۶۳ [10] اصابہ جلد ۴ صفحہ ۷۲ و تاریخ الخلفاء ص ۲۱۳

غرض کوئی ایسی عبادت نہیں ہے جس میں انھوں نے سخت سے سخت محنت نہ اٹھائی ہو،[1]

ان کی مذہبی زندگی کے وہ لوگ معترف تھے، جو خود زہد و ورع کا مجسم پیکر تھے، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جو مذہبی حیثیت سے اپنے تمام معاصروں میں ممتاز تھے، جب ابن زبیرؓ کی لاش کی طرف سے گذرے تو نہایت حسرت سے مخاطب ہو کر کہا، ابو خبیب خدا تمھاری مغفرت کرے، تم بڑے روزہ دار، بڑے نمازی اور بڑے صلہ رحمی کرنے والے تھے،[2]

دین و دنیا کا اجتماع | عموماً زہد و ورع اور عبادت و ریاضت کے ساتھ دنیاوی عقل و فہم کا اجتماع کم ہوتا ہے، لیکن ابن زبیرؓ کی ذات میں دونوں اوصاف مجتمع تھے، وہ دنیادار بھی تھے اور عابد شب زندہ دار بھی، دنیا میں مشغول بھی تھے، اور دنیا سے الگ بھی، عمر بن قیس روایت کرتے ہیں کہ جب میں ابن زبیرؓ کو دنیاوی معاملات میں دیکھتا تھا، تو معلوم ہوتا تھا کہ یہ شخص کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی خدا سے تعلق نہیں پیدا کرتا، اور جب آخرت کے معاملہ میں دیکھتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ یہ شخص ایک لمحہ کے بھی دنیا کی طرف مشغول نہیں ہوتا،[3]

ازواج مطہراتؓ کی خدمت | تمام گذشتہ خلفا اہل بیت نبویؐ کی خدمت میں اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے تھے، حضرت ابن زبیرؓ نے بھی اس سلسلہ کو قایم رکھا، عزیزداری کے لحاظ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آپ کو خاص خصوصیت تھی، اور آپ ان کی بڑی خدمت کرتے تھے، وہ بڑی فیاض اور کشادہ دست تھیں، ابن زبیرؓ انھیں جو کچھ دیتے وہ سب خرچ کر ڈالتیں، ان کی اس فیاضی پر ایک مرتبہ ابن زبیرؓ کی زبان سے نکل گیا کہ اگر انھوں نے اپنا ہاتھ نہ روکا تو آیندہ امداد نہ کروں گا، اتفاق سے حضرت عائشہؓ کو اس کی خبر ہو گئی، ان کو بڑا صدمہ ہوا اور قسم کھائی کہ آیندہ ابن زبیرؓ سے کبھی نہ بولوں گی، جب اس عہد نے زیادہ سنجیدہ شکل اختیار

---

[1] کنز العمال فضائل ابن زبیرؓ [2] مستدرک ج ۳ ص ۵۵۲ [3] تاریخ الخلفا سیوطی

کرلی اور حضرت عائشہ رضؓ کے ترک کلام نے طول پکڑا، تو ابن زبیرؓ بہت پریشان ہوئے، اور عفو تقصیر کی کوشش شروع کی، لیکن حضرت عائشہ رضؓ نے جواب دیا کہ میں کسی کی سفارش سنکر اپنی قسم نہیں توڑ سکتی، لیکن ابن زبیرؓ کے لیے یہ صورت بہت تکلیف دہ تھی، اس لیے کچھ دنوں کے بعد پھر مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمن بن اسود سے سفارش چاہی کہ تم لوگ کسی طرح مجھے خالہ کی خدمت میں پہنچا دو، ان کے لیے مجھ سے ترک کلام کی نذر ماننا جائز نہیں، یہ دونوں ان کو اپنے ساتھ حرم نبویؐ کے آستانہ پر گئے، اور سلام عرض کرکے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی، حضرت عائشہ رضؓ نے اجازت مرحمت فرمائی، ان دونوں نے پھر عرض کیا، ہم سب اندر آسکتے ہیں؟ حضرت عائشہ رضؓ کو ابن زبیرؓ کا حال معلوم نہ تھا، اس لیے سب کو اجازت دیدی، ان دونوں کے ساتھ ابن زبیرؓ بھی مکان کے اندر داخل ہوگئے، اور پردہ کے اندر جاکر خالہ کے گلے مل کر رونے اور قسمیں دلانے لگے، مسور اور عبدالرحمن نے بھی قسم دلائی، مگر حضرت عائشہ رضؓ اس کے باوجود بھی نہ بولیں، جب اسمیں بھی ناکامی ہوئی تو رسول اللہؐ کا یہ فرمان یاد دلاکر کہ کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترک کلام جائز نہیں ہے، برابر اصرار کرتے رہے، حضرت عائشہ رضؓ بھی دونوں کو نصیحت کرنے لگیں، اور رو رو کر فرماتی جاتی تھیں، میں نے نہ بولنے کی نذر مانی ہے، اور نذر کا توڑنا بہت سخت ہے۔ لیکن دونوں سفارشی کچھ اس طرح مصر ہوگئے کہ آخر میں حضرت عائشہ رضؓ کو بولتے ہی بن پڑا، اور نذر توڑنے کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کیے گو آپ نے نذر توڑنے کا کفارہ ادا کردیا تھا۔ لیکن اس کا اتنا غم تھا کہ جب اس کو یاد کرتی تھیں تو آنسو پونچھتے پونچھتے ڈوپٹہ تر ہوجاتا تھا[1]،

احکام نبوی کی پابندی | احکام نبویؐ کی پابندی میں بڑا اہتمام تھا، اور کسی موقع پر بھی اسکو

---

[1] بخاری ج ۲ کتاب الادب باب الھجرۃ،

نظر انداز نہ ہونے دیتے تھے، ایک مرتبہ ان کے اور ان کے بھائی عمرو کے درمیان کسی معاملہ میں تنازعہ ہو گیا، سعید بن عاص حاکم مدینہ تھے، ابن زبیرؓ ان کے پاس مقدمہ لیکر گئے، تو دیکھا کہ ان کے بھائی سعید بن عاص کے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں، سعید نے انکے رتبہ کے خیال سے انھیں بھی تخت پر بٹھانا چاہا، لیکن انھوں نے اس سے انکار کیا، اور کہا کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فیصلہ کیا ہے" اور نہ یہ آپ کی سنت کے مطابق ہے، مدعی و مدعا علیہ دونوں کو حکم کے سامنے بیٹھنا چاہیے[1]

حقوق والدین| حقوق العباد میں والدین کے حقوق اور ان کی اطاعت و فرماں برداری کا درجہ سب سے بلند ہے، ابن زبیرؓ نے حاضر و غائب ہمیشہ والدین کے حقوق کا یکساں خیال رکھا، متمول والدین کی وفات کے بعد ورثہ کو عموماً سب سے پہلے میراث کی فکر ہوتی ہے، لیکن اس معاملہ میں ابن زبیرؓ کا عمل اس عام روش سے جداگانہ تھا، انھوں نے باپ کے حقوق کے مقابلہ میں اپنے حق میراث کی جس کی تعداد کروروں روپیہ تھی، مطلق پروانہ کی اور حضرت زبیرؓ کی وفات کے بعد سب سے پہلے ان کا قرض چکایا، اس کے بعد جب دوسرے وارثوں نے تقسیم میراث کے لیے عجلت کی تو ابن زبیرؓ نے جواب دیا کہ میں چار سال برابر حج کے موقعہ پر اعلان کروں گا کہ والد کے ذمہ جس کا قرض ہو وہ اپنا قرض لے لے، اس اعلان کے بعد پھر ترکہ تقسیم کروں گا، چنانچہ چار سال مسلسل اعلان کرنے کے بعد پھر ترکہ تقسیم کیا[2] اسی طریقہ سے چار سال تک برابر لوگوں سے باپ کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست کرتے رہے، وہ نازک سے نازک مواقع پر ان کی اطاعت سے انحراف نہ کرتے تھے، اور اسی حالت میں جان تک دیدی، اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حجاج کے مقابلہ میں آخر آخر میں تمام

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۴ [2] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ

ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا تھا، حتیٰ کہ بیٹے بھی علٰحدہ ہو گئے، کوئی ناصر و یاور باقی نہ تھا، حجاج امان دینے پر آمادہ تھا، اور ابن زبیرؓ کے ادنیٰ اشارہ پر ان کی جان بچ سکتی تھی، لیکن ماں کے اس حکم پر کہ "حق پر جان دیدینا زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے" انھوں نے تن تنہا حجاج کا مقابلہ کیا، اور اسی معرکۂ حق و باطل میں جان نثار کر دی،

شجاعت و بہادری شجاعت و شہامت ابن زبیرؓ کا نمایاں وصف تھا، اس وصف میں انکے معاصرین میں ان کا کوئی مدِ مقابل نہ تھا، سیوطی لکھتے ہیں کہ ابن زبیرؓ اپنے زمانہ کے قریش کے بڑے بہادروں میں تھے، اور ان کے بہت سے مشہور معرکے ہیں[1]، ابن زبیرؓ کی پوری تاریخ سامنے ہے اس پر نظر ڈالی جائے تو اس کا صفحہ صفحہ ان کی داستان شجاعت سے معمور نظر آتا ہے، یہ وصف انھیں کچھ خلقۃً ملا تھا، اور کچھ ان کے پدر بزرگوار کی تربیت نے اس پر جلا دی، بچپن ہی سے ان کے ناصیۂ اقبال پر عظمت و شجاعت کے آثار نمایاں تھے، اور ان کے بچپن کے کھیل ان کے آیندہ کارناموں کا پتہ دیتے تھے، اس قسم کے واقعات شروع میں لکھے جا چکے ہیں، اس لیے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں،

حضرت زبیرؓ بن عوام نے شروع ہی سے انھیں شجاعت و بہادری کی تربیت دی تھی اور ہولناک مناظر دکھا کر انھیں اس کا خوگر بنایا تھا چنانچہ سب سے اوّل غزوۂ خندق ۵ھ میں جب کہ ان کی عمر پورے پانچ برس کی بھی نہ تھی، خندق کی معرکہ آرائی کا تماشہ دیکھا اور اس ادائے معصومانہ کے ساتھ کہ یہ اور ان کے ایک ہمسن صاحبزادے عمر بن سلمہ دُور ایک بلند ٹیلے پر کھڑے تھے، اور دونوں ایک دوسرے کی گردن پکڑ پکڑ کے جنگ کا منظر دکھاتے تھے[2] بچپن کے دور کے بعد جب شباب کی منزل میں قدم رکھا، تو یہ فطری وصف اور زیادہ چمکا چنانچہ

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۱۲ [2] مستدرک حاکم ج ۳ تذکرۂ ابن زبیرؓ

سب سے اول جنگ یرموک میں شریک ہوئے، پھر افریقہ کی مہم کو جس کی فتح کا سہرا ابن ابی سرح کے سر باندھا جاتا ہے، اپنی خوش تدبیری سے سر کیا، پھر حضرت عثمان رضؓ کی مدافعت میں سینہ سپر ہوئے، پھر جنگ جمل میں حریم نبوی کی حفاظت میں ۴۰ سے زیادہ زخم کھائے، حجاج کا جس شجاعت و پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا، اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، ان کی اس بے نظیر شجاعت کا ان کے حریف بھی لوہا مانتے تھے، چنانچہ مشہور اموی سپہ سالار حصین بن نمیر کا بیان ہے کہ ابن زبیر رضؓ نے مسجد حرام میں خیمہ نصب کر رکھا تھا، اس سے اس طرح نکلتے تھے، جس طرح جھاڑی سے شیر نکلتا ہے[۱]، اسی طرح اس عہد کے ایک مشہور سپہ سالار مہلب سے اس کے زمانہ کے بہادروں کے نام پوچھے گئے، تو اس نے کہا مصعب، عمر بن عبید اللہ اور عبادہ بن حصین، سائل نے کہا اور عبد اللہ بن زبیر رضؓ، مہلب نے کہا ہم انسانوں کا ذکر کرتے ہیں، جنوں کا نہیں[۲]، حضرت ابن عمر رضؓ سے کسی نے پوچھا زبیر رضؓ کے دونوں بیٹوں مصعب رضؓ اور عبد اللہ رضؓ میں سے کون زیادہ بہادر تھا، فرمایا، دونوں بہادر تھے، دونوں موت کو دیکھتے ہوئے اس کے منہ میں گھس گئے[۳]، عثمان بن ابی طلحہ کہتے تھے، کہ تین چیزوں میں ابن زبیر رضؓ کا کوئی حریف نہیں، عبادت، بلاغت، اور شجاعت[۴]،

جرأت و بے باکی جرأت و بے باکی بھی شجاعت ہی کا ایک رخ ہے، ابن زبیر رضؓ اس میں بھی فرد تھے، امیر معاویہ رضؓ نے جب یزید کو ولیعہد بنانا چاہا تو اپنی تدبیروں سے اور زر پاشیوں سے بڑے بڑے لوگوں کی زبانیں خاموش کر دیں، لیکن ابن زبیر رضؓ کی تیغ زبان انکے مقابلہ میں بھی بے نیام رہی، اور اس شدومد کے ساتھ ان کی مخالفت کی کہ امیر معاویہ رضؓ جیسے عالی دماغ مدبر کو متحیر کر دیا، اور آخر دم تک یزید کی ولیعہدی نہیں تسلیم کی، امیر معاویہ رضؓ

---

[۱] مستدرک حاکم ج ۳ تذکرہ ابن زبیر رضؓ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] تاریخ الخلفاء سیوطی حالات ابن زبیر رضؓ

ہوگئی تھی، اور ملک کی تمام آمدنی ان کے قبضہ میں تھی،

کفایت شعاری لیکن اس دولت کی فراوانی اور تمول کے باوجود اپنے دوسرے ہم عصروں، اور خاندانی افراد کے برعکس نہایت کفایت شعار تھے، اور مورخین کے قول کے مطابق انکی کفایت شعاری بخل کی حد تک پہنچ جاتی تھی،

ازواج واولاد ابن زبیرؓ کی ازواج اور اولاد کی صحیح تعداد بتانا مشکل ہے،

ابن عباسؓ اور محمد بن حنفیہ کی نظر بندی اور اسیری پر ایک نظر اوپر ابن زبیرؓ کے حالات میں ان کے محمد بن حنفیہؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کو قید کرنے اور مختار کو ان کے چھڑا لیجانے کا حال لکھا جاچکا ہے، لیکن وہاں اس واقعہ کو صرف واقعہ کی حیثیت سے لکھدیا گیا ہے، اور اس کے علل اور اسباب پر تفصیلی بحث نہیں کیگئی ہے، اسلئے وہ بظاہر زیادہ بدنما معلوم ہوتا ہے، جہانتک اصل واقعہ اور اسکے اسباب کا تعلق ہے اس واقعہ میں نہ کوئی خاص بدنمائی ہے، اور نہ اس سے ابن زبیرؓ پر زیادہ الزام عائد ہوتا ہے، لیکن اس کی غلط شہرت نے اسے بہت زیادہ بدنما بنادیا ہے، اس لئے اس موقع پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس واقعہ پر بحث کیجاتی ہے، اس کی عام شہرت یہ ہے کہ جب عبداللہ بن زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا، تو اور عمائد حجاز کے ساتھ انھیں بھی اپنی بیعت کی دعوت دی، انھوں نے انکار کیا، انکے انکار پر ابن زبیرؓ نے دونوں کو قید کرکے لکڑیوں کا انبار لگوادیا کہ اگر یہ لوگ ایک مقررہ مدت کے اندر بیعت نہ کرینگے تو انھیں پھونک دیا جائے، مختار ثقفی کو اس کی خبر ہوئی تو وہ انھیں چھڑا لے گیا، اس کے بعد پھر ابن زبیرؓ نے انکو طائف جلا وطن کردیا،

ظاہر ہے یہ واقعہ اس شکل میں بہت زیادہ بدنما اور ابن زبیرؓ اور ابن عباسؓ اور محمد ابن حنفیہؓ تینوں کے رتبہ سے فروتر ہے، لیکن واقعہ کی صحیح شکل اس سے بالکل مختلف ہے، اور اپنی اصلی صورت میں یہ واقعہ بہت کچھ ہلکا ہوجاتا ہے، بروایت صحیح اسکی صورت یہ ہے کہ جب ابن زبیرؓ نے

بھی مرتبہ خلافت کا دعویٰ کیا تو دوسرے عمائد حجاز کے ساتھ عبداللہ بن عباسؓ اور محمد بن حنفیہؒ
کو بھی بیعت کی دعوت دی، ان لوگوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا اس وقت
ان کے انکار پر ابن زبیرؓ بالکل خاموش رہے، اور ان دونوں سے کوئی تعرض نہیں کیا۔[1]

اسکے بعد جیسا کہ اوپر ابن زبیرؓ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے، بنی ثقیف کے ایک گمنام اور
خود غرض شخص مختار بن عبید ثقفی کو حصول حکومت کا حوصلہ پیدا ہوا، اور اس نے اپنی کامیابی کے
لئے حسینؓ کے خون کے انتقام اور دعوت اہل بیت کو آلہ کار بنایا، محمد بن حنفیہؒ اور ابن عباسؓ
دونوں اسکے دام فریب میں آگئے، امام زین العابدینؒ نے ان دونوں کو اسکی حقیقت سے آگاہ کر
کے روکنا بھی چاہا لیکن یہ لوگ ہاشمی عصبیت کی وجہ سے نہ رکے،

مسعودی کا بیان ہے، کہ مختار نے سب سے پہلے زین العابدینؒ کے پاس ایک
رقم نذرانہ میں بھیجکر ان سے درخواست کی کہ آپ ہمارے امام ہیں، اور ہم سب سے بیعت
لیکر امامت قبول کرکے ہماری سرپرستی قبول فرمائیے، امام ممدوح اسکی حقیقت سے آگاہ تھے،
اسلئے اسکی درخواست مسترد کر دی، اور مسجد نبوی میں مختار کے کذب اور فسق و فجور کا پردہ
فاش کرکے فرمایا کہ اس نے محض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اہل بیت کی آڑ پکڑی ہے،
مختار آپ سے مایوس ہوکر محمد بن حنفیہ کے پاس پہنچا، اور ان سے درخواست کی، زین العابدینؒ
نے انھیں بھی منع کیا، اور فرمایا کہ اہل بیت کی محبت میں اس کا ظاہر اسکے باطن سے بالکل
مختلف ہے، اور وہ یہ دعویٰ محض محبان اہل بیت کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے کرتا ہے،
ورنہ حقیقت میں اسکو اہل بیت کی دوستی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ انکا دشمن ہے، میری
طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہئے، حضرت زین العابدینؒ کے اس خلاف پر
محمد بن حنفیہؒ نے ابن عباسؓ سے اس کا تذکرہ کیا، انھوں نے کہا، [illegible] تم ان کا

اخبار الطوال ص ۲۷۴

[1] اخبار الطوال ص ۲۷۴

کہنا نہ مانو، تم کو نہیں معلوم ہم لوگوں کو ابن زبیر سے کیا خطرات ہیں؟[۵]

ابن سعد کی روایت ہے کہ عیسیٰ بن دینار موذن بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر سے مختار ثقفی کے بارہ میں پوچھا، انھوں نے کہا علی بن حسینؓ خانہ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر مختار پر لعنت بھیجتے تھے ایک شخص نے اعتراض کیا کہ خدا مجھے آپ پر فدا کرے آپ ایسے شخص پر لعنت بھیجتے ہیں جو آپ کے خاندان کی محبت کی راہ میں مارا گیا، فرمایا وہ کذاب تھا، خدا اور رسولؐ پر بہتان باندھتا تھا[۶]

مختار ثقفی کی جو حیثیت تھی، اس کا اندازہ حضرت زین العابدینؓ کے اس تنفر سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ علی الاعلان اس سے برأت فی اللہ فرماتے تھے دوسروں کو اس کے دام فریب میں پھنسنے سے روکتے تھے، اس کے برعکس عبداللہ بن زبیرؓ کے جو فضائل ہیں، وہ روز روشن کی طرح عیاں ہیں، خود ابن عباسؓ جو ان کے مخالف تھے، ان کے تمام فضائل کے معترف تھے، بخاری کی روایت ہے کہ ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ کے درمیان کچھ شکر رنجی تھی، میں نے ابن عباسؓ سے جا کر پوچھا، کیا آپ ابن زبیرؓ سے لڑ کر حرام الٰہی کو حلال کرنا چاہتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا، معاذ اللہ حرم الٰہی کو حلال کرنا تو بنی امیہ اور ابن زبیرؓ کی قسمت میں لکھا ہے، میں خدا کی قسم کبھی ایسی جرأت نہیں کر سکتا، پھر ابن عباسؓ نے کہا کہ ابن زبیرؓ کے حامی مجھ سے کہتے ہیں کہ ابن زبیرؓ کی بیعت کر لو، میں جواب دیتا ہوں کہ یہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان کے باپ (زبیرؓ بن عوام) حواری رسولؐ ہیں، ان کے نانا (ابوبکر صدیقؓ) رسول اللہؐ کے غار کے ساتھی ہیں، انکی ماں (حضرت اسماءؓ) ذات النطاقین ہیں، انکی خالہ (عائشہ صدیقہؓ) ام المومنین ہیں، انکی پھوپھی (خدیجہ صدیقہؓ) رسول اللہؐ کی حرم ہیں، رسول اللہ صلعم کی پھوپھی (حضرت صفیہؓ) انکی دادی ہیں، پھر خود اسلام میں پاکباز اور قاری قرآن ہیں۔[۷]

مختار کی اس بے دینی اور ابن زبیرؓ کے ان فضائل کے ہوتے ہوئے ابن عباسؓ اور

[۵] مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۲۰۳ و ۲۰۴

[۶] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۸

[۷] بخاری ج ۲ ص ۶۷۲

اور محمد بن حنفیہؒ نے نہ صرف ابن زبیرؓ کی مخالفت کی بلکہ ان کے مقابلہ میں مختار جیسے شخص کی امداد
کرتے تھے. لیکن اس کے باوجود ابن زبیرؓ نے شروع میں ان دونوں بزرگوں کے ساتھ کوئی
ناروا سلوک نہیں کیا، اور مختار برابر ان دونوں کے بل پر اپنا کام کرتا رہا، پھر جب مختار نے
ابن زبیرؓ کے عامل ابن مطیع کو نکال کر کوفہ پر قبضہ کر لیا، تو ابن حنفیہ کے شیعوں نے نہایت
آزادی کے ساتھ ابن زبیرؓ کے مقابلہ میں انکی دعوت شروع کر دی، ابن زبیرؓ پہلے سے انکے انکار
پر انکی جانب سے کھٹکے ہوئے تھے، جب ان کے شیعوں نے ان کی دعوت شروع کر دی، تو ابن زبیرؓ
کو انکی جانب سے اور زیادہ خطرہ پیدا ہو گیا، اس لئے انھوں نے ان سے پھر اپنی بیعت کے لئے
اصرار شروع کر دیا، اور اس مرتبہ ان کے انکار کرنے پر انھیں چاہ زمزم کی چار دیواری میں قید
کر دیا، اور ایک مدت مقرر کر دی کہ اگر وہ اس کے درمیان میں بیعت نہ کریں گے، تو انھیں
لکڑیوں سے پھونک دیا جائیگا، محمد بن حنفیہؒ اس وقت ابن زبیرؓ کے مقابلہ میں بالکل مجبور تھے،
اسلئے مختار ثقفی کو اطلاع دیکر اس سے امداد مانگی، اس نے آدمی بھیجکر انھیں چھڑا لیا[1]،

اس روایت میں ابن عباسؓ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، اسکے علاوہ ابن اثیر نے ایک اور روایت
"قیل" کر کے لکھی ہے، یعنی بیان کیا جاتا ہے کہ جب ابن زبیرؓ نے محمد بن حنفیہ کو زمزم میں قید کیا تو ابن عباسؓ
کو ان کے گھر میں محصور کر دیا، اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ انھیں بھی مختار نے رہا کرایا[2]،

اس سلسلہ میں عام طور پر یہ بھی مشہور ہے کہ ابن زبیرؓ نے محمد بن حنفیہؒ اور ابن عباسؓ دونوں
کو جلاوطن کر دیا تھا، لیکن یہ شہرت صداقت سے بالکل عاری ہے، واقعہ یہ ہے کہ مختار کے قتل
کے بعد جب محمد بن حنفیہؒ کا کوئی پشت و پناہ باقی نہیں رہا، تو ابن زبیرؓ نے پھر ان سے بیعت کا مطالبہ
شروع کیا، اور اب ان کے لئے مکہ میں رہکر بیعت سے انکار مشکل تھا، اس لئے یہ خود اپنی جان چھڑانے
کے لئے طائف چلے گئے، ان کے جانے کے بعد ابن عباسؓ کے بھی مکہ چھوڑ کر طائف کی سکونت

(۱) ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۶، ۲۰۷
(۲) ایضاً ص ۲۰۷

اختیار کریں، تینوں بزرگوں کے اختلاف کے سلسلہ میں جسقدر واقعات پیش آئے تھے اور جسطرح پیش آئے انکو ہم نے بلا کم و کاست نقل کر دیا ہے، اس کے بعد ناظرین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جبکہ مختار کی ضلالت و گمراہی بالکل عیاں تھی اور سلالۂ خاندان نبوت حضرت زین العابدینؓ نے اسکو واشگاف بیان کر کے محمد بن حنفیہ کو اس سے بچنے کی تاکید فرمائی، اسی طریقہ سے ابن زبیرؓ کے فضائل روز روشن کی طرح آشکارا تھے، اور خود ابن عباسؓ کو انکا اعتراف تھا، ایسی حالت میں، ان دونوں بزرگوں کا ابن زبیرؓ کے مقابلہ میں اسکی حمایت کرنا کہاں تک حق بجانب تھا، اور اگر ابن زبیرؓ نے جذبۂ انتقام میں ان دونوں پر کچھ ناروا زیادتیاں کیں، تو وہ تنہا کس حد تک اس کے ذمہ دار ہیں، فطرت انسانی کے نبض شناس اس کا خود فیصلہ کر سکتے ہیں، اب رہا یہ سوال کہ ابن زبیرؓ خلافت کے مستحق تھے یا نہیں، یا ابن حنفیہؓ اور ابن عباسؓ کا انکی بیعت سے انکار کرنا روا تھا یا ناروا، یہ علٰحدہ سوالات ہیں، جن پر بحث کا یہ موقع نہیں ہے، سوال جو کچھ تھا، وہ ابن حنفیہؓ اور ابن عباسؓ کی مختار کی حمایت کا اور اس کی تفصیل معلوم ہو چکی۔